

تیکھ لیے میں اس کی بات کاٹ دی۔
 ”بات یہیں ختم کرو۔ یہ سلسلہ جاری رہا تو مذہب کی
 بات نکل آئے گی۔ مجھے معلوم ہے کہ تم مسلمان اپنے عقائد
 کے بارے میں لگتے کڑھتے ہو۔ خود اپنے عقائد اور
 تعلیمات پر عمل کرو یا نہ کرو، دوسروں کی تنقید بڑا اشت نہیں
 کر سکتے۔“

میں کڑی نظروں سے اسے گھور کر رہ گیا۔ جواب میں
 کچھ نہیں بولا کیونکہ ہم اول خان کے دفتر کے سامنے پہنچ چکے
 تھے۔
 ہماری غیر موجودگی میں اس نے اپنا کام نمٹالیا تھا اور
 اس وقت آرام سے اپنی کرسی پر بیٹھا ہمارا منتظر تھا۔
 ”میں نے اپنے دو آدمی سو بجر بازار کی طرف روانہ
 کر دیے ہیں۔ اس نے مزاحمت کرنے کی کوشش کی تو وہ اسے
 جوتے مار کر لے آئیں گے۔“

”اس کے آنے تک ہمیں یہیں رکنا ہوگا؟“ میں نے
 ویرا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔
 ”مجھے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ میں گھر میں کسی سے کچھ
 کہنے بغیر نکلی تھی۔ وہاں کوئی میرا انتظار نہیں کرے گا۔“
 اس نے بے پروائی سے جواب دیا۔

”یہ کیا امتحان حرکت کی تم نے!“ میں نے تیزی سے
 پوچھا۔ ”تم کو دیر ہوگئی تو غزالہ اور سلطان شاہ کو تشویش
 ہوگی۔ تمہیں ان کو بتا کر آنا چاہیے تھا۔“
 اس کے انکشاف کے بعد گھر فون کرنا ضروری ہو گیا
 تھا۔ میری آواز سنتے ہی غزالہ نے مجھے بتانا چاہا کہ ویرا
 ناراضی کے عالم میں گھر سے نکل کھڑی ہوئی تھی مگر میں نے
 اس کی بات کاٹ کر اس کی وہ پریشانی رفع کرتے ہوئے بتا دیا
 کہ وہ اسٹیشن فور میں تھی اور ہم دونوں کو واپسی میں دیر
 ہو سکتی تھی۔

کھانے کا وقت ہو گیا تھا۔ اول خان نے اپنے اردلی کو
 کھانے کا بندوبست کرنے کی ہدایت کی اور ہم تینوں باتوں میں
 الجھ گئے۔

اسٹیشن فور کے نیم فونی میس کا کھانا سادہ مگر لذیذ تھا۔
 اول خان کے اصرار پر ہم دونوں نے سیر ہو کر کھایا پھر ویرا کی
 فرمائش پر گرم گرم چائے آگئی۔ چائے نوشی کے دوران میں
 ہی انٹرکام پر اطلاع کی کہ اول خان کے آدمی گوڈین کو پکڑ
 لائے تھے اور اسے لاک اپ میں ڈال دیا تھا۔
 مجھے معلوم تھا کہ اسٹیشن فور میں لاک اپ کی اصطلاح

فرنیچر سے عاری ان وحشت ناک کمروں کے لیے رائج تھی

”مگر اس زمانے میں تو تم بلیک کوئین ہو کر تھیں۔ سر
 سے پیر تک چست سیاہ لباس پہن کر سامنے آتی تھیں۔“
 ”پیرا وہ روپ شی کے عام کارندوں پر اپنی دہشت قائم
 رکھنے کے لیے تھا۔ خاص آدمی مجھ کو عام عورت کی طرح
 دیکھتے تھے۔“

”اس کا مطلب یہ ہوا کہ گوڈین تمہارے خاص مقررین
 میں شامل تھا!“

”نہیں اس سے بھی بڑا درجہ حاصل تھا۔“ وہ
 مسکراتے ہوئے معنی خیز لہجے میں بولی ”تم نے تو اسی بلیک
 کوئین والے دور میں مجھے لباس فطرت میں بھی دیکھا تھا۔“
 ”تم بے شرم ہو گئی ہو۔ تمہارے دماغ میں کہیں نہ کہیں
 کوئی ٹیڑھ ہے جو شاید مجھی نہ نکل سکے۔“ میں نے برا سامنے
 بنا کر کہا۔

”مجھے اس ٹیڑھ پر کوئی ندامت نہیں ہے۔ میں نے اپنی
 زندگی بھر پورا انداز میں اپنی مرضی سے گزار دی ہے۔ انسان کو
 زندگی صرف ایک بار ملتی ہے۔ اس سے جس قدر لذتیں کشید
 کر سکتے ہو، کر لو۔ یہ موقع دوبارہ کسی کے ہاتھ نہیں آتا۔“
 اس نے بے باکی سے جواب دیا۔

”یہ تمہارا بلکہ آج کے مغرب کا فلسفہ ہے۔ جہاں مادی
 آسائشوں کی دوڑ لگی ہوئی ہے، مشرق اور خاص طور پر اسلام
 کا فلسفہ بالکل الگ ہے۔“
 ”جہاں کچھ نہیں ہوتا وہاں کے بسنے والے قناعت
 پسندی کی گود میں پناہ لینے لگتے ہیں۔ یہ کوئی نئی بات نہیں
 ہے۔“

”یہ نہ کو، مشرق وسطیٰ میں کس چیز کی کمی ہے۔ امارت
 میں بہت سے عرب ملک امریکا سے آگے ہی ہیں۔“

ویرا نے میری بات درمیان سے ہی اچک لی۔ ”اپنے
 ملکوں میں بھی وہ بہت سے گل کھلاتے ہیں مگر پھر بھی وہاں
 اپنے قانون کے امیر ہوتے ہیں۔ ان امیر زادوں کا اصل
 روپ دیکھنا ہو تو یورپ اور امریکا کے کیسینو اور مگنگے نائٹ
 کلب دیکھو۔ ان میں سے بیشتر ان ہی کے دم قدم سے آباد
 ہیں۔“

”موت کے بعد زندگی کے بارے میں تم نے کچھ سوچا
 ہے۔“ میں نے دوسرے رخ سے سوال کیا۔

”بچپن میں مجھے اس بارے میں بتایا گیا تھا۔“ اس نے
 بے پروائی سے کہا ”مشکل یہ ہے کہ اس بارے میں ہم کچھ
 نہیں جانتے۔“

”کیا جو کچھ بتا دیا گیا ہے وہ کافی نہیں ہے۔“ میں نے

جن میں سے ایک میں خالد کو رکھا گیا تھا۔

چائے پینے کے بعد ہم تینوں اول خان کے دفتر سے اٹھ کر گوڈن کی طرف چل دیے۔ ویرا کمرے کے باہر رگ گئی۔ میں اول خان کے ساتھ اندر چلا گیا۔

وہ کمرے سانولے رنگ اور میٹھے ہوئے جسم والا ایک پست قامت شخص تھا۔ اس کے بدن پر نفیس کپڑے نظر آ رہے تھے، ایک انگلی میں بیش قیمت ہیرے کی انگوٹھی جگمگا رہی تھی۔ اس نے کسی اعصاب زدگی کا مظاہر نہیں کیا تھا۔ فکر مندی کے ساتھ ایک دیوار سے ٹیک لگا کر کھڑا ہوا تھا۔

”میری آنکھوں پر پٹی باندھ کر مجھے کسی عادی مجرم کی طرح یہاں لایا گیا ہے۔“ ہمارے اندر داخل ہوتے ہی اس نے شائستہ لہجے میں احتجاج کیا ”کیا میں جان سکتا ہوں کہ میں کن لوگوں کے قبضے میں ہوں اور مجھے یہاں کیوں لایا گیا ہے۔“

”تمہاری حیرانی بجا ہے۔“ میں نے سرد مہری سے کہا
 ”تمہارے دوستوں نے تمہیں خطرے کا کوئی سگنل نہیں دیا
 اور تم ناگمانی مصیبت میں آ گئے۔ ہم جانتے ہیں کہ تم ایک
 مدت سے اپنے گھر میں دبی شراب بنانے کی بھیجی چلا رہے ہو
 مگر ہمیں اس سے کوئی دبچسی نہیں ہے۔ یہ بھی یاد رکھنا کہ
 میاں سے تم کوئی بھتا دے کر نہیں نکل سکو گے۔ ہمیں اپنے
 چند سوالوں کے جواب درکار ہیں۔ میاں سے تمہاری
 غلو خلاصی کی صرف ایک صورت ہے کہ تم سے جو کچھ پوچھا
 جائے، بتاتے چلے جاؤ۔“

اس کی نظرس میرے چہرے پر جم کر رہ گئیں۔ چند ثانیوں تک وہ خاموش رہا پھر سکون سے بولا ”تم نے میری بھئی کا حوالہ شاید مجھے بلیک میل کرنے کے لیے دیا ہے۔ اس کے بجائے تم سوال کرو تاکہ مجھے تمہارے عزائم کے بارے میں کچھ بتا چل سکے۔“

وہ ذہین ہونے کے ساتھ ساتھ مضبوط اعصاب کا بھی مالک تھا۔ میں نے بوجھا ”دو اور دو کتنے ہوتے ہیں۔“

”میرا مضحکہ اڑانے کی کوشش مت کرو۔ میں تمہارا غیہ قانونی قیدی ہوں اور تم کو مجھ پر بہت زیادہ بالادستی حاصل ہے“

”آئی مین کب سے یہاں آیا ہوا ہے؟“ میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے پوچھا۔

”میں کسی آئی مین کو نہیں جانتا۔“ اس نے پورے اعتماد کے ساتھ جواب دیا۔

”پھر تم نے خالد کو کس کے پاس بھیجا تھا؟“ میں نے

جارحانہ لہجے میں اگلا سوال کیا۔

”یہ نام بھی میرے لیے اجنبی ہے۔“ اس کے اطمینان میں ذرا بھی فرق نہیں آیا تھا۔“

اسی لمحے وہ اگلے ہوئے دروازے میں سے اندر گھسی آئی۔ اس پر نگاہ پڑنے ہی کو یوں کی آنکھیں حیرت سے پیشانی پر جا پڑیں اور وہ ہڑبڑا کر اپنے قدموں پر سیدھا کھڑا ہو گیا۔

”وی۔ وی۔ وی۔۔۔ اور اے۔۔۔ تم یہاں۔۔۔ ان لوگوں کے ساتھ!“

”پہلے انہوں نے مجھے بھی تمہاری طرح انوا کیا تھا۔ میں تمہاری طرح اپنے کبل دکھاتی رہی یہ بہت سفاک اور بے رحم لوگ ہیں۔ انہوں نے ایسی مار لگائی کہ اب میں ان کی ہر ہدایت پر بے چون و چرا عمل کرتی ہوں۔ میرا مشورہ ہے کہ مار سے بچنے کے لیے تم بھی ان کے ہر سوال کا جواب دیتے چلے جاؤ۔“

”گوڈن کے چہرے پر پہلی بار سراسیمگی کے آثار نظر آئے۔ اس نے تھوک گھٹنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا ”تمہارے بارے میں یہاں بلاوجہ اشتہار نہیں چھپے تھے۔ تم واقعی یہاں موجود ہو۔ یہ لوگ شاید تمہارے اشارے پر مجھے یہاں لائے ہیں۔“

”اس بارے میں اپنا ذہن صاف کرلو۔“ ویرا نے اسے مشورہ دیا ”یہ لوگ میرے تابع نہیں ہیں۔ میں ان کے لیے کام کر رہی ہوں۔“

”میں نے آئی مین کا نام سنا ہے“ اس سے ملا ہوں مگر یہ حقیقت ہے کہ میں اسے نہیں جانتا۔ وہ مجھ سے نقاب لگا کر ملا تھا۔“ ویرا کو دیکھتے ہی گوڈین کے غبارے کی ہوا نکل گئی اور اس نے ایک ہی سانس میں بولنا شروع کر دیا ”میں نے خالد کو اس سے ملنے کے لیے بھیجا تھا۔ شاید وہ اب بھی اس کے لیے کام کر رہا ہو مگر میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ میں نے اس کے لیے کوئی جرم کیا ہے نہ کسی کا خون بہایا ہے۔ اخباروں میں چھپنے والے واقعات سے میرا کوئی تعلق نہیں ہے۔“

”ویری گڈ!“ میں نے تحسین آمیز لہجے میں کہا ”یہ خوشی کی بات ہے کہ جو ویرا کو دیکھتے ہی تمہارا حافظہ واپس لوٹ آیا۔ اب یہ بتاؤ کہ آئی مین سے تمہاری آخری ملاقات کب ہوئی تھی۔“

”اس سے میری پہلی اور آخری ملاقات ڈیفنس کے باؤن نمبر پینکے میں ہوئی تھی۔ وہاں اس نے مجھے سلور آئی دکھائی تھی اور پانچ ہزار ڈالر دے تھے۔ بعد میں، میں نے اسے نہیں دیکھا۔ وہ کبھی کبھی مجھے فون کرتا رہتا ہے۔“

کارروائیاں جاری رکھے ہوئے تھے۔

یہی وجہ تھی کہ انہوں نے اپنی ساری توجہ کراچی پر مرکوز کی ہوئی تھی۔ یکے بعد دیگرے ان کی اہم ترین افراد کراچی آتے اور اپنی زندگیاں گناتے رہے تھے۔ ان میں صرف جان ایٹش کوف ایسا خوش نصیب تھا جو بروقت کراچی سے فرار ہو کر دہلی میں جا بیٹھا تھا اور زندہ تھا۔ میدان چھوڑ کر بھاگ نکلنے کی وجہ سے اس کی ریشہ دوانیاں پس پردہ چلی گئی تھیں۔ اس کی کمی کو دور کرنے کے لیے آئی مین پہلے سے کراچی میں براہمان تھا اور آنے والے وقت کے لیے اپنے ارد گردشی کے پرانے جانٹوں کو یک جا کر رہا تھا۔

میں نے گوڈین کو آئی مین بلکہ بن ڈیوڈ کی شناخت کے لیے اٹھوایا تھا۔ اس سلسلے میں اس سے سرے سے کوئی مدد ملنے کی امید نہیں تھی لیکن اس نے کراچی میں آئی مین کی موجودگی کا سبب بیان کر کے ہر بات کا زالہ کر دیا تھا۔

گوڈین کے بیان کی روشنی میں یہ بات سمجھ میں آرہی تھی کہ راجا جیسے گروہ بند معاش کو دس ہزار روپے فی کلو گرام کا زرخانی دے کر خالد کو اس کے پیچھے لگانے کے مقاصد بہت زیادہ پیچیدہ نہیں تھے۔ وہ آئی مین کا قلیل مدت کا ایک منصوبہ تھا جس کا ظاہری مقصد صرف یہ تھا کہ وہ اپنے گرد جمع ہونے والے اپنے حواریوں کو سوچنے کا کوئی موقع دیے بغیر مصروف رکھ سکے اور کسی آڑے وقت کے لیے انہیں آزمائشوں سے گزارتا رہے۔

”میں تمہارے سامنے ہوں۔ ڈینی بھی کہیں عیش کر رہا ہوگا۔ وہ کسی خارش زدہ کتے کی طرح شرمیل جگہ جگہ چپچتا پھر رہا ہے۔“ ویرا نے گوڈین کو جواب دیا ”جس طرح گیدڑ کی موت آئی ہے تو وہ شرکی طرف بھاگتا ہے اسی طرح تمہارے آئی مین کی موت اسے امریکا سے کراچی لائی ہے۔ تم میری بات لکھ لو کہ جلد ہی وہ بے موت مارا جائے گا۔ اسے پاکستان کے کسی کونے میں امان نہیں مل سکے گی۔“

”میں اس کا ملازم ہوں۔ پانچ ہزار ڈالر دے کر وہ مجھے خرید چکا ہے۔ تم کو میرے سامنے اس کے بارے میں ایسی بات نہیں کرنی چاہیے۔ تم میرے مزاج سے واقف ہو۔ میں جس کا نمک کھاتا ہوں، آخری دم تک اس کا وفادار رہتا ہوں۔“

”میں یہ باتیں اسی لیے بتا رہی ہوں کہ یہاں سے واپسی کے بعد تم میرا پیغام اس تک پہنچاؤ۔“ ویرا نے تلخی سے کہا۔

گوڈین نے بے ساختہ اپنے دونوں کان پکڑ لیے اور بولا

وہ ہمارا پہلا قیدی تھا جس نے ذرا سی بھی مار کھائے بغیر سولہوں کے جواب دینے شروع کر دیے تھے۔“ جریڈ کی رونمائی ہوتے ہی اس کا سارا حوصلہ جواب دے گیا تھا۔

”اس نے تم کو آخری فون کب کیا تھا؟“ میں نے پوچھا۔

”مجھے دن اور تاریخ تو یاد نہیں لیکن یہ یاد ہے کہ اس کے فون کے اگلے ہی دن اخباروں میں اس کا نام آیا تھا۔ اس پر کلغٹن کے علاقے میں کسی کو مارنے کا الزام تھا۔“

”اس کی گاڑی کون چلاتا ہے؟“ میں نے چند لمحوں کے سکوت کے بعد پوچھا۔

”میں نے کہا تاکہ اس سے میری صرف ایک ملاقات ہوئی تھی۔ وہ کس سے کیا کام لیتا ہے۔ اس بارے میں مجھے علم نہیں ہے۔“ اس نے بے چینی سے اپنا وزن دوسری ٹانگ پر منتقل کرتے ہوئے جواب دیا۔

”تم اس کے ریکورڈنگ ایجنٹ تھے۔ تم نے کتنے آدمیوں کو اس کے پاس بھیجا تھا۔“

”خالد کے علاوہ اس نے دو پرانے آدمیوں کے فون نمبر دیے تھے۔ یہ تین چار مہینے پہلے کی بات ہے۔ جب وہ نیا نیا کراچی آیا تھا۔ مجھے نہیں معلوم کہ ان میں سے کس نے اس سے رابطہ کیا ہوگا۔“

”جب شی میاں مرکپ چکی ہے تو وہ یہاں کیا لینے کے لیے آیا ہے؟“ اس بار ویرا نے اس سے سوال کیا تھا۔

اس بار وہ چند ثانیوں تک خاموش رہا۔ اندرونی ذہنی کشمکش کے وہ لمحات گزر جانے کے بعد اس نے تھکی ہوئی اور دھیمی آواز میں کہا ”اسے تمہاری اور ڈینی کی تلاش ہے۔ وہ تم دونوں کو ہر قیمت پر زندہ یا مردہ پکڑنا چاہتا ہے۔“

جب سے آئی مین کا نام سامنے آیا، ہمارے لیے سب سے بڑا مسئلہ اسی سوال کا تھا۔ سر توڑ کوششوں کے باوجود ہم اس سوال کا جواب پانے میں ناکام ہو چکے تھے لیکن گوڈین نے بہت مختصر اور جامع الفاظ میں اس سوال کا جواب فراہم کر دیا تھا۔

وہ ویرا کو اچھی طرح پہچانتا تھا مگر میری اصلیت سے بے خبر تھا۔ اس سے یہ خطرہ نہیں تھا کہ ایس بی ایف کے چنگل سے نجات حاصل کرنے کے بعد وہ مجھے کوئی زک پہنچا سکے۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہو سکتا تھا کہ وہ کراچی میں ویرا کی موجودگی کی تصدیق کر دیتا۔ وہ کوئی ایسی ڈھکی چھپی بات نہیں۔ ہمارے دشمنوں کو ہتھ اسی اندازہ ہو چکا تھا کہ ہم لوگ کراچی کو اپنا مرکز بنا کر نیویارک سے دہلی تک اپنی

”یہ تو کچھ بھی نہیں ہوا۔“ اول خان نے سرے سے کچھ دور نکل آنے کے بعد بڑھوڑ آوازیں کہا۔

”تم نے دھیان نہیں دیا۔ گوڈین نے آئی مین کی آمد کا مقصد واضح کر دیا ہے۔“ میں نے جواب دیا۔

”یہ بات میں شروع سے ہی سمجھ رہی تھی۔“ ویرا نے درمیان میں دخل اندازی کی ”مگر میں نے زبان نہیں کھولی کہ تم لوگ اسے خوش فہمی اور مبالغہ آرائی قرار دے کر میرا مذاق اڑاؤ گے۔ سچ بات یہ ہے کہ اس وقت میرے اور تمہارے ناموں نے امریکا میں بڑے بڑوں کی نیند اڑائی ہوئی ہوگی۔“

”یہ عجیب بات ہے کہ آئی مین کے حوالے سے آنے والا ہر قیدی یہاں رکنے پر مصر ہے۔“ اول خان بڑبڑایا ”پہلے خالد تھا، اب یہ آگیا۔“

”اسی سے تم اندازہ لگا لو کہ نیا آئی مین کتنا خونخوار ہے۔ اس نے اپنے ہر زرخید کے دماغ میں اپنی دہشت بٹھائی ہوئی ہے۔“ ویرا بولی۔

”نتیجہ سامنے آئے بغیر کوئی کسی سے یوں دہشت زدہ نہیں ہوتا۔“ میں نے اول خان کے دفتر میں داخل ہوتے ہوئے کہا ”اس ملعون کے فرمودات اپنی جگہ خاصے سنگین رہے ہوں گے۔ ان میں دہشت کا عنصر پچھلے چند روز کی سنسنی خیز اخباری کہانیوں نے بھرا ہے۔ اس کے بارے میں شائع ہونے والے مواد سے یہ تاثر ابھرا ہے کہ وہ اپنے لیے خطرہ بننے والے ہر شخص کو اپنے اور پرانے کی تیز خیمے بغیر کسی خون آشام بھیڑیے کی طرح چیرھاڑ کر رکھ دیتا ہے۔“

”تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔“ ویرا بلا توقف مجھ سے متفق ہو گئی ”میرا ذہن اخباروں کی طرف نہیں گیا تھا مگر میں حیران تھی کہ اس کے لیے کام کرنے والے اس سے اس قدر دہشت زدہ کیوں ہیں۔ اب بات سمجھ میں آئی ہے۔“

”گوڈین کے بارے میں تم کیا سوچ رہی ہو؟“ اول خان نے قدرے توقف کے بعد پوچھا ”چلتے چلتے تم نے اس سے امید افزا بات کی تھی۔“

”گوڈین کی آمدنی کے ذرائع غیر قانونی ہیں مگر بنیادی طور پر وہ ذہن اور شریف آدمی ہے۔“

”سلیس اردو میں اسے شریف بد معاش کہا جاسکتا ہے۔“ میں نے مزاحیہ انداز میں لقمہ دیا ”گوڈین سے بات کرنے کے بعد مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے میرے ذہن سے کوئی بہت بڑا بوجھ اتر گیا ہو۔“

”اس شریف بد معاش نے ماضی میں میری سفاکی کے

”یہ پیغام رسائی میرے بس سے باہر ہے۔ غنیمت یہ ہے کہ تمہارے آدمی بہت شرافت اور خاموشی سے مجھے گھر سے لائے تھے۔ یہ لپٹی ہے رہا ہو کر میں گھر پہنچوں گا تو کسی کو کانوں کان پتا نہیں چلے گا کہ مجھے کچھ دیر کے لیے اغوا کیا گیا تھا۔ آئی مین کو بھگ مل گئی کہ تم نے مجھ پر ہاتھ ڈالا ہے تو وہ مجھے زندہ نہیں چھوڑے گا۔ اس نے ہر اس آدمی کو اپنے راستے سے ہٹانے کا فیصلہ کیا ہوا ہے جو اس کی سلامتی کے لیے ذرا بھی خطرہ پیدا کر سکے۔“

”ہمیں جھکا دینے کی کوشش مت کرو۔“ میں نے درشت لہجے میں کہا ”یہاں سے تمہاری گلو خلاصی اتنی آسان نہیں ہے۔ اپنی باتوں کے ہیر پھیر سے تم ویرا یا کسی اور کو فریب نہیں دے سکتے۔ تم کو کچھ دنوں کے لیے ہمارا مہمان رہنا ہوگا۔“

”پھر میں آئی مین کی واپسی تک تمہاری پناہ میں رہنا چاہوں گا۔“ اس نے مزید کسی بحث میں پڑے بغیر براہ راست وہی بات کہی جو اس سے پہلے خالد بھی کہہ چکا تھا ”میری واپسی میں دیر ہوئی اور یہ بات پچھل گئی کہ مجھے اغوا کیا گیا تھا تو خبر اس کے کانوں تک پہنچ جائے گی۔ وہ میرے خون کا پیاسا ہو جائے گا۔“

”وہ تمہارا خون پئے یا تمہاری ناز برداری کرے یہ تمہارا مسئلہ ہے۔ تمہاری آسانی کے لیے ہم کوئی خطرہ مول نہیں لیں گے۔“ میں نے اپنے لیے بھی درشتی برقرار رکھی۔

”گوڈین کی ملتجیانہ نگاہیں ویرا کی طرف اٹھ گئیں۔“ میں وعدہ کرتا ہوں کہ تم کو دغا نہیں دوں گا۔ اس کے ساتھ میں تم کو بھی جانتا ہوں۔ تم سے وعدہ خلائی کروں تو اپنے ہاتھ سے میری گردن کاٹ دیتا۔ میں آف تک نہیں کروں گا۔“

”ابھی اسی کمرے میں آرام کرو۔“ ویرا نے سیاٹ آواز میں کہا ”دیکھتے ہیں کہ تمہارے لیے کیا کیا جاسکتا ہے۔“

”خالد کے علاوہ تم نے جن دو آدمیوں کو آئی مین کے پاس بھیجا تھا، ان کے نام پتے کیا ہیں؟“ میں دوبارہ کام کی بات پر آگیا۔ یہ بات میرے ذہن میں سرایت کر چکی تھی کہ اس بار ہر اس آدمی کو قرار واقعی سزا ملنی چاہیے جس نے آئی مین جیسے خطرناک مجرم کا ذرا سا بھی ساتھ دیا ہو۔

اول خان ڈسپلن کا آدمی تھا۔ اس کی جب میں قلم کے ساتھ جیبی نوٹ بک بھی موجود تھی۔ اس نے گوڈین کے بتائے ہوئے دونوں نام اور پتے نوٹ کر لیے۔

گوڈین سے ہمارا کام ختم ہو چکا ہے۔ میں نے اول خان کو آنکھ سے اشارہ کیا اور دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

ہے۔ گھینٹاں بچتی رہیں اور وہ جواب نہ دے۔ موبائل فون بند بھی کیا جاسکتا ہے۔ ”اول خان نے ویرا کی وکالت شروع کر دی۔“

اول خان کی ہر تجویز صائب تھی۔ گوڈوین اپنی گلو خلاصی کے لیے وہ بے ضرر شرائط تسلیم کر سکتا تھا۔ وہ ان لوگوں میں سے تھا جو آسانی سے کسی سے کوئی وعدہ نہیں کرتے اور جب وعدہ کر لیتے ہیں تو پوری طرح اس کا پاس کرتے ہیں۔

”ٹھیک ہے۔ اس کے بارے میں تم جانو اور ویرا جانے۔ اب مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں رہی۔ وہ اتنا اہم آدمی نہیں ہے کہ اس کے فون سے جواب نہ ملنے پر آئی مین اپنی جان جو حکم میں ڈال کر اس سے ملنے کے لیے نکل کھڑا ہو۔ ہمارا اصل ہدف وہی ہے۔ وہ اپنے تو فصل خانے میں دنگا رہے گا۔ ہمیں صبر کے ساتھ اس کے باہر نکلے کا انتظار کرنا ہوگا۔“

”دراصل میں بھی یہی کہنا چاہ رہی تھی۔“ ویرا بولی ”گوڈوین کو روکنے سے آئی مین کے معاملے پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ آئی مین کے ان حاشیہ برداروں پر بعد میں ہاتھ ڈالا جاسکتا ہے۔ اس وقت ہمیں اپنی توجہ آئی مین پر مرکوز رکھنی چاہیے۔“

”جلال کی طرف سے کوئی خیر خبر ملی تو میں تمہیں بتا دوں گا۔“ گوڈوین کا قصہ طے ہوتے ہی میں نے کرسی چھوڑ دی۔ میرے ساتھ ویرا بھی اٹھ کھڑی ہوئی۔

”میں کو خوش کروں گا کہ خالد سے بھی جان چھوٹ جائے۔“ اس نے مجھ سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا پھر میرا ہاتھ تھامے تھا اے آئی مین کے پیچھے سے باہر نکل آیا۔

میں نے لاکھ کوکش کی کہ وہ پتی ہوئی دھوپ میں باہر نکلے کے بجائے ہم دونوں کو برآمدے سے ہی رخصت کر دے لیکن وہ نہ مانا۔ برآمدے سے اتر کیرک کی اوٹ میں کھڑی ہوئی گاڑی تک ہمارے ساتھ آیا اور ہمارے روانہ ہونے تک وہیں کھڑا رہا۔

”کیا میں جان سکتا ہوں کہ تم گوڈوین پر اتنی مہمان کیوں ہو رہی تھیں؟“ اسٹیشن فور کی چیک پوسٹ سے کھلی سڑک پر نکل آنے کے بعد میں نے استہزائیہ لہجے میں اس سے سوال کیا۔

”تمہارا لہجہ تضحیک آمیز ہے۔“ اس نے نرمی سے کہا ”وہ پاکستانی ہے اور سب سے بڑھ کر میرا اہم مذہب بھی ہے۔“

”دوسرے عیسائیوں سے تم نے کبھی ایسے لگاؤ کا مظاہرہ

نہرے بھی دیکھے ہیں۔ اگر ہم اس کی تجویز مان لیں تو میرا خیال ہے کہ وہ ہم سے وعدہ خلائی کر کے اپنی قبر کھودنے کی کوشش نہیں کرے گا۔ ہم ہر وقت اس کے گریبان پر ہاتھ ڈال سکتے ہیں۔“

”اس کے آدمیوں کو بند رکھ کر ہم اسے خوف زدہ کر سکتے ہیں۔ میں تو سوچ رہا ہوں کہ رات ہونے سے پہلے ان دونوں آدمیوں کو بھی اٹھالوں جن کی نشاندہی گوڈوین نے کی ہے۔ آئی مین کو راپٹوں میں ہر طرف ناکامی کا سامنا کرنا پڑے گا تو اس کا مارا خالٹ جائے گا اور وہ کوئی نہ کوئی غلطی کر بیٹھے گا جو ہمیں اس کی شہ رگ تک پہنچا دے گی۔“ اول خان نے فکر آمیز لہجے میں اپنی رائے دی۔

”پھر تو ہم نے کیلی بائزن کو چھوڑ کر سب سے بڑی غلطی کی ہے۔“ ویرا نے برہنہ کہا ”آئی مین امریکی تو فصل خانے میں چھپا ہوا ہے۔ کیلی بھی وہیں بے جانی گئی ہے۔ اپنی مادہ کو اپنے پبلو میں پا کر اسے ناقابل بیان ذہنی سکون حاصل ہوا ہوگا۔“

”میں یہ نہیں جانتا کہ کیلی اس کے پبلو میں گئی ہے یا کسی بستر پر ہی ہوئی ہے۔“ میں نے تھیکے لہجے میں جواب دیا ”یہ ضرور جانتا ہوں کہ کیلی کی پوزیشن دوسروں سے مختلف تھی۔ وہ مضابطہ سرکاری قیدی تھی۔ یہ ایس بی ایف کے شکار ہیں۔ ان کے ساتھ ہم من مانا سلوک کر سکتے ہیں۔“

”تم جو سلوک کرنا چاہو، کرو۔ میں تمہیں نہیں روکوں گی۔ میری بے لاگ رائے یہ ہے کہ گوڈوین کو رہا کر دو۔“

”گوڈوین، خالد اور ان جیسے دوسرے لوگ ہمارے لیے زیادہ اہم نہیں ہیں۔ میرا خیال ہے کہ ہمیں ویرا کی بات مان لینی چاہیے۔“ اول خان اچانک اپنے موقف سے دست بردار ہو گیا اور میں اس کا منہ دیکھتا رہ گیا۔

”یہ تمہیں کیا ہو گیا۔ تھوڑی دیر پہلے اپنی بولی بول رہے تھے۔ اب ویرا کے ہم نوا بن گئے!“ میں نے کہا۔

اول خان کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ ابھری ”ویرا کی سفارش کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ وہ گوڈوین کو ہم دونوں سے زیادہ جانتی ہے۔ آئی مین کو اعصاب زدہ کرنے کے لیے گوڈوین کو یہ ہدایت کی جاسکتی ہے کہ وہ اگلے تین دنوں کے لیے اپنے ٹیلی فون کے کارڈ نکال دے۔“

”تو اب فرسودہ ہو گیا۔ وہ خطرناک دھندلا کر رہا ہے۔ اس کے پاس یقینی طور پر موبائل فون موجود ہوگا۔“ میں نے اعتراض کیا۔

”یہ اور بھی آسان بات ہے۔ موبائل فون کھو بھی سکتا

نہیں کیا۔" میں نے تلخی سے سوال کیا "اس میں ایسی کیا خاص بات ہے۔"

"تم بلاوجہ اس کی طرف سے حد اور رقابت کا شکار ہو رہے ہو۔ ایسی کوئی بات نہیں تھی۔" اس نے کھٹک دار ہنسی کے ساتھ جواب دیا۔

"مجھے یہ پتی پڑھانے کی کوشش نہ کرو۔ تم خود ہتھیار ہو کہ اس نے تمہیں نقاب کے بغیر دیکھا ہوا تھا۔"

"اس میں بھی کوئی غیر معمولی بات نہیں تھی۔ اپنے اعتماد کے کئی ساتھیوں سے میں عام حیثیت میں ملا کرتی تھی۔"

"یہ سراسر غلط بیانی ہے۔ میں شی میں سی ہوں واکر تا تھا پھر بھی میں اس وقت تک تمہارا چہرہ نہیں دیکھ پایا تھا جب تک تم مجھ پر خود مہربان نہیں ہوئیں۔ جمانگیر ڈی ون تھا مگر اسے آخر تک پتا نہ چل سکا کہ بلیک کوئین کون ہے۔"

"آخر تم ان باریکیوں میں کیوں الجھ رہے ہو۔ اعتماد عہدوں پر نہیں، افراد پر کیا جاتا ہے۔" اس کے ہونٹوں پر ایک عجیب سی آسودہ مسکراہٹ کھیل رہی تھی جیسے گوڈین کے خلاف میرے خیالات جان کر وہ دل ہی دل میں محظوظ ہو رہی ہو "یہ میرا ذاتی معاملہ تھا۔ تمہیں اس سے کیا لینا ہے۔"

"وہرا!" میں نے لمحے بھر کے لیے سڑک پر سے نظریں ہٹا کر اسے گھورا پھر دوبارہ سڑک پر توجہ مرکوز کرتے ہوئے کہا "میں نے اپنی زندگی کسی خافہ میں نہیں گزاری۔ میں مردانہ خباثتوں کو اچھی طرح سمجھتا ہوں۔ تمہاری طرف دیکھتے ہوئے اس مردود کی آنکھوں میں ایک عجیب سی پرامیدی اور چمک نظر آنے لگتی تھی۔۔۔ سچ بتانا کہ وہ تمہاری کسی غلط کاسا تھی تو نہیں تھا۔"

آخری سوال کسی آتش گیر لکیری طرح میرے ذہن میں کوندا اور بے ساختہ الفاظ کی صورت میں میری زبان پر آگیا۔ ویرا کی دہلی دلی فخر آمیز ہنسی سن کر مجھے احساس ہوا کہ اس وقت میں نے اپنے مردانہ وقار کے منافی بات کی تھی۔ وہ خیال ذہن میں آئی گیا تھا تو اسے زبان پر نہیں آنا چاہیے تھا۔

"تو یہ کہو کہ تم اس سے رقابت محسوس کر رہے ہو۔" اس نے نرمی سے میرا بایاں بازو دباتے ہوئے کہا "میں نے تمہارے سامنے کبھی پارسائی کا دعویٰ نہیں کیا۔ میرا ماضی کسی کھلی کتاب کی طرح تمہارے سامنے ہے۔ تم سے ملنے سے پہلے میں مردوں سے مٹی کے کھلونوں کی طرح کھیلنے کی

عادی تھی، ایسے کھلونے جن سے بچے اپنا دل بھلائے ہیں اور جب اکٹا جاتے ہیں تو انہیں کوڑے دان میں پھینک کر ہیشہ کے لیے پھیل جاتے ہیں مگر گوڈین کے ساتھ ایسی کوئی بات نہیں بنی۔"

"تم میرے تجربے کو جھٹلانے پر تل گئی ہو تو میں تمہاری بات مانے لیتا ہوں۔" میں نے اپنا سر جھٹک کر کہا "مگر میں یہ جانتا ہوں کہ گوڈین کی نظروں میں تمہارے لیے بے انتہا اپنائیت تھی۔ اس وقت میرا دل چاہ رہا تھا کہ انگلیاں مار کر اس کی دونوں آنکھیں پھوڑ دوں۔"

"ڈینی!" اس نے میرا بازو تقریباً نوپتے ہوئے تیز زدہ خوشی کے ساتھ پوچھا "کیا تم سچ کہہ رہے ہو؟"

"تمہیں معلوم ہے کہ آپس کی باتوں میں، میں جھوٹ نہیں بولتا۔" میں نے آہستگی سے کہا۔

"اس وقت میں خوش ہوں۔ بہت۔۔۔ بہت ہی زیادہ خوش ہوں کہ آج پہلی بار پتھر کو چونک گئی ہے۔ تمہاری آنکھیں ہمیشہ مجھ سے کچھ کہتی رہتی ہیں لیکن تم نے اپنا مردانہ بھرم رکھنے کے لیے اپنی زبان پر خاموشی کے وزنی قفل ڈالے ہوئے ہیں۔ خدا کا شکر ہے کہ آج تم کچھ بولے ہو۔ میری وجہ سے تمہیں کسی مرد پر غصہ آیا ہے۔ یہ میرے لیے فخر اور غرور کا مقام ہے۔"

"ایک ذرا سی بات کو افسانہ نہ بناؤ۔ تم ہماری امان میں آئی ہوئی ہو۔ میں یہ برداشت نہیں کر سکتا کہ کوئی مرد تم پر بری نظر ڈالے۔"

ویرا معنی خیز انداز میں ہنس پڑی اور میرے پہلو میں چٹکی لیتے ہوئے بولی "اب بات بنانے کی کوشش مت کرو۔ حقیقت بے ساختہ الفاظ کا روپ دھار کر تمہارے لبوں پر آگئی تھی۔ تیرا کمان سے نکل چکا تھا۔ اسے تم کسی طرح واپس نہیں لو سکتے۔ تمہارا جھوٹا بھرم ٹوٹ گیا ہے تو اسے یوں ہی رہنے دو۔ اپنے وقار کا مسئلہ نہ بناؤ۔ میں کسی کو نہیں بتاؤں گی کہ آج تم گوڈین سے کیوں اور کیسی نفرت محسوس کر رہے تھے۔ تمہارے الفاظ میری زندگی کا قیمتی اثاثہ بن چکے ہیں۔ مجھ سے میرا یہ اثاثہ چھیننے کی کوشش مت کرو۔"

چٹکی مروڑ کر اس نے میرے بائیں پہلو میں گدگدی کر ڈالی۔ میں ڈرائیونگ سیٹ میں بل کھا کر رہ گیا اور تیزی سے بولا "یہ کیا کر رہی ہو۔ ٹریفک کی بھیڑ میں حادثہ ہو جائے گا۔"

اس نے اپنے پرس میں سے پیکٹ نکال کر ایک سگریٹ سلگائی اور میرے لبوں میں تھادی۔ اپنے لیے دوسری سگریٹ سلگاتے ہوئے اس نے ہلکی سی مٹور آواز میں کہا

میرا خیال تھا کہ جلال اپنی حد سے بڑھی ہوئی مصروفیات کی وجہ سے مجھے فون پر اپنی کوششوں کے نتیجے سے آگاہ کرے گا مگر وہ چھ بیٹے خود جلدے گھر آئے۔ اس کے متین اور باوقار چہرے پر خوشی یا افسوس کی کوئی ایسی علامت نہیں تھی جس سے اس کی کامیابی یا ناکامی کا اندازہ لگایا جاسکتا۔

”تمہارے بشرے سے تنھن کے آثار ظاہر ہو رہے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ سارا دن بھاگ دوڑ میں گزارا ہے۔“ میں نے اسے ڈراٹنگ روم میں بٹھاتے ہوئے کہا۔

”فرائض کی ادائیگی میں کمی ہوتا ہے۔ ہمیں تنخواہ اسی بات کی ملتی ہے۔“ اس نے ہنس کر خوش دلی سے جواب دیا۔ ”اب اگر گرم گرم چائے کی ایک پیالی مل جائے تو دن بھر کی ساری تنھن ذرا سی دیر میں کافور ہو جائے گی۔“

”میں ابھی دو منٹ میں چائے بنا کر لاتا ہوں۔“ ویرا نے اس پر خلوص پیش کش کے ساتھ اپنی جگہ چھوڑ دی۔ اس وقت غزالہ نہانے کے لیے غسل خانے میں گئی ہوئی تھی۔ اس کی غیر حاضری میں ہلکی پھلکی میزبانی کی ذمہ داری ویرا کو ہی اٹھانی تھی۔

”اس وقت تمہارے اطوار کچھ پر اسرار سے ہیں۔“ ویرا کے جانے کے بعد میں نے سرگوشیانہ لہجے میں جلال سے کہا ”تم نے غلاب معمول ابھی تک کام کی بات شروع نہیں کی۔ امیگریشن انکوائری کا کیا راز؟“

”ابھی کوئی بات نہیں ہوگی۔“ کچن سے ویرا کی آواز آئی ”میں آ رہی ہوں۔“ شاید اسے میری سرگوشی کی بھنگ مل گئی تھی۔

”ویرا کو آجانے دو۔“ جلال نے بلند آواز میں کہا ”یہ تصدیق ہوگئی ہے کہ بن ڈیوڈی آئی مین ہے۔“

”میرے لیے جلال کا وہ جواب کافی تھا۔ مجھے یقین تھا کہ اس نے ہر پہلو سے جائزہ لیے بغیر اس تصدیق پر اعتبار نہیں کیا ہوگا۔ میں نے اسے گوڈن کی کمائی سنائی شروع کر دی تاکہ کچن سے ویرا کی آمد تک باتوں کا سلسلہ چلتا رہے۔

”یہ بھی ایک پہلو تھا۔ اچھا ہوا کہ تم نے اسے دیکھ لیا۔ اس وقت ہم کامیابی کے کسی موہوم ترین امکان کو بھی نظر انداز نہیں کر سکتے۔“ اس نے پوری روداد سننے کے بعد کہا ”آئی مین مختلف ذرائع سے آدمیوں کو یک جا کر رہا تھا۔ کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ ان میں سے کون اس کا ڈرائیور تھا۔ سب سے اہم بات یہ ہے کہ گوڈن نے آئی مین کی یہاں آمد کا سبب بتادیا۔ شاید اس نے ابتدا میں اپنے ساتھ ملنے والوں پر ذرا زیادہ اعتماد کیا تھا۔“

”آج حادثوں کا دن ہے۔ حادثاتی طور پر تمہارے دل کا چور کھل گیا۔ اب گاڑیاں لڑبھی جائیں تو مجھے پروا نہیں ہوگی۔ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ پورے سکون سے سرگھٹتی گی۔“

”ایسے منحوس اور بے رحمانہ کلمات منہ سے نہ بگلاؤ۔ میرے ساتھ کچھ ہوا تو غزالہ رو کر اپنی جان دے دے گی۔“

”تم جلی کے دوپٹوں میں پھنسے ہوئے ہو۔“ وہ پار سے میرا بدن سہلاتے ہوئے بولی ”ایک تم ہو کہ آج گوڈن کی ذرا سی نظر میں برداشت نہیں کر سکے۔ میرا حوصلہ دیکھو کہ میں دن رات تمہیں غزالہ کے ساتھ خوش دیکھ کر خود بھی خوش ہوتی رہتی ہوں۔ کبھی شکوے کا ایک حرف اپنی زبان پر نہیں لاتا۔“

اس کی ذہنی روائے خطرناک رخ پر ہلک چلی تھی۔ میں نے محسوس کیا کہ میں نے بات بوجھانے کی کوشش کی تو وہ بہت کچھ کہہ ڈالے گی۔ میں نے خاموشی اختیار کر کے گاڑی کی رفتار قدرے تیز کر دی تاکہ وہ سفر جلد از جلد ختم ہو جائے۔

”تم بولتے کیوں نہیں.... چپ کیوں ہو؟“ میری طرف سے کوئی جواب نہ پا کر اس نے مجھے ٹوکا۔

”تم سب کچھ جانتی اور سمجھتی ہو۔ میں کیا کہہ سکتا ہوں۔ میری خاموشی ہی سب سے بہتر ہے۔“

”شاید تمہارے دل کو کچھ تاوا لگ گیا ہے کہ غیر ارادی طور پر تمہارے دل کی بات تمہاری زبان پر کیوں آگئی۔“ وہ مجھے بولنے پر مجبور کر رہی تھی۔

”ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ اس وقت میرا ذہن آئی مین اور بن ڈیوڈ میں الجھا ہوا ہے۔ پتا نہیں اس معے کا کیا حل سامنے آئے گا۔“ میں نے مکاری سے کام لیتے ہوئے وہ بات چھیڑ دی جس میں ویرا اس روز حد سے زیادہ دلچسپی لے رہی تھی۔

”تم دیکھ لینا کہ جلال کو مایوسی ہوگی۔“ وہ میری چال بازی کو نہیں سمجھ سکی اور پھندے میں آگئی۔

میرا مقصد اسے دوسری باتوں میں الجھانا تھا تاکہ اس کے ذہن سے محبت اور اپنائیت کا شمارا تر سکے۔ میں نے جلال کی کوششوں کی کامیابی کی توقع ظاہر کر دی۔ نتیجہ وہی نکلا جو میں چاہتا تھا۔ ویرا نے زور و شور سے بحث کا سلسلہ شروع کر دیا۔ اس بار میں مباحثے میں پوری سرگرمی سے حصہ لے رہا تھا۔

دونوں یہاں مقیم ہیں۔ ان کے اصل پاسپورٹ میرے قبضے میں آچکے ہیں۔“

ویرا کے چہرے کا رنگ پھیکا پڑ گیا اور وہ بے اختیار اپنے ہونٹوں پر زبان بچھرتے ہوئے بولی ”اگر بن ڈیوڈ کے نام سے کوئی باہر نہیں گیا اور وہ دونوں یہیں مقیم ہیں تو ہر بات واضح ہے۔ بن ڈیوڈ ہی یہاں آئی میں بنایا ہوا ہے۔“

جلال کا جواب جامع اور مسکت تھا۔ ویرا کو اپنے دل کی باتیں آگے بڑھانے کا کوئی موقع نہیں مل سکا۔ اس امر میں کوئی کلام نہیں تھا کہ ویرا کے شبہات بہت زیادہ قرین قیاس تھے اور ان کا بروقت دور ہونا ضروری تھا۔ جلال نے پاسپورٹ برآمد ہوتے ہی بن ڈیوڈ کی تصاویر فوری طور پر ہر طرف پھیلا دی تھیں لیکن اسی کے ساتھ اس نے ان سفری دستاویزات کی کڑی اور فول پروف چھان بین کا بھی بندوبست کر لیا تھا۔ دونوں کی کارکردگی میں یہ فرق تھا کہ جلال خاموشی سے اپنے کام میں لگ گیا تھا۔ ویرا نے اپنے شبہات کا نقارہ بجا کر ہم سب کو تذبذب اور بے یقینی کی دلدل میں دھکیل دیا تھا۔ جلال نے اپنی کوششوں سے ہر ابہام دور کر دیا تھا۔

”تم نے کوئی انوکھی بات نہیں سوچی تھی۔“ میں نے ویرا کو اخلاقی سارا دینے کے لیے نیم مزاحیہ انداز میں کہا ”جلال کے ذہن میں بھی اسی قسم کے شبہات رینک رہے تھے۔ اس نے کیلی سے روبرو بات کی تھی اس لیے وہ اپنے اندازوں کے بارے میں پر اعتماد تھا۔ تم دور تھیں اس لیے تمہارا یقین بہت کمزور تھا۔“

”شکوہ و شبہات کے بادل چھٹ گئے ہیں تو اب ہمیں بھرپور وار کر دینا چاہیے۔“ چند لمحوں کی خاموشی کے بعد ویرا بولی۔

”بھرپور وار کرنے کی تیاریاں جاری ہیں۔“ جلال نے بتایا ”میری ایک ٹیم کے ارکان باری باری امریکی قونصل خانے سے نکاس کے ہر راستے کی نگرانی کر رہے ہیں۔ وہ چوبیس گھنٹے وہاں موجود رہیں گے اور بن ڈیوڈ کی جھلک دیکھتے ہی اس کا پتہ چھاننا شروع کر دیں گے۔“

”وہ بہت تیز اور متحرک آدمی ہے۔ میری اور ویرا کی سرکوبی کے لیے یہاں آیا ہے۔ وہ زیادہ دیر تک اپنے قونصل خانے کے چوہے دان میں بند ہو کر نہیں بیٹھے گا۔“ میں نے جلال کی طرف دیکھتے ہوئے اس کی بات کاٹ کر پُر خیال لہجے میں کہا۔

”مجھے بھی اسی وقت کا انتظار ہے۔ وہ باہر نکلے گا اور پکڑا جائے گا۔“ جلال نے امید ظاہر کی۔

ویرا نے چائے بنانے میں غیر معمولی پھرتی دکھائی اور ٹرے میں چار بالیاں لیے ڈرائنگ روم میں آگئی۔

”چائے پینے کی ہے۔ چینی اپنی اپنی مرضی کے مطابق ڈال لینا۔“ اس نے ٹرے تپائی پر رکھتے ہوئے اعلان کیا۔

چائے نوشی کا آغاز ہونے تک آپس میں چند فقرات کا تبادلہ ہوا اور پھر ویرا کی تجسس کی رگ پھڑک اٹھی ”ابھی تم ڈینی کو بتا رہے تھے کہ آئی مین کے پاسپورٹ کی تصدیق ہو گئی ہے۔“ اس نے جلال سے مخاطب ہو کر کہا۔

”میں نے یہ نہیں کہا تھا۔“ جلال نے مسکرا کر اس کی تصحیح کی ”میں نے بتایا تھا کہ بن ڈیوڈ آئی مین ہے۔“

”اوہ۔۔۔“ ویرا نے ہونٹ سیڑ کر کہا ”یہ تو اور بھی آگے کی بات ہے۔ یہ بات ایگریگیشن والے نہیں بتا سکتے تھے۔ یہ نتیجہ تم نے اخذ کیا ہو گا۔“

”مختلف ذرائع سے ملنے والی رپورٹوں کو یک جا کر کے صحیح ترین نتائج اخذ کرنا ہی میرا اصل کام ہے۔ ایگریگیشن والوں نے یہ تصدیق کی ہے کہ وہ پاسپورٹ اصل ہیں۔ کیلی اور بن ڈیوڈ میں سے کسی نے ابھی تک پاکستان نہیں چھوڑا ہے۔“

”اگر تم براہ نہ مناؤ تو میں اس بارے میں کچھ بات کروں۔“ ویرا نے ہنسنے لگی۔

”ڈینی نے مجھے فون پر تمہاری رائے سے آگاہ کر دیا تھا اسی لیے میں خود یہاں آیا ہوں۔ تمہارے کچھ کہنے سے پہلے میں تمہیں چند باتیں بتا دوں تاکہ تمہیں میرے اخذ کیے ہوئے نتیجے کی بنیاد کا علم ہو سکے۔ میں مفروضوں پر کام کرنے کا عادی نہیں ہوں۔ ہر وقت ٹھوس حقائق پر نظر رکھتا ہوں۔“

”ضرور۔۔۔ یہ کام تمہارا ہے مگر میں محض معلومات کے لیے کچھ جاننا چاہ رہی تھی۔“ ویرا جلدی سے بولی۔

”ان میں سے کوئی پاسپورٹ مسروقہ نہیں ہے۔ کراچی آمد کے وقت دونوں کے ایگریگیشن کارڈ یکساں تحریر میں برکے گئے ہیں۔ بس دستخط الگ ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ دوران سفر وہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ تھے۔“

”اور تم بتا رہے ہو کہ ان دونوں میں سے کسی نے ابھی تک پاکستان نہیں چھوڑا۔“ ویرا نے تائید چاہی۔

”ہمارے یہاں ابھی خود کار طریقے رائج نہیں ہوئے مگر پاکستانی اہل کار موٹے موٹے رجسٹر پر محنت سے کام کرتے ہیں۔ آنے والے ہر مسافر کی روائی کا اندراج اس کی آمد کے سامنے ہوتا ہے۔ ان دونوں کو لانے والی پرواز سے کل سترہ غیر ملکی پاکستان آئے تھے۔ چند رہا واپس جا چکے ہیں۔ یہ

گفتگو میں حصہ لے رہی تھی۔ اس نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا ”ہو سکتا ہے کہ رات کے سناٹے میں ان اطراف میں ہونے والی غیر معمولی نقل و حرکت زیادہ دیر تک پوشیدہ نہ رہ سکے۔ ایسی صورت میں یہ کیا جاسکتا ہے کہ بدلے ہوئے حالات میں وہاں حفاظتی نفری بڑھادی گئی ہے۔“

”یہ سب ممکن ہے۔ اس وقت میں مجھے میں ہوں۔ جیک کے قتل کا معاملہ آئی بی کے پاس ہے اور آئی بی ہمارا مجرم ہے۔ سارے شواہد بتا رہے ہیں کہ وہ اپنے قونصل خانے میں پناہ گزین ہے مگر ہمارے پاس اس کا کوئی واضح ثبوت نہیں ہے۔“ جلال نے ابھی ابھی باتوں کا جال توڑتے ہوئے کھل کر کہا ”ثبوت ہو تو ہم ان سے بن ڈیوڈ کو اپنے حوالے کرنے کا مطالبہ کر سکتے ہیں۔ میں نے واقعات کی روانی میں اپنے آدمی وہاں مامور کر دیے ہیں لیکن وہ زیادہ دیر تک وہاں نہیں ٹھہریں گے۔“

”ان سے یہ توقع عیب ہے کہ ثبوت ہوگا تو وہ بن ڈیوڈ کو شرافت سے تمہارے حوالے کر دیں گے۔“ میں نے افسوس کے ساتھ کہا ”قانون اور ضابطوں نے تمہارے ہاتھ باندھے ہوئے ہیں۔ میری رائے میں اب تمہیں خاموشی سے پیچھے ہٹ جانا چاہیے۔ بن ڈیوڈ کو اس کے چوہے دان سے نکال کر پکڑنے کا کام ہمارے اور ایس بی ایف کے لیے چھوڑ دو۔ اس کی مصدقہ تصاویر ہمارے قبضے میں ہیں۔ وہ ہماری آنکھوں میں دھول نہیں جھونک سکے گا۔“

وہ بہت گہرا آدمی تھا۔ ہمارے گھر پہنچا تو یوں پرسکون نظر آ رہا تھا جیسے اس کے ذہن پر کوئی بوجھ نہ ہو۔ آنے کے بعد اس نے چائے نوشی اور ویرا سے سرسری بحث میں خاصا وقت اطمینان سے گزار دیا تھا لیکن اس وقت امریکی قونصل خانے کے اطراف کے حالات زیر بحث آنے پر اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ شدید ذہنی دباؤ میں آیا ہوا تھا۔ وہ قانون کا پابند اور محتاط افسر تھا۔ پچھلی طویل رفاقت میں، میں نے بار بار یہ دیکھ لیا تھا کہ وہ کبھی بھی اپنے اختیارات کی حدود سے تجاوز نہیں کرتا تھا۔ اپنے مجرموں کی سرکوبی کے لیے قانون کے دائرے میں رہ کر کام کرنے کا عادی تھا۔

اس پوری مدت میں اس نے صرف ایک بار قانون کو اپنے ہاتھ میں لیا تھا۔ اسے دہلی میں راولوں کے ہاتھوں عبداللہ کے ہیمنہ قتل پر گہرا دکھ تھا۔ اسے اپنے ذرائع سے پتا چل گیا تھا کہ دہلی میں را کے ونود نامی آدمی نے عبداللہ کو اپنی درندگی کا نشانہ بنا کر موت کے گھاٹ اتارا تھا۔ جلال نے اسی وقت عہد کیا تھا کہ وہ ونود سے عبداللہ کے قتل کا انتقام

”یہ خطہ اس کے ذہن میں بھی موجود ہوگا کہ قونصل خانے کی نگرانی کی جائے گی۔ ٹام اور نک سے کھلی کھلی باتیں ہونے کے لیے بن ڈیوڈ اور اس کے سرپرست بہت زیادہ محتاط ہو جائیں گے۔“ میں نے ذرا محتاط رہتے ہوئے اپنی بات جاری رکھی۔ میں اپنی کسی بات سے جلال کو بھڑکانا نہیں چاہتا تھا۔

”شاید تم کچھ کتنا چاہ رہے ہو مگر کہتے ہوئے جھجک رہے ہو۔“ جلال بلا کا ذہن آدمی تھا۔ فوراً میری پچھلی ہٹ کو تازہ کیا۔

”امریکی قونصل خانے کے پاس بند گاڑیوں کا پورا بیڑا موجود ہے جس میں سب رفتار کیٹر بند گاڑیاں بھی شامل ہیں۔ وہ کسی بند اور محفوظ گاڑی میں اسے نکالنے کی کوشش کر سکتے ہیں۔“ میں نے کہا۔

”میں نے بتایا تاکہ میرے ایک دو آدمی نہیں، پوری ٹیم وہاں نگرانی پر مامور کی گئی ہے۔ جن بند گاڑیوں کے سوار نظر نہیں آئیں گے، ان کا بھی منزل تک پیچھا کیا جائے گا۔ میں نے اپنی منصوبہ بندی میں ہر پہلو کو اپنے پیش نظر رکھا ہے۔ اس کے باوجود کہیں چوک ہو جائے تو یہ ہمارے مقدر کی خرابی ہوگی مگر یہ سارا بندوبست عارضی ہے۔“

”یہ اقدام سفارتی آداب کے منافی ہیں۔ انہیں بھنک مل گئی تو وہ احتجاج کا ایک طوفان کھڑا کر دیں گے۔“ ویرا نے تشویش سے کہا۔

”انہوں نے اپنی حرکتوں سے ہمیں اس بندوبست پر مجبور کیا ہے۔ جب تک بن ڈیوڈ کے پاسپورٹ کی تصدیق نہیں ہوئی تھی میں قدرے بے فکر تھا۔ میں نے ابھی تک اسلام آباد والوں کو نگرانی کے کام سے آگاہ نہیں کیا ہے۔ مجھے ڈر ہے کہ وہاں سے پسپائی کی ہدایات آجائیں گی۔ میری یہ تشویش مجھے میاں لاتی ہے۔“

”مرکا کا ایک اہم ملک ہے۔ اس سے کھل کر مجاز آرائی مول نہیں لی جاسکتی۔“ میں نے اپنی تشویش کا اظہار کیا۔ ”اسلام آباد سے رجعت کے احکام آئے تو بات پھیل جائے گی۔ میرا مشورہ ہے کہ تم خاموشی سے اپنے آدمیوں کو ہٹا لو۔ یہ مورچہ ایس بی ایف سنبھال لے گی۔ شاید اسی لیے تم اس بندوبست کو عارضی کہہ رہے تھے۔“

”فالکن ہاؤس میں جیک اسمتھ کی موت کے بعد حالات تیزی سے تبدیل ہوئے ہیں۔ کراچی میں مقیم امریکیوں کو آج پہلے سے زیادہ تحفظ کی ضرورت ہے۔“ ویرا نے دھڑائی کے ساتھ اپنی خفت کو فراموش کر دیا تھا اور پوری سرگرمی سے

ضور لے گا پھر ونود کے ستارے گردش میں آگئے۔
 دہلی سے تبادلو کر کے اسے اسلام آباد بھیجا گیا۔ وہاں
 سے نگرانی کے بھارتی قونصل خانے میں آگیا۔ جلال خانے
 اسلام آباد میں بھی اس پر نگاہ رکھی تھی مگر اسے وہاں اپنے
 دشمن پر ہاتھ ڈالنے کا موقع نہیں مل سکا۔ ونود کراچی آیا تو
 جلال نے اس کے معمولات پر گہری نظر رکھی اور پھر ایک
 شام مجھ سے نیم گن ادھار لے کر اس نے ایک ہوٹل کی
 پارکنگ لائٹ میں اس وحشی درندے کو نہایت صفائی سے جنم
 واصل کر دیا۔

قانون سے تجاوز کا وہ اکلوتا واقعہ شاید جلال کے منہ
 فرائض کے ذیل میں نہیں آتا تھا۔ وہ ایک خالص ذاتی معاملہ
 تھا۔ ونود نے جلال کے منظور نظر عبداللہ کو اپنے وطن میں
 مارا جلال نے اپنی سرزمین پر ونود کو کیفر کردار تک پہنچا کر اپنا
 بدلہ لے لیا۔

بن ڈیوڈ سے اس کی کوئی ذاتی دشمنی نہیں تھی۔ اس نے
 آئی مین کے روپ میں پاکستان میں بیٹھ کر سازشوں کا جال
 پھیلانا شروع کر دیا تھا۔ وہ معاملہ نیچے سے اوپر تک ہر ذمے
 دار سرکاری اہل کار کے علم میں تھا۔ اس کو ونود کی طرح
 راستے سے ہٹانا، جلال کے لیے ممکن نہیں تھا۔

”میں بھی اسی نیچے پر پہنچا ہوں۔“ جلال نے میری تجویز
 کے جواب میں کہا ”ہم کسی سفارتی عمارت کی باضابطہ نگرانی
 کے مجاز نہیں ہیں اس لیے میں چاہتا ہوں کہ ایس ٹی ایف
 جلد از جلد وہاں کا چارج سنبھال لے۔ وہاں سے نکلنے کے چار
 راستے ہیں۔ فوری طور پر ایس ٹی ایف کے چار ہوشیار آدمی
 وہاں پہنچ جائیں تو میں اپنی پوری ٹیم کو وہاں سے ہٹا سکتا
 ہوں۔ میری خواہش ہے کہ میں شام کو اپنی رپورٹ بھیجوں تو
 اس میں ٹیم کی تعیناتی کے ساتھ واپسی کا ذکر بھی آجائے تاکہ
 مجھے کسی سبکی کا سامنا نہ کرنا پڑے۔“

”چھوٹے ملکوں کے بڑوں کی سوچ بھی چھوٹی ہوتی
 ہے۔“ ویرا نے گہرے طنز بے لہجہ میں کہا ”تم سے تمہارے
 بڑے شاید ان چند گھنٹوں کی نگرانی پر بھی جواب طلب کر سکتے
 ہیں۔ امریکا کو دیکھو کہ وہاں کا صدر کانگریس، سینیٹ اور
 عوام کے کسی بھی احتساب سے بے خوف ہو کر پورے اعتماد
 سے شی کی سرپرستی کر رہا ہے جو پاکستان کے علاوہ نہ جانے کس
 کس ملک میں تباہیاں پھیلا رہی ہے اور کوئی اس پر کھل کر
 ہاتھ ڈالنے کی ہمت نہیں کر سکتا کیونکہ پوری امریکی انتظامیہ
 ان کی پشت پناہ ہے۔“
 ”ان چند گھنٹوں کی نگرانی کے لیے میں کوئی نہ کوئی

”اول خان سے بات کر کے ایسے کئی امکان کا اندازہ کر لیا جائے گا۔“ اس نے قدرے بے پروائی سے جواب دیا ”مختص دوران میں میں چوڑا اور اس کے آدمیوں پر کچھ محنت کروں گا۔ صدر سے پکڑا جانے والا مشتبہ آدمی بھی اب سی آئی اے کے بجائے ہمارا قیدی ہے۔“

”اس وقت دونوں محاذ ساتھ ساتھ کھلے ہوئے ہیں۔“ غزالہ بولی۔ وہ غسل سے فارغ ہونے کے بعد ہمارے ساتھ شامل ہو گئی تھی۔

”دونوں کے مقاصد ایک ہیں۔“ جلال نے سگریٹ سلگاتے ہوئے جواب دیا ”دونوں یہاں عدم استحکام اور خوف و ہراس کی فضا پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ ابھی تک وہ اپنے مقاصد میں کامیاب ہیں جہاں چاہتے ہیں، وار کر گزرتے ہیں۔“

”وہ اتنے کامیاب بھی نہیں ہیں۔ اس وقت راکے کم از کم پانچ آدمی تمہارے قیدی ہیں۔“ ویرا بولی۔

”پانچ کون؟“ سلطان شاہ نے بے ساختہ سوال کیا۔ وہ ابتدا سے خاموش بیٹھا ہماری باتیں سن رہا تھا۔ اس وقت اس نے پہلی بار اپنی زبان کھولی تھی۔

”تین آدمیوں کا گروہ پہلے پکڑا گیا تھا جس میں ایک مقامی مسلمان بھی شامل تھا۔ چوتھا چوڑا ہے۔ پانچواں وہ مشتبہ آدمی ہے جسے کل کے دو دھماکوں کے بعد سی آئی اے نے پکڑا تھا اور اب وہ جلال کے ٹھکے کا قیدی ہے۔“ ویرا نے گنتی گنوا دی۔

”ان تین آدمیوں کی قسمت کا فیصلہ ہو گیا۔ حرص اور لالچ میں اندھا ہو کر ان کا ساتھ دینے والا مسلمان سلطانی گواہ بننے پر آمادہ ہو گیا ہے۔ شاید اس کا ضمیر جاگ گیا ہے۔“ جلال نے افسردگی سے کہا ”اس نے کراچی اور سندھ کے دوسرے شہروں میں کئی خون ریز واقعات کا اعتراف کیا ہے۔ وہ تینوں ہماری تحویل میں نہیں تھے۔ ان کا چالان پولیس عدالت میں پیش کرے گی۔ اس وقت ہمارے دو قیدی ہیں۔ ایک چوڑا اور دوسرا دھڑی لال۔“

”پھر بھی تم کہہ رہے ہو کہ وہ کامیاب جا رہے ہیں۔“ ویرا نے اعتراض کیا۔

”واردات ہو جانے کے بعد مجرم کو پکڑ لینا میری نظروں میں کامیابی نہیں ہے۔ ایسے معاملات میں اصل کامیابی اس وقت شمار کی جاتی ہے جب وارداتوں کا سلسلہ یکسر موقوف ہو جائے۔ ابھی ہم اس منزل سے دور ہیں۔ بن ڈیوڈ نے گولڈن فارمیسی کو آگ لگوا دی۔ اس کی اوپری منزل پر دو بچے جھلس گئے۔ راولوں نے شہر میں دو بم چلا دیے۔ دس بے

میں نے موبائل فون پر اول خان کا نمبر ملایا تو وہ گھر پر موجود تھا۔

”تم وہاں بیٹھے کیا کر رہے ہو، جلال تمہاری تلاش میں یہاں آیا ہوا ہے۔“ رسمی سلام دعا کے بعد میں نے کہا۔

”یہ بتاؤ کہ آئی این اور بن ڈیوڈ کا معاملہ ہوا یا جوں کا توں ہے۔“ جلال کا نام سنتے ہی اسے وہ مسئلہ یاد آیا۔

”دونوں ایک ہیں۔ اب بن ڈیوڈ کی تصویریں اسے کیفر کروا کر تک پہنچا دی گئی۔“

ریپور پر اول خان کے ایک گھرے سانس کی آواز آئی پھر وہ بولا ”خدا کا شکر ہے کہ یہ بوجھ سر سے اترا۔ ویرا نے اپنی موشگافوں سے میری آدمی جان نکال دی تھی۔ میں حیران تھا کہ کبھی تمہارے اور جلال جیسے خراشت آدمیوں کو دھوکا دینے میں کیسے کامیاب ہو گئی۔“

”بس یہ اونچ نیچ ہوتی رہتی ہے۔“ میں نے کن انکھیں سے ویرا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا ”اب وہ بھی شرمندہ ہے۔“

ویرا میری ایک طرف باتیں سن رہی تھی۔ اسے اندازہ نہیں ہوسکا کہ میں نے وہ فقرہ اس کے بارے میں کہا تھا۔

”اگر جلال کے پاس وقت ہو تو میں دس منٹ میں تمہارے گھر پہنچ سکتا ہوں۔“ اول خان فون پر کہہ رہا تھا۔

”اس وقت وہ تم سے ملنے آیا ہے۔ انتظار کرے گا۔ تم فوراً آجاؤ۔“ میں نے یہ کہہ کر فون بند کر دیا۔

”بن ڈیوڈ کا معاملہ اول خان کو سوچ دینے کے بعد تمہارا کیا ارادہ ہے؟“ میں نے جلال کو اول خان کی آمد سے آگاہ کرنے کے بعد پوچھا۔

”میرے پاس ہر وقت بہت سے بکھیرے موجود رہتے ہیں۔ اس وقت سرکاری طور پر چیک بن ڈیوڈ اور کبلی کاکیس میری ابجیکٹی کے پاس ہے۔ میں اس سے کنارہ کش نہیں ہو رہا۔ اس کی تفتیش کا کام چلتا رہے گا۔ صرف توصل خانے کی نگرانی کا معاملہ ٹیڑھا ہے جو میں ایس ٹی ایف کے سپرد کروں گا۔“

”اس کا مطلب یہ ہوا کہ تمہارے آدمی پس پرودہ کر صورت حال پر نگاہ رکھیں گے۔“ میں نے پوچھا۔

”بالکل۔ ایک مرتبہ وہ وہاں سے نکل آیا تو میرے آدمی پوری طاقت کے ساتھ اسے گھیرنے کی کوشش کریں گے۔“

”ایسا نہ ہو کہ کسی غلط فہمی کی بنا پر تمہارے آدمی بن ڈیوڈ کے بجائے ایس ٹی ایف سے ٹکرا جائیں۔“ میں نے اندیشہ ظاہر کیا۔

چھوڑ دیا جائے۔ ان کی ابتدائی گفتگو کے اہام کے پیش نظر میں نے چند منٹ بعد تجویز پیش کی ”ناکہ یہ کھل کر بات کر سکیں۔ بعد میں ضروری باتیں خود ہی ہمارے علم میں آجائیں گی۔“

ہم چاروں نے بیک وقت اپنی جگہیں چھوڑ دیں۔ جلال نے نیم دلی سے ہمیں روکنا چاہا مگر مجھے معلوم تھا کہ وہ رسی تکلف سے کام لے رہا تھا۔ اول خان سے جملہ معاملات طے کرنے کے لیے اسے تھیلے کی ضرورت تھی۔ غزالہ ڈرائنگ روم سے نکل کر پکن کی طرف چلی گئی۔ ہم تینوں ویرا کے کمرے کی طرف ہو لیے۔

”مجھے ان واقعات پر اب کچھ جمود ساطاری ہوتا ہوا نظر آرہا ہے۔“ ویرا کے کمرے میں پہنچ کر سلطان شاہ نے پر تشویش لہجے میں کہا ”بن ڈیوڈ امریکی سفارت کاروں کی گود میں جا بیٹھا ہے چوڑا صدف مینشن میں پڑا سڑ رہا ہے اور مشتبہ آدمی اپنی زبان کھولنے پر آمادہ نہیں ہے۔“

”بھی کبھی ایسا ہوتا ہے۔“ ویرا نے تسلی دی ”زیادہ دیر تک یہ سب ایسا نہیں رہے گا۔ کسی نہ کسی مرحلے پر ان کے اعصاب جواب دے جائیں گے۔“

”ایک بات یاد رکھو کہ سیکرٹ ایجنٹ اگر پیشہ ور ہو تو دشمن کی تحویل میں مچتا ہے مگر اپنی زبان نہیں کھولتا۔“ میں نے اسے سمجھایا ”تشدد کر کے کسی کو مار دینا بہت آسان کام ہے لیکن اسے زندہ رکھ کر لب کشائی پر مجبور کرنا بہت مشکل کام ہے۔“

”چوڑا نے آئی بی کے قبضے میں آنے کے بعد سب کچھ اگل دیا۔ گیلی نے آج ہی تم لوگوں کو بہت کچھ بتایا ہے۔“ سلطان شاہ بولا۔

”ان دونوں میں سے کوئی بھی سیکرٹ ایجنٹ نہیں ہے۔“ چوڑا بھارتی سفارت خانے کا ایک عام سول سروسٹ ہے۔ گیلی ایک بڑے مجرم کی داشتہ ہے۔ گیلی کی لب کشائی میں دو عناصر بہت اہم تھے۔ ایک صدف مینشن کا ڈراؤنا ماحول اور دوسرا جلال کا نفسیاتی جھگڑا کا حربہ۔“

”یہ راواالوں کی باتیں ہیں جو چلتی رہیں گی۔“ ویرا نے ایک گہرا سانس لے کر کہا ”امریکی سفارت کاروں کو اب یہ احساس دلانا ضروری ہو گیا ہے کہ ہم لوگ ان کے قونصل خانے میں بن ڈیوڈ کی موجودگی سے پوری طرح باخبر ہیں اور ان کی یہ حرکت ان کی سفارتی بدنامی کا سبب بن سکتی ہے۔“

”ہام اور نک سے ہونے والی ملاقات میں ان پر بہت کچھ واضح کر دیا گیا ہے۔“

گناہ شہری زخمی ہوئے، ایک بے چارہ بے موت مارا گیا۔ یہ ان کی کامیابیاں ہیں۔ وہ اپنا ہدف حاصل کر رہے ہیں۔“

”چوڑا بیچ کا آدمی ہے۔ وہ خود کچھ نہیں کرتا۔ دوسروں کی ڈوریاں ہلاتا ہے۔“ میں نے سوچتے ہوئے کہا ”اس کو ہندیا ت دہلی سے ملتی ہیں جہاں اٹل بوس کی جگہ کوئی اور آگیا ہو گا۔ میدان میں اصلی تباہی پھیلانے والے وہ لوگ ہیں جو ہراس پکڑے گئے ہیں۔ ان میں آخری مشتبہ شخص سب سے زیادہ اہم ہے۔ چوڑا نے تم کو اپنے چار آدمیوں کے نام دیے تھے جو ایک ہوٹل میں روپوش تھے اور چوڑا کے گرفتار ہونے ہی زیر زمین چلے گئے۔ کیا وہ ان میں سے ایک نہیں ہے۔“

”سی آئی اے والوں کو پس منظر کا علم نہیں تھا اس لیے وہ تشدد کر کے اس کی زبان کھلوانے کی کوششیں کرتے رہے۔ ہم بعض فنی مجبوریوں کی وجہ سے منتظر رہے۔ اب وہ ہمارے پاس آگیا ہے تو اس کی اصلیت کھل جائے گی۔ اس نے اپنا جو نام بتایا ہے وہ چوڑا کے دیے ہوئے چار ناموں میں شامل نہیں تھا۔“

”شاید چار ایجنٹوں کی یہ آخری کھپ تھی جو اٹل نے پاکستان بھیجی تھی۔“ ویرا نے کہا ”ان کی سرکوبی ہو جائے تو شہر میں کافی دنوں کے لیے سکون ہو جائے گا۔“

”ہم بھی ان ہی خطوط پر سوچ رہے ہیں۔ اٹل کا جانشین معاملات پر اپنی گرفت مضبوط کرنے کے لیے وقت لے گا۔“ جلال نے جواب دیا ”شہری آبادیوں میں قتل و خون ریزی گھٹیا حرکتیں ہیں۔ اصل فرق بڑے منصوبوں پر پڑے گا۔ اٹل کی موت کے بعد بھارتی شاید کوئی بڑی سازش نہیں کر سکیں گے۔“

”یہ خوش فہمی اپنے دل سے نکال دو۔“ ویرا کسی تردد کے بغیر بولی ”بھارت والے سازشوں کے شہزادے ہیں۔ انہوں نے تمہارے ملک کو آج تک کھلے دل سے تسلیم نہیں کیا۔ وہ تمہاری بیخ کنی کے لیے نت نئے منصوبے بناتے رہیں گے۔ اس کا بہترین جواب یہی ہے کہ تم ان کے حلق میں اپنی انگلیاں ڈالتے رہو۔“

وہ سب معاملات ساتھ ساتھ چل رہے تھے اس لیے گفتگو کا رخ بن ڈیوڈ سے راکی طرف ہو گیا۔ اول خان کی آمد تک ہم انچوں راواالوں کی سرکوبی کے امکانات پر سرکھپاتے رہے۔ اول خان کے آتے ہی فضا بدل گئی اور روئے سخن دوبارہ بن ڈیوڈ کی طرف ہو گیا۔

”میری رائے ہے کہ کچھ دیر کے لیے ان دونوں کو تنہا

”وہ غیر رسمی اور آف دی ریکارڈ باتیں تھیں۔ ان سے باضابطہ احتجاج کیا جانا چاہیے۔“ ویرا نے اصرار کیا۔
 ”تم احتجاج کی بات کر رہی ہو۔ میں نے ان دونوں سے ملاقات میں صرف اتنا کہا تھا کہ فاکن ہاؤس کے واقعات کے بارے میں ان کی معلومات کا ذریعہ آئی مین کی ذات ہے تو وہ دیون شانتی کو فراموش کر کے لڑنے مرنے پر آمادہ ہو گئے تھے۔“ میں نے کہا۔

”وہاں سب کچھ ہو سکتا تھا۔ باضابطہ مراسلے کے جواب میں وہ ایسی کوئی حرکت ریکارڈ پر نہیں لائیں گے۔ تم حلال کو مشورہ دو کہ وہ متعلقہ حکام کے ذریعے تو فیصل خانے پر تحریری دباؤ ڈالے کہ وہ اپنی سفارتی عمارت میں روپوش مجرم کو مقامی حکام کے حوالے کریں۔“

میں بے اختیار ہنس پڑا ”جلال دودھ پیتا پچہ نہیں ہے کہ اسے میرے مشورے کی ضرورت ہو۔ وہ ایک ڈمے دار اور فرض شناس افسر ہے۔ میرے کسی مشورے کا برا بھی مان سکتا ہے کہ میں اس پر مسلط ہونے کی کوشش کر رہا ہوں۔“
 ”اس میں مسلط ہونے کی کوئی بات نہیں ہے۔ اس وقت وہ از خود اس معاملے پر اول خان سے مشورہ کر رہا ہے۔“

”شاید تمہارے خون میں الکحل کی مقدار کم ہو گئی ہے جس سے تمہاری یادداشت پر برا اثر پڑا ہے۔ تمہیں یاد نہیں کہ وہ ثبوت کے بغیر امریکیوں سے کسی باضابطہ مطالبے کے حق میں نہیں ہے۔“ میں نے کہا۔
 ”ہاں“ اس نے یہ تو کہا تھا۔“ ویرا کا لہجہ کمزور پڑ گیا ”کسی ثبوت کے بغیر وہ ایسے مطالبے کو الزام تراشی قرار دے دیں گے۔“

”میں یہی کہہ رہا تھا کہ جلال ڈمے دار اور ذہین افسر ہے۔ وہ معاملات کے ہر پہلو پر گہری نگاہ رکھتا ہے۔ تمہاری طرح جذبات کی روانی میں نہیں بہتا۔“
 ”تم ٹھیک کہہ رہے تھے۔“ ویرا نے ایک تپائی پر سے اسکاچ کی بوتل اٹھاتے ہوئے کہا ”مجھے تھوڑی سی الکحل کی ضرورت ہے۔“

”میری موجودگی میں تو یہ بدبو دار بوتل نہ کھولو۔“ سلطان شاہ نے برا سامنہ بنا کر کہا۔

”تم بد فاق آدمی ہو۔ اپنی ناک بند کر لو۔“ ویرا نے گلاس میں اسکاچ انڈیلنے ہوئے جواب دیا۔
 ”اوہو۔ تو یہاں یہ ہو رہا ہے۔“ اسی وقت غزالہ دروازے پر نمودار ہو گئی۔

”اس گندے کمرے میں اکثر یہی ہوتا رہتا ہے۔“ سلطان شاہ نے غزالہ کو اکسایا ”میں تو کہتا ہوں کہ اس چھت کے نیچے یہ حرام نوشی بند ہونی چاہیے۔ جب ڈینی یہ بری عادت ترک کر سکتا ہے تو ویرا کو بھی اس برے کام کی اجازت نہیں ہونی چاہیے۔“

”گلاس میں نے اپنے لیے بنایا ہے اور نشے میں تم بہک رہے ہو۔“ ویرا نے زہر خند کے ساتھ کہا اور وہسکی میں پانی ملا کر ایک گھونٹ حلق سے اتار لیا۔

”تم کو اس بارے میں سوچنا چاہیے۔“ غزالہ نے کمرے میں ایک نشست سنبھالتے ہوئے کہا ”یہ کوئی اچھی عادت نہیں ہے۔“

”یہی بری بھی نہیں ہے۔ ایک اکیلی عورت کو اس سے بہت سہارا ملتا ہے۔ خود فراموشی کے عالم میں جتنا وقت گزرا رہتی ہوں وہ بہت لطف دیتا ہے ورنہ میری زندگی میں تنہائی یا پھر بھاگ دوڑ اور مار دھاڑ کے سوا کیا رکھا ہے۔“
 ”تم یہاں رہ کر اپنا وقت ضائع کر رہی ہو۔ اسی کے ساتھ ڈان مرسیانو کی ساری محنت بھی برباد ہو رہی ہے۔“ سلطان شاہ نے جھپٹی ہوئی آواز میں کہا ”میلان چلی۔“

”شٹ آپ!“ ویرا غصیلی آواز میں غرائی۔ میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا تو اس کی آنکھیں غصے سے ابل رہی تھیں۔ وہ برہمی سے کہہ رہی تھی ”تمہاری بد تمیزیاں روز بروز بڑھتی جا رہی ہیں۔ اب یہ میری برداشت سے باہر ہیں۔ مجھ سے اپنی حدود میں رہ کر بات کیا کرو۔“

میں بس ایک لمحے کے لیے حیران ہوا پھر بات میری سمجھ میں آ گئی۔ تنہائی میں بلکہ میری موجودگی میں بھی وہ سلطان شاہ کی بڑی بڑی باتیں برداشت کر لیتی تھی لیکن غزالہ کی موجودگی میں ڈان مرسیانو اور میلان کے حوالے سے وہ اپنی توہین برداشت نہیں کر سکتی۔

اس نے اپنے ماضی کے بارے میں کھل کر ہر بات غزالہ کو بتائی ہوئی تھی جس میں ڈان مرسیانو کی دی ہوئی آوارہ مزاجی کی تربیت اور میلان کے امیر زادوں کی شب بیدار رنگین محفلوں کے تذکرے بھی شامل تھے۔ ان میں سے ہر لفظ شرافت اور پاکیزگی کے دامن پر ایک بد نما داغ تھا۔

سلطان شاہ کو بھی ویرا کے غیر معمولی رد عمل سے اندازہ ہو گیا کہ غزالہ کے سامنے وہ باتیں دہرا کر وہ غلطی کا مرتکب ہوا تھا۔ اس نے ویرا کو تڑپ تڑپ کر کوئی جواب دینے کے بجائے خاموشی اختیار کر لی۔ کچھ دیر کے لیے ہم تینوں خاموش

بیٹھے رہے۔ اس خاموشی میں دیر کا غصہ خود بخود تجلیمیل ہوتا چلا گیا۔

اس نے اپنے گلاس میں وہسکی اور پانی کی مقدار برابر رکھی تھی جس کے نتیجے میں گلاس کا رخ اور تیز ہونا ناگزیر تھا۔ دیر نے دو گھونٹ لیے پھر اسی گلاس میں مزید پانی ملا کر جھللاتے ہوئے طلا رنگ محلول کو ہکا کر لیا اور پھر سگریٹ سلگانے لگی۔

”میرے ذہن میں ایک تدبیر آئی ہے۔“ خاصی طویل خاموشی کے بعد سلطان شاہ نے وہ گھبر سکوت توڑا۔

”کس کی بات کر رہے ہو؟“ دیر نے سگریٹ کا کش لگا کر پرسکون آواز میں پوچھا۔ سلطان شاہ کی معاملہ فہمی نے شاید اسے بھی دل ہی دل میں ناوم کر دیا تھا کہ سلطان شاہ کی غلطی کے رد عمل میں وہ اس کے ساتھ زیادتی کی مرتکب ہوئی تھی۔

”امریکیوں کے علم میں آنا چاہیے کہ ہم بن ڈیوڈ کی کمین گاہ سے باخبر ہیں۔“ سلطان شاہ نے اسے جواب دیا۔

”میں اس بارے میں ہر معقول تجویز کا خیر مقدم کروں گا۔“ میں نے اس کی حوصلہ افزائی کی۔

”جلال سے فون نمبر لے کر تم تک یا ٹام سے براہ راست

بات کرو۔“ سلطان شاہ نے بولنا شروع کیا ہی تھا کہ دیر نے اس کی بات کاٹ دی۔

”براہ راست بات کرنے کا مطلب ہے کہ اپنی گردن پھنساؤ والا وہ۔“

”ذرا سلطان شاہ کو اپنی بات پوری کر لینے دو۔“ میں نے دیر کو درمیان میں ٹوکا ”میرا خیال ہے کہ میں اس کی بات سمجھ رہا ہوں۔“

دیر خاموش ہو گئی۔ سلطان شاہ نے اپنی بات جاری رکھی ”تم کنٹرل داور کی حیثیت میں اس سے مل چکے ہو۔ اسے معلوم ہے کہ تم ایس بی ایف کے افسر ہو۔ ایس بی ایف ریکارڈ رکھنے والی فورس نہیں ہے۔ جلال کے برعکس تم اس سے بہت کچھ کہہ سکتے ہو۔ اسے بتاؤ کہ تم قونصل خانے میں بن ڈیوڈ کی روپوشی سے باخبر ہو۔“

”بہت معقول تجویز ہے۔“ دیر نے اسے سراہا ”کبھی کبھی تمہاری کھوپڑی واقعی معجزے اٹھنے لگتی ہے۔“

”اس بارے میں جلال کو اعتماد میں لینا ہوگا۔“ غزالہ نے اپنا خیال ظاہر کیا۔ وہ شروع سے ہماری گفتگو میں شریک نہیں رہی تھی لیکن سلطان شاہ کی تجویز سن کر پوری بات سمجھ گئی تھی۔

The Biggest Centre of Urdu & Islamic Books in TRISTATE

For all your requirements contact:

MANSOOR BOOKSHOP INC.

ISLAMIC BOOKS, AUDIO, VIDEO, CDS AND DVDS.

70-64 Broadway
Jackson Heights,
Tel: 718-446-9554
Fax : 718-446-9258

72-30 Broadway
Jackson Heights,
NY- 11372
Tel : 718-898-8511
718-457-9581

1386 Oaktree Road
Jselin NJ 08830
Tel : 732-283-1281
Fax : 732-283-1289

”قدرت کے کھیل نرالے ہوئے ہیں۔“ جلال کو رخصت کرنے کے بعد اول خان نے تشکر آمیز لہجے میں کہا ”میں سوچ رہا تھا کہ اس بار میدان آئی بی والوں کے ہاتھ رہے گا۔ میری فورس متاثراتیوں کی طرح کھڑی رہ جائے گی لیکن دیکھو کہ وہ خود آیا اور ذمے داری مجھے سونپ کر چلا گیا۔“

”ادیموں کی تبدیلی کا کام ایک گھنٹے میں مکمل ہوگا تو مجھے بھی اسی وقت ٹام یا تک کو فون کرنا چاہیے۔“ میں نے کہا۔ ”لیکن تم نے جلال سے ان دونوں کے فون نمبر نہیں لیے۔“ ویرا نے اپنی دانست میں مجھے یاد دلایا۔

”میں نے دانستہ اس سے فون نمبر نہیں پوچھے۔ وہ مجھ سے سوال جواب کرتا اور بات کھل جاتی۔ وہ ان معاملات سے الگ تھلگ رہنا چاہ رہے تو میں اسے کسی گند میں نہیں گھسیٹوں گا۔ ہمیں کامیابی حاصل ہوگئی تو مناسب وقت آنے پر اسے سب کچھ معلوم ہو جائے گا۔“

”ٹام، تک اور فون کا کیا معاملہ ہے؟“ اول خان نے حیرانی سے پوچھا ”کیا تم لوگ بھی الگ بیٹھ کر کوئی نئی منصوبہ بندی کر رہے تھے۔“

”ان دونوں کے فون نمبر تو تمہارے پاس بھی ہوں گے۔“ اپنا دعائیانے کے بعد میں نے اس سے پوچھا۔

”دفتر سے مل جائیں گے۔“ اس کا جواب سن کر میرا دل خوش ہو گیا ”وہ دونوں یہاں اپنی ایجنسیوں کے باقاعدہ نمائندے ہیں اس لیے ان کے دفاتر اور گھرؤں کے نمبر میرے دفتری ریکارڈ میں محفوظ ہیں۔“

”تم اسے کب فون کرو گے؟“ اول خان نے اپنی رست و اچ پر نگاہ ڈالتے ہوئے پوچھا۔

”اٹھ بلکہ ساڑھے آٹھ بجے۔ اس وقت تک تمہاری تبدیلیاں مکمل ہو چکی ہوں گی۔“ میں نے اپنی گھڑی دیکھ کر جواب دیا۔

”پھر میں چلتا ہوں۔“ وہ اچانک اپنی جگہ سے اٹھ گیا ”ان تبدیلیوں کے دوران مجھے ان ہی اطراف میں موجود رہنا ہوگا تاکہ کوئی گڑبڑ نہ ہو۔ کام مکمل ہوتے ہی میں تمہیں فون کر دوں گا۔ میری کلیرنس کے بعد تم کسی بھی وقت ان کو فون کر سکتے ہو۔“

”چلنے سے پہلے ان کے نمبر تو دیتے جاؤ۔“ میں نے اسے یاد دلایا اور وہ دوبارہ بیٹھ گیا۔

اپنے دفتر فون کرنے کے اس نے دونوں کے نمبر لیے تو ایک نا اکتشاف ہوا۔ ان دونوں کے دفاتر کے نمبر مختلف تھے لیکن

”یہ ضروری نہیں ہے۔“ میں نے سوچتے ہوئے جواب دیا ”وہ خود اس معاملے سے جزوی علیحدگی اختیار کر رہا ہے۔ ایک مرتبہ یہ تبدیلی عمل میں آجائے اور ایس ٹی ایف والے آئی بی کی ٹیم کی جگہ لے لیں تو پھر بن ڈیوڈ کو اس کے بل سے باہر نکالنے کے لیے ہمیں اپنی حکمت عملی اختیار کرنے کا حق مل جائے گا۔ جلال سے مشورہ لینے کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم اپنی ذمے داری کا کچھ نہ کچھ بوجھ اس کے کندھوں پر ڈال دیں۔ اس کا الگ رہنا سب سے بہتر رہے گا البتہ میں اول خان کو یہ بات ضرور یادوں گا۔“

”اس کو بتانا ضروری ہے کیونکہ یہ فون ایس ٹی ایف کی طرف سے کیا جائے گا۔“ ویرا نے میری تائید کی۔

غزالہ نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا ہی تھا کہ گھر کی فضا میں اول خان کی بلند آواز آگئی۔ وہ ہم لوگوں کو بلا رہا تھا۔

”تم دونوں کے مذاکرات بہت جلد ختم ہو گئے۔“ میں نے ڈرائنگ روم میں داخل ہوتے ہوئے ہنس کر کہا۔

”سوچ یکساں ہو تو زیادہ بحث و تحقیق کی گنجائش نہیں رہتی۔ ٹیم کی تبدیلی کا عمل تھوڑی دیر میں شروع ہو جائے گا۔ زیادہ سے زیادہ ایک گھنٹے میں میرے آدھی اپنی جگہوں پر پہنچ جائیں گے اور آئی بی والے وہاں سے ہٹ جائیں گے۔“ اول خان نے بتایا۔

”اس کا مطلب ہے کہ صرف مذاکرات مکمل نہیں ہوئے، ان پر عمل درآمد کا مرحلہ بھی شروع ہو گیا۔“ ویرا بولی۔

”ہم دونوں ہی آج کام کل پر چھوڑنے کے عادی نہیں ہیں۔“ جلال نے کہا ”دونوں راضی تھے۔ فون موجود تھا پھر دیر کیوں کی جاتی۔“

اس ہندوستان میں جلال کی طرف سے غلبہ ناقابل فہم نہیں تھی۔ جب تک بن ڈیوڈ کی تصویر کی تصدیق نہیں ہوئی تھی، بات دیگر تھی۔ بن ڈیوڈ کے آئی بی میں ثابت ہونے کے بعد صورت حال یکسر بدل گئی تھی۔ وہ پہلے ہی اپنی اس خواہش کا اظہار کر چکا تھا کہ وہ بن ڈیوڈ کا سراغ کھودینے کا کوئی خطرہ مول لے بغیر جلد از جلد اپنے آدمیوں کی واپسی کا خواہاں تھا تاکہ شام کو اسلام آباد بھیجی جانے والی فلیس رپورٹ میں وہ قصہ ختم ہو جائے۔

”تم سے معاملات طے ہو گئے۔ اب مجھے کچھ اور کام نمٹانے ہیں۔“ جلال نے اول خان سے مخاطب ہو کر کہا اور واپسی کے لیے اٹھ گیا۔



”مختصر مختصر“

♦ حیرت انگیز باتوں کے بارے میں ایک حیرت انگیز بات یہ ہے کہ وہ نئی نسل کے لیے بالکل حیرت انگیز نہیں ہوتیں۔

♦ دنیا میں جو چیزیں ہمیں مشقت سے بچانے میں سب سے اہم کردار ادا کرتی ہیں وہ مسترد شدہ تجاویز ہیں۔

♦ پانچ سال پہلے میرا بہترین دوست میری بیوی کو بھگا کر لے گیا تھا۔ لیکن اسے نہیں معلوم تھا کہ میں نے اس کی حرکت کی وجہ سے ہی اسے اپنا بہترین دوست سمجھا تھا۔“ (ایک امریکی کا ملاحظہ)



”وہ فضا کچھ اور رہی ہوگی۔ اس وقت کی بات دوسری تھی۔“ وہ پھلو بدل کر بولی ”حرامی بچہ اپنا نام کچھ بھی رکھ لے“ وہ حرامی ہی رہتا ہے لیکن کوئی اسے اس نام سے پکارے تو وہ اسے گالی سمجھ کر مرنے مارنے پر تل جاتا ہے۔“

اس نے اپنی بات واضح کرنے کے لیے اتنی کھلی مثال دی تھی کہ مجھے خاموش ہو جانا پڑا۔

”کیا یہ ممکن ہے کہ آج رات ہم دونوں کہیں باہر جا سکیں؟“ کچھ دیر کے سکوت کے بعد اس نے وہ سوال کر کے مجھے چونکا دیا۔

”باہر جا کر تمہیں کیا مل جائے گا؟“ میں نے سرسری انداز میں پوچھا۔

”خلوت اور تنہائی جو اس گھر میں میرے اور تمہارے لیے نایاب ہے۔“ اس نے ٹھنڈا سا سانس لے کر حسرت سے کہا ”میں کوڈین کی احسان مند ہوں کہ اس کی وجہ سے تم نے میرے لیے اپنائیت کا ایسا اظہار کیا جسے سننے کے لیے میں تڑپی ہوئی تھی۔“ وہ وہی سکی کے گلاس کو اپنی لمبی لمبی، مخروطی انگلیوں میں گھما رہی تھی اور اس کی نظریں میرے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔ وہ کہہ رہی تھی۔ ”آج تک میں سمجھتی رہی کہ صرف میں تمہیں پسند کرتی ہوں۔ تمہارے دل میں

رہائشی نمبر ایک ہی تھا جس سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ دونوں ایک ساتھ رہتے تھے۔ یہ ایک اچھی بات تھی۔ ان دونوں کو الگ الگ دھکانے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ ایک کو دیا ہوا پیغام بلا تاخیر دوسرے تک پہنچ سکتا تھا۔

اس کام سے نمٹ کر اول خان بھی ہم سے رخصت ہو گیا۔ اپنے فرائض کی ادائیگی کے سلسلے میں وہ دن اور رات کے کسی بھی وقت کی پروا کیے بغیر مستعدی کا مظاہرہ کرتا تھا۔ سستی اور کاہلی نام کی کوئی خصلت اسے چھو کر بھی نہیں گزری تھی۔

اول خان کی آواز پر ویرا اپنا آدھا گلاس کمرے میں چھوڑ آئی تھی۔ دروازے سے اسے رخصت کر کے وہ دوبارہ اپنے کمرے میں گھس گئی۔ بعد میں، میں بھی اس کے کمرے میں پہنچ گیا۔ اس وقت وہ کھڑے کھڑے بے تابی سے ایک لمبا گھونٹ لے رہی تھی۔

”پینی ہی ہے تو بیٹھ کر آرام سے پیو۔ کوئی تم سے یہ گلاس چھین نہیں لے گا۔“ میں نے اسے ہلکی سی سرزنش کی۔

”حیرت ہے کہ تم پرانے پاپی ہوتے ہوئے مجھے یہ مشورہ دے رہے ہو۔“ اس نے گلاس اپنے یا قوتی لبوں سے الگ کرتے ہوئے، مسکرا کر کہا ”یہ وہ شے ہے کہ سامنے ہو تو پھر صبر نہیں ہوتا۔ دل چاہتا ہے کہ ایک ہی گھونٹ میں پوری بوتل اپنے معدے میں انڈیل لی جائے۔“

”مجھے خوشی ہے کہ تمہارے اور سلطان شاہ کے درمیان تلخی بڑھنے سے پہلے ختم ہو گئی۔“ میں نے کرسی پر بیٹھ کر کہا۔

”وہ ہر وقت اول فول بکنا رہتا ہے۔ اس نے یہ خیال بھی نہیں کیا کہ غزالہ کمرے میں آچکی تھی۔“

”غزالہ کے آنے سے کیا فرق پڑ گیا۔ وہ غیر نہیں، ہم ہی میں سے ہے۔“

”یہ بات شاید تم نہیں سمجھ سکو گے۔ مجھے اس پر اچانک غصہ آیا تھا۔“

”ویسے تو میں بھی وہاں موجود تھا۔“ میں نے ٹٹولنے والے پر تجسس لہجے میں پوچھا۔

”تمہاری اور بات ہے۔ تم کو میں اپنے آپ سے الگ نہیں سمجھتی۔ غزالہ ایک عورت ہے۔ میں اس کے سامنے اپنی سبکی برداشت نہیں کر سکتی۔“

”اس کے لیے کوئی بات نئی نہیں تھی۔ تم اسے اپنی پوری کھٹا خود سناچکی ہو۔“

وقت دھیرے دھیرے گزرتا رہا۔ مجھے بے چینی سے اول خان کے فون کا انتظار تھا۔ میرا ذہن مسلسل عبداللہ کا رونا رو رہا واقع امریکن قونسلٹ میں ابھا ہوا تھا۔ میری چشم تصور اس کے ارد گرد آئی اور ایس بی ایف والوں کی بھاری نقل و حرکت دیکھ رہی تھی۔

آٹھ بجے اول خان کا فون آگیا "ساری کارروائی مکمل ہو گئی۔ چاروں راستوں پر میرے آدمی نگاہ رکھے ہوئے ہیں۔" اس نے اطلاع دی۔

"دوسری ٹیم وہاں سے ہٹ چکی ہے؟" میں نے پوچھا "یا ابھی کچھ کنفیوژن ہے۔"

"سب کچھ بہت منظم طریقے سے ہوا ہے۔ میرے آدمی وائرلیس پر ان سے مسلسل رابطے میں تھے۔ ان کی گاڑیاں جا چکی ہیں۔"

اول خان سے مزید چند باتیں ہوئیں پھر میں نے کیڈل دیا کرو فون کا سلسلہ منقطع کر دیا۔ ریپور ہاتھ سے چھوڑے بغیر میں چند ثانیوں تک خالی الذہنی کے عالم میں بیٹھا رہا پھر میں نے ٹام اور نک کا رہائشی فون نمبر لایا۔ ان دونوں ہمارے فون سے منسلک سی ایس ڈی ہر وقت آن رہتی تھی۔

تیسری گھنٹی پر دوسری طرف سے ہیلو کی آواز آئی اور میں نے پہچان لیا کہ وہ ٹام تھا۔ ان دونوں کی آوازیں میرے ذہن میں اچھی طرح محفوظ ہو چکی تھیں۔

"کیا میں نک ہاروے سے بات کر سکتا ہوں۔" میں نے اپنی طرف سے شناسائی کے کسی اظہار کے بغیر کہا۔ "تم کون بول رہے ہو؟" اس بار ٹام کی آواز مختار اور اشتباہ آمیز تھی۔

"میرا نام کرل داور ہے۔" میں نے رواں انگریزی میں جواب دیا "وہ مجھے جانتا ہے۔"

اس نے بھی یہ بتانے کی ضرورت نہیں سمجھی کہ وہ ٹام تھا اور خود بھی میرے نام سے واقف تھا۔ اس نے مجھے ہولڈ کرنے کی ہدایت کی اور لاٹن پر سناٹا چھا گیا۔

چند ثانیوں بعد میرے کانوں میں نک کی مسرت آمیز آواز آئی "ہائے کرل! تم کیسے ہو۔ مجھے خوشی ہے کہ آج میں دوسری مرتبہ تمہاری آواز سن رہا ہوں۔ اس وقت تم نے میری پیشکش کا کورا جواب دے دیا تھا لیکن بعد میں تم نے اس پر غور کیا ہوگا۔ یہ تمہارے لیے بہت پرکشش موقع ثابت ہوگا۔"

اس احق نے میرا نام سن کر یہ سمجھ لیا تھا کہ میں نے اس کی پیشکش پر مذاکرات کرنے کے لیے اسے فون کیا تھا۔

میرے لیے ہمدردی ضروری ہے لیکن اس سے زیادہ نرم کوئی گوشہ نہیں ہے۔ آج تم نے گوڈن کی آنکھیں پھوڑ ڈالنے کا عندیہ دے کر میرا دل خوش کر دیا۔ میں تمہارے ساتھ باہر نکل کر اس خوشی کا جشن منانا چاہتی ہوں۔"

میں نے اس کی کسی خوش گمانی کی تردید نہیں کی۔ یہ ضرور کہا کہ اس رات ہم سب کا دستیاب رہنا ضروری تھا۔ بن ڈیوڈ کے بارے میں کسی بھی لمحے شک میں سے کوئی اطلاع آسکتی تھی۔ وہ عذرا تا معقول تھا کہ ویرا کے لیے بحث کرنے کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ اس نے اپنے گلاس سے ایک چھوٹا سا گھونٹ لیا اور چمکتی ہوئی پر امید نگاہیں میرے چہرے پر گاڑ دیں۔

"اس طرح کیا گھور رہی ہو۔ کیا میرے سر پر سینگ نکل آئے ہیں۔" میں نے آہستہ سے پوچھا۔

"سچ بچہ بتانا۔ کبھی غزالہ نے بھی تم سے میری شکایت کی ہے کہ میں تمہیں عجیب نظروں سے دیکھتی ہوں۔" ویرا نے ایک بے تکا سوال کر دیا۔

"عورت کی بری نظریں دوسری عورت فوراً تازہ جاتی ہے۔ ایک بار نہیں، غزالہ نے نئی باریہ شکایت کی ہے کہ تم عجیب والمانہ نظروں سے میری طرف دیکھتی رہتی ہو۔ یہ میری مختار روی کا نتیجہ ہے کہ اب صرف شکایتوں تک محدود ہے۔ کبھی اس سے آگے نہیں بڑھی ورنہ تم نے ہمارے درمیان فساد کا بیج بونے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔"

"یہ سب بے اختیار چیزیں ہوتی ہیں۔ مجھے اکثر ماضی کے وہ رنگین لمحات یاد آتے ہیں جب تم میرے قریب ہوتے تھے اور۔۔۔ وہ جذباتی لہجے میں بولنے لگی مگر میں نے اس کی بات درمیان سے اچک لی۔

"ماضی کے ان فتنوں کو نہ کریدو۔ جو گزر گیا وہ اچھا وقت تھا۔ اب آج کے بارے میں سوچو۔ ماضی میں یہ بھی ہوا ہے کہ ہم دونوں ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے اور ہمارے درمیان کئی بار گولیوں کا تبادلہ بھی ہوا تھا۔"

ویرا کے کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ اس کا کچا کا ایک گلاس ختم کر کے اس نے دوسرا تیار کر لیا۔ وہ بلا نوش تھی۔ نشے سے نہیں بہکتی تھی مگر اس وقت ماضی کو یاد کر کے بار بار ہلک رہی تھی۔ اسی دوران میں سلطان شاہ وہاں آگیا۔

"کیا بات ہے؟ آج ویرا کے کمرے میں تمہارا خا صا دل لگ رہا ہے۔" اس نے مجھ سے پوچھا۔

"اس کی تہائی دور کر رہا تھا۔ تم آگئے ہو تو اب میری چھٹی۔" یہ کہہ کر میں اٹھا اور تیزی سے کمرے سے نکل گیا۔

تمہارے قوصل خانے نے بن ڈیوڈ نامی ایک امریکی کو پناہ دی ہوئی ہے جو چیک اور تمہارے دو کمانڈوز کے قتل کے الزام میں ہمیں مطلوب ہے۔

”یہی بات صبح تم نے سمجھا پھر کر کسی تھی۔“ اس کا لہجہ تلخ ہو گیا۔ ”اب پھر اسے دہرا رہے ہو۔ تم چاہتے کیا ہو؟“

”بن ڈیوڈ یا آئی مین کے سر پر اپنا ہاتھ اٹھاؤ۔ اسے ہمارے حوالے کر دو یا کم از کم قوصل خانے سے باہر نکال دو۔“ میں نے مطالبہ کیا۔

”شاید تمہارا مانگ چل گیا ہے۔ تم بے بنیاد الزام تراشی کر رہے ہو۔ تمہارے پاس اسے دعوے کا کیا ثبوت موجود ہے۔“ اس کا لہجہ اشتعال آمیز ہو گیا۔

”ثبوت تمہیں نہیں، عالمی پریس کو دیا جائے گا۔“ میں نے پر اعتماد لہجے میں کہا ”میرے پاس کم از کم دو ناقابل تردید ثبوت ہیں جنہیں کوئی نہیں جھٹلا سکتا۔“

”کیسے ثبوت ہیں وہ؟“ اس نے سوال کیا۔ میرے اعتماد نے اسے تذبذب میں ڈال دیا تھا۔

”وقت آنے پر تم کو پتا چل جائے گا۔“ میں نے بے نیازی سے جواب دیا۔

”میں صرف یہ جانتا چاہتا ہوں کہ ان کی نوعیت کیا ہے۔ وہ قصوریں ہیں یا آوازوں سے بھرا ہوا کوئی کیسٹ ہے۔“

اس نے بہت بودا سوال کیا تھا۔ اس سے ظاہر ہو گیا تھا کہ بن ڈیوڈ کے بارے میں ہمارے اندازے سو فیصد درست تھے۔ میں نے اسے اس کی غلطی کا احساس دلانے کے بجائے سکون سے کہا ”تم لاکھ سوالات کرو، مجھ سے ان کے بارے میں کچھ بھی نہیں اگلا سکو گے۔“

”ثبوت ہیں تو تم ڈنکے کی چوٹ پر ہم سے اس کی واپسی کا باضابطہ مطالبہ کیوں نہیں کرتے۔“

”تم کو معلوم ہے کہ ایس ٹی ایف ایک بے ضابطہ فورس ہے۔ ہم ضابطوں کے بکھیڑوں میں نہیں پڑتے۔ ان کے بغیر اپنا کام نکال لیتے ہیں۔“

”یہاں دوسری ایجنسیاں ہیں۔ تم اپنا مواد ان کے ذریعے ریکارڈ کر لا سکتے ہو۔“ اس نے مقابلہ تجویز پیش کر دی۔ اس کے ریکارڈ کی سوئی ایک ہی جگہ اٹھی ہوئی تھی۔

”ہم اپنا سرا دو سروں کے سر پر سجانے کے قائل نہیں ہیں۔“

”فالکن ہاؤس کے واقعات تم نے زبردستی پولیس کے سر منڈھ دیے۔ ہمیں اطلاعات ملی ہیں کہ پولیس وہاں کافی دیر بعد آئی تھی۔“

میں نے نرمی سے کہا ”نک! میں تمہاری پیکش اور عزت افزائی پر ایک مرتبہ پھر شکر گزار ہوں مگر یہ ایک حقیقت ہے کہ پیسہ میرے لیے بے وقعت ہے۔ مجھے اپنے ملک کے لیے کام کر کے جی خوشی ہوتی ہے۔“

”ذہر! یہ سب جذباتی باتیں ہیں۔ پیسہ اس دور کی سب سے بڑی حقیقت ہے۔ سائنس کے کمالات نے دنیا کو اتنا سمیٹ دیا ہے کہ اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ کون کہاں رہتا ہے۔ آج سب ایک دوسرے کے پردوسی ہیں۔ ہم ایک عالمی گاؤں کے باشندے ہیں جس کے ایک حصے کا نام امریکا ہے اور دوسرے بازار کا نام جاپان ہے۔ یہ گاؤں ہم سب کا ہے۔ ملک اور وطن ماضی کے خواب تھے جو اب رفتہ رفتہ دفن ہوتے جا رہے ہیں۔“

”اس بارے میں میں تمہارا ہم خیال نہیں ہوں۔“

میں نے رسائی سے کہا ”عالمی گاؤں کا نعرہ تمہارے ملک سے اٹھا ہے جو کافی بڑا اور سب سے زیادہ طاقت ور ملک ہے۔ شاید اس طرح تم وطنیت کا احساس مٹا کر اس گاؤں کی چوہدراہٹ حاصل کرنا چاہتے ہو۔“

”ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ میرے ملک کو یہ اعزاز آج بھی حاصل ہے جسے چھیننے کی کوشش کرنے والے کیونٹنوں کے خواب خاک میں مل چکے ہیں۔“ اس کی آواز کی ساری گرجو شیک لخت کا نور ہو گئی۔ اس نے سپاٹ لہجے میں پوچھا ”تمہیں میرے گھر کا فون نمبر کہاں سے مل گیا۔“

”پاکستان میں نمبرے ہوئے مہمانوں کے بارے میں آگاہ رہنا میری ایجنسی کی ذمہ داری ہے۔ تم اپنے ملک کے سرکاری آدمی ہو۔ ہمارے لیے تمہارے گھر اور دفتر کے کوائف سے آگاہ رہنا ضروری ہے۔“

”یہ میرے لیے نئی اطلاع ہے۔ مجھے توقع نہیں تھی کہ یہاں غیر ملکی نمائندوں کی اتنی گہری جاسوسی کی جاتی ہوگی۔“

”اسے جاسوسی نہیں، باخبری کہتے ہیں۔ جاسوسی کے بارے میں میں ابھی بات کرتا ہوں۔“

”تم نے اس وقت مجھے کیوں فون کیا ہے؟“ اس باریک کی آواز سے ابھن مترشح تھی۔

”کیا تم یہ گوارا کر لو گے کہ واشنگٹن میں کوئی غیر ملکی سفارت خانہ امریکی قانون کو مطلوب کسی مجرم کو پناہ دے؟“

میں نے سوال کیا۔

”تم عجیب باتیں کر رہے ہو۔ مقصد کیا ہے تمہارا؟“

”تم نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا مگر میں جانتا ہوں کہ کوئی حکومت اسے نظر انداز نہیں کرے گی۔ یہاں

”مگر تم بن ڈیوڈ کی سرپرستی کا سلسلہ ترک نہیں کرو گے۔“ میں نے اسے مزید تاؤ دلانے کی کوشش کی۔

”اپنے دماغ سے یہ بات نکال دو۔“ اس کی آواز بھیڑیے کی غراہٹ سے مشابہ ہو گئی ”وہ تو فصل خانے میں نہیں ہے۔ اسے شہر میں کہیں اور تلاش کرو۔“

”جلال نے کیلی کو تمہارے حوالے کر کے غلطی کی ہے۔ وہ مجھ سے بات کرنا تو میں اسے ہرگز یہ مشورہ نہیں دیتا۔ اسے چارہ بنا کر بن ڈیوڈ کو آسانی سے گھیرا جاسکتا تھا۔ میں اس سے کہوں گا کہ وہ کیلی کو دوبارہ اپنی تحویل میں لے لے۔“

”یہ ناممکن ہے۔“ اس نے میری بات درمیان سے اڑا دی ”تم لوگوں نے اس نرم و نازک لڑکی پر بڑے ستم ڈھائے ہیں۔ اسے کسی چوپائے کی طرح بستر کے فریم سے باندھ کر رکھا گیا تھا۔ ہم اپنی ایک لڑکی ایسے وحشیوں کے حوالے نہیں کر سکتے جو تہذیب اور تمیز تک سے نا آشنا ہیں۔“

”وہ تمہاری ماں، بیوی یا بیٹی نہیں ہے نک!“ میں نے طنز سے کہا ”ایک بڑے مجرم کی داشتہ ہے۔ اپنے قیدیوں کی زبان کھلوانے کے لیے تم اس سے زیادہ بدسلوکیاں کرتے ہو۔ کئی دن کے بھوکوں کے سامنے کھانا رکھتے ہو۔ وہ اس پر لپکتے ہیں تو پائیں اٹھا لیتے ہو۔ پیاسے قیدی پانی مانگتے ہیں تو تمہارے ٹائی ان کے دہانوں پر پیشاب کی دھاریں مارتے ہیں۔ ہم نے کیلی کے ساتھ ایسا کوئی رویہ اختیار نہیں کیا۔ وہ تمہارے پاس جلال کی امانت ہے۔ تمہیں اس کو لوٹانا ہو گا۔“

”یہ کبھی نہیں ہو سکتا۔“ ریویور پر اس کی آواز وحشیانہ دھاڑ سے مشابہ تھی۔ اس نے صبر و تحمل کو خیر یاد کہہ دیا تھا۔ اس سے فون پر ہونے والی لفظوں کی سرحد جگ بڑھ کر تصادم کی صورت اختیار کر گئی تھی۔ وہ کہہ رہا تھا ”جب تک کیلی کا زخم نہیں بھر جاتا وہ ہماری تحویل میں رہے گی۔ ہم اسے دوبارہ جانے بوجھے جہم میں نہیں جھونکیں گے۔“

اس کا وہ جواب میرے لیے بہت پہلے سے متوقع تھا۔ میں نے اس کی نیت آزمائے کے لیے اس وقت دانستہ کیلی کا نام لے کر اسے چھیڑا تھا اور وہ کھل کر سامنے آ گیا۔

”صبح تمہارے تیور بہت دوستانہ تھے۔ اس وقت تم بہت زیادہ بھڑکے ہوئے معلوم ہو رہے ہو۔ کیا میں تمہارے اس رویے کو دوستی کے خاتمے کا اعلان سمجھ لوں۔“

”تمہارے لیے میرے تیور کبھی دوستانہ نہیں تھے۔ تم سے لیری دھوکا کھا گیا تھا۔ اچھا ہوا کہ تم نے میری پیشکش رد کر دی۔ تمہیں ایف بی آئی میں لے جانے سے بہتر ہے کہ ہم

”شور کر سکتے ہو تو ضرور کرو۔ یہ بات بالکل غیر اہم ہے کہ وہاں کارروائی کرنے والے کون تھے۔ اصل بات یہ ہے کہ تمہارے ٹھکانے کا ایک ڈپٹی ڈائریکٹر دو ایلیٹ کمانڈوز کے ساتھ وہاں مارا گیا، کیلی زخمی ہونے کے بعد پکڑی گئی اور بن ڈیوڈ بھاگ کر تمہاری پناہ میں پہنچ گیا۔“

”تم بہت زہریلے اور خطرناک آدمی ہو۔ اس وقت میرے سامنے ہوتے تو میں تمہارا منہ توڑ دیتا۔“ اس کے لہجے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ دانت پیس کر بول رہا تھا۔ اس کی بات جاری رہی ”یہ سب نری بکواس ہے۔ تم مجھے ہراساں کر رہے ہو۔ تمہارے آدمیوں نے تو فصل خانے کا محاصرہ کیا ہوا ہے۔ میں نام لے کر تمہاری شکایت کروں گا۔“

”تم کو یہ الہام کیسے ہو گیا کہ میری فورس نے تو فصل خانے کا گھیراؤ کیا ہوا ہے۔“ میں نے استہزائیہ لہجے میں پوچھا۔

”عمارت پر لگے ہوئے خفیہ کیمروں نے ایسے افراد کی تصاویر لی ہیں جو صبح سے مسلسل وہیں موجود ہیں۔“ وہ مجھے نچا دکھانے کی روانی میں کہہ گیا۔

”یہ میرے لیے نئی اطلاع ہے۔“ میں نے اس کا کہا ہوا ایک فقرہ من و عن دہرا دیا ”ہم کمانڈو ایکشن کرتے ہیں۔ ایسی صبر آزما کارروائیاں ہمارے کسی ایکشن پلان میں شامل نہیں ہیں۔“

”تم کو ان تصویروں کی شہادتوں کے بارے میں جواب دینا پڑے گا تو تمہارے سینے چھوٹ جائیں گے۔“ اس نے مجھے دھمکی دی۔

میں نے اپنے بیوقوفوں کی بات کر کے اس کو فریب دیا تھا مگر اس نے جوش میں آکر جو انکشاف کیا تھا وہ غلط نہیں ہو سکتا تھا۔ جلال کے آدمیوں نے اسی روز تو فصل خانے کی نگرانی کا آغاز کیا تھا اور عمارت پر لگے ہوئے خود کار خفیہ کیمروں کی گرفت میں آ گئے تھے۔

”تم اپنی تصویروں کے ساتھ احتجاج کرو، ہم براہ راست پریس میں جائیں گے۔ نتیجہ خود تمہارے سامنے آ جائے گا۔“

”چھا ہوا کہ تم نے اس وقت فون کر لیا۔“ اس کی زہریلی آواز ابھری ”مجھے تمہارے مذموم عزائم کا اندازہ ہو گیا ہے۔ یہ تصویریں تمہارے تابوت کی آخری کیل ثابت ہوں گی۔ پہلے تم اپنے سارے کارڈز کھیل لو۔ میں اس کے بعد اپنا ٹرمب کارڈ کھیلوں گا۔ دیکھتا ہوں کہ تم پریس کے ذریعے کیا فرضی مواد سامنے لاتے ہو۔ ہم آسانی سے اس کا توڑ کر لیں گے۔“

ٹھکانوں کا سراغ لگا کر انہیں نیست و نابود کر دیا جائے گا۔
تمہاری لاشوں پر کوئی رونے والا بھی نہیں ہوگا۔ کیونکہ
تمہاری حکومت سرکاری سطح پر ایس لی ایف کے وجود سے
انکاری ہے۔“

اس کی وہ ہولناک باتیں قرین قیاس تھیں۔ مجھے یاد تھا
کہ بحیرہ عرب میں لشکر انداز کسی امریکی طیارہ بڑا رجمائز سے
اڑ کر آنے والے کمینڈوز نے اسٹیشن فور کو بمباری سے تباہ
کرنے کی کوشش کی تھی۔ یہ اور بات تھی کہ سراب گٹھ
سے آگے کا سنگلاخ ویرانہ ان کا قبرستان بن گیا تھا۔ اس
مہیب امریکی حملے کے بعد سے ہی اسٹیشن فور عارضی طور پر بلیئر
چھاؤنی کے فوجی اور زیادہ محفوظ علاقے میں قائم تھا۔

میں جوں جوں اخبارات والی بات کو ہوا دے رہا تھا،
نک کا غصہ بدھتا جا رہا تھا، اس کی دھمکیوں میں شدت آتی
جا رہی تھی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ مجھے ہر قیمت پر
اخبارات سے رجوع کرنے سے روکنا چاہتا تھا۔ اس کی پہلے
سے کئی ہوئی دو باتیں میرے ذہن میں آدھ ہونے لگیں۔

صبح کے اجلاس میں اس نے امریکا کے خلاف منفی
اخباری اطلاعات کی غیر ضروری تشہیر کے بارے میں اپنی
حکومت کی تشویش کا اظہار کیا تھا اور تھوڑی دیر پہلے ہی
کہہ ڈالا تھا کہ وہ خفیہ کیمروں کی لی ہوئی تصاویر کو ٹرمپ کا رڈ
کے طور پر استعمال کرے گا۔ میں نے اخبارات سے رجوع کیا
تو وہ میری الزام تراشی کی سنگین کوئڈ نظر رکھتے ہوئے، بعد میں
وہ تصاویر کسی موزوں کہانی کے ساتھ سامنے لائے گا۔ وہ
ایک ڈھکی چھپی دھمکی یا پیشکش تھی۔ میں بن ڈیوڈ کے بارے
میں خاموش رہتا اور وہ خفیہ کیمروں کی تصاویر دیتے رہتا۔

میرے پاس رکھا ہی کیا تھا۔ بن ڈیوڈ کے بارے میں
صرف اندازے ہی اندازے تھے۔ ثبوت کے نام کی کوئی شے
ہمارے پاس نہیں تھی۔ وہ ایک کھوکھلی دھمکی تھی جو مقدر کی
یاوری سے کام کر رہی تھی۔ اس دھمکی سے خوف زدہ ہو کر نک
نے بہت کچھ اگل دیا تھا۔ بظاہر بن ڈیوڈ کے اپنے بل سے باہر
آنے کا کوئی امکان پیدا نہیں ہوا تھا لیکن مجھے قوی امید تھی
کہ مجھ سے فون پر ہونے والی گفتگو کے بعد وہ لوگ اپنی
سفارتی اور سیاسی ساکھ کو داؤ پر لگانے کے بجائے بن ڈیوڈ کو
جلد از جلد کسی متبادل اور محفوظ مقام پر منتقل کرنے کی کوشش
کریں گے۔

وہی میرا اصل مقصد تھا۔ ہم کھلے میدان میں رہ کر ان کا
مقابلہ کر رہے تھے تو بن ڈیوڈ کو بھی سفارتی پھرتی کے سائے
سے نکل کر میدان میں آنا چاہیے تھا۔ امریکیوں کے لیے

اپنے دفاتر میں کوئی ذریعہ کاروبار یاں لیں۔ تم بہت تنگ نظر اور
متعصب آدمی ہو۔ تم جیسے لوگ ہی یہاں سرکاری مقصود میں
چھپ کر ویرا اور ڈینی جیسے بد معاشوں کی سرپرستی کرتے
ہیں۔“

”تمہارا یہ خیال بالکل بے بنیاد ہے۔ ویرا اور ڈینی کو
یہاں کسی کی سرپرستی حاصل نہیں ہے۔ انہوں نے ہم کو سختی
کا ناچ نچایا ہوا ہے۔ تمہارا ہاتھ بہت لمبے ہیں۔ تمہارے
پاس جدید ترین وسائل کی بھی کوئی کمی نہیں ہے۔ ہو سکے تو
تلاش کر کے ان دونوں کو پکڑ لو۔ کوئی تمہارا ہاتھ نہیں روکے
گا۔“

”بن ڈیوڈ کے بارے میں میرا جواب بھی یہی ہے۔ ہمیں
نہیں معلوم کہ وہ کہاں ہے۔ تم خود اسے تلاش کر لو۔“
”اس کا مطلب ہے کہ مجھے پریس میں جانا پڑے گا۔“

میں نے اسے ایک مرتبہ پھر دھمکیا۔
”ضابطے کی کارروائیوں کو نظر انداز کر کے تم نے براہ
راست پریس سے رجوع کیا تو اس کا انجام بہت برا ہوگا۔“
اس کے جواب نے میرے اس اندازے کی تائید کر دی کہ
وہ پریس جیسے حساس اور موثر ہتھیار سے بہت زیادہ خائف تھا۔
”انجام کچھ بھی ہو، پوری دنیا کو تمہارے سفارت
کاروں کا بھیانک چہرہ نظر آجائے گا۔“ میں نے اسے اسی
کنزور نکتے پر رگیدنا شروع کر دیا۔

”میں تمہیں بتا رہا ہوں کہ تم نے یہ حرکت کی تو ایک
طوفان اٹھ کھڑا ہوگا۔ دونوں ملکوں کے تعلقات بگڑ جائیں
گے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تمہاری ایس لی ایف کو ایسی
بے لگام آزادی کس نے دے دی ہے کہ تم ہر پروٹوکول کی
دھیان اڑانے پر تل گئے ہو۔ یہ حرکت تمہیں ذاتی طور پر بھی
بہت تنگی پڑے گی۔“

”اخباروں میں میرا یا ایس لی ایف کا کوئی ذکر نہیں
آئے گا۔“ میں نے اس کی ابترو ہوتی ہوئی ذہنی کیفیت سے
لطف اندوز ہوتے ہوئے کہا ”پوری خبر اخبار کے اپنے ذرائع
سے منظر عام پر آئے گی۔ ہمارے ملک میں صحافت آزاد ہے۔
اخبار کو اپنی معلومات کا ذریعہ ظاہر کرنے پر مجبور نہیں کیا
جاسکے گا۔“

”تم کسی دو ٹوکے رپورٹر کو خریدو گے تو پھر ہم بھی تم پر
اوپر سے وار کریں گے۔ گھمراہی کرنے والوں کو سرکاری دہشت
گرد قرار دیں گے۔ تم بھول رہے ہو کہ سپر ہائی وے کے
اڈے پر تمہاری ایس لی ایف کا کیا حشر ہوا تھا۔ تم ہمارے
سیٹلائٹ نیٹ ورک سے زیادہ دور نہیں ہو۔ تمہارے

”گاہ“

”یہ اچھی بات ہے کہ تم خطرناک ہونے کے ساتھ ذہین بھی ہو۔ نوٹشہ ریڈار آسانی سے پڑھ لیتے ہو۔ یہ یاد رکھنا کہ مجھے دھوکے میں رکھ کر تم نے پریس کار کیا تو پھر وہی ہوگا جو میں چاہتا ہوں۔ تمہاری نسلی کے لیے میں بی بتادوں کہ دشمن طرح تم اپنے ملک میں آنے والے میزبانوں کے کوائف سے باخبر رہنا اپنا فرض سمجھتے ہو اسی طرح ہم کہیں جانے سے پہلے اپنے میزبانوں کے بارے میں مکمل آگاہی حاصل کرتے ہیں۔ ایف بی آئی کے ریکارڈ کے مطابق پاکستان کے مختلف شہروں میں ایس بی ایف کے دس مراکز ہیں۔ گیارہواں تمہارا ہیڈ آفس ہے جو اسلام آباد میں کام کرتا ہے۔“

نک کے وہ الفاظ سن کر میرے پورے بدن میں چیونٹیاں سی ریگنے لگیں۔ ایس بی ایف کے بارے میں امریکیوں کی خفیہ معلومات میری توقع سے کہیں زیادہ تھیں!

امریکیوں کی طاقت سے کون واقف نہیں ہے۔ ان کے جہاز طیارہ شکن توپوں کی پہنچ سے زیادہ بلندی پر ریڈار کی آنکھ سے پوشیدہ رہ کر پرواز کر سکتے ہیں۔ ان جہازوں سے گرائے جانے والے گائیڈ میزائل اور ہم اپنے نشانوں پر بے خطا گرے ہیں اور اپنی ذہنی زمین آنے والے ہر ذی نفس کو چاٹ جاتے ہیں۔ اپنی سائنسی ترقی کے طفیل وہ اپنے ہر ہدف پر ناک ناک کر نشانہ لگانے میں شہرت رکھتے ہیں۔ نک کے الفاظ نے مجھے پل بھر میں وہ سب یاد دلایا تھا۔

میں نے اپنی بدلی ہوئی حکمت عملی کے تحت کہا ”ہمارے بارے میں تمہاری معلومات قابل رشک ہیں۔ اب وہ ثبوت میرے پاس محفوظ رہیں گے۔ کبھی اخبارات تک نہیں پہنچ سکیں گے۔“

”اب تم راہ راست پر آئے ہو۔ ستھری لڑائی لڑتے رہو۔ تم بن ڈیوڈ کو ڈھونڈتے رہو۔ ہم ویرا اور ڈینی کی تلاش میں لگے ہوئے ہیں۔ شاید کہیں ہمارے راستے ایک دوسرے کو کاٹتے ہوں۔ کام ہوتا ہے تو تصادم ہوتے رہتے ہیں اور کئی کئی جانبیں ان کی بھیجٹ چڑھ جاتی ہیں۔ یہ سب خبریں کھیل کا حصہ ہوتا ہے۔ جب تک میں یہاں ہوں، ہم کو بلیک میل کرنے کی کوشش نہ کرنا۔ اس کا انجام تمہارے حق میں بہت برا ہوگا۔“

”ہمارے درمیان ایک شریفانہ بات طے ہوگئی ہے۔ لڑائی جاری رہے گی مگر ابلاغ عامہ کا محاذ خالی رہے گا۔ میں اسے یاد رکھوں گا۔“ میری آواز کھلی شکست کی غمازی کر رہی تھی ”اب یہ نہ کہنا کہ تمہارے فونسل خانے کے گرد

قابل غور نکتہ یہ تھا کہ وہ غیر معینہ موت تک بن ڈیوڈ کو تحفظ فراہم نہیں کر سکتے تھے۔ اس کا پاسپورٹ جلال کے قبضے میں تھا وہ اتنے کھلے حقائق تھے کہ یہ ڈیوڈ کا نام بدل کر جعلی کاغذات پر پاکستان سے نکل جانا ناممکن تھا۔ وہ ایک چوہے دان میں پھنسی کر خود کو محفوظ تصور کر رہا تھا جس کے باہر بد نصیبی اس کی منتظر تھی۔

بن ڈیوڈ پس منظر میں چلا گیا تھا اس لیے وہ ان نزاکتوں سے بالکل بے خبر تھا۔ وہ وہی کچھ کرنے پر مجبور تھا جس کے بارے میں اس کے مربی اسے ہدایت دیتے۔ وہ لوگ باہر کی دنیا سے بھرپور رابطے میں تھے۔ میرا پیغام ان کے لیے چشم کشا ثابت ہونا چاہیے تھا۔ وہ ایسے لوگ تھے جو اپنے کسی بڑے فائدے کے لیے اپنے آدمیوں کو مروا دینے اور پھر انہیں قومی ہیرو کا درجہ دینے میں عار نہیں سمجھتے تھے۔ بن ڈیوڈ کو اپنے گلے میں پھنسی ہوئی ہڈی سمجھ کر انہیں اس کو اگل دینا چاہیے تھا۔

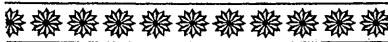
میں نے نیک دم اپنی حکمت عملی بدل ڈالی اور فون پر نک سے کہا ”اس وقت تم غیر ضروری اور خوفناک باتیں کر رہے ہو۔ میری اور تمہاری گفتگو اس بات کا کھلا ثبوت ہے کہ تم ایس بی ایف کے بارے میں بہت کچھ جانتے ہو لیکن یہ ظلم ہے کہ تم ایک ذرا سی بات پر ایس بی ایف کے خلاف اپنے سارے وسائل کو متحرک کرنے کی دھمکی دے رہے ہو۔“

اس بار نک نے میرے لیے میں سرسراتی ہوئی خوف کی لہر کو واضح طور پر پڑھ لیا اور توانا آواز میں بولا ”اخبارات میں امریکا کے خلاف بے سروا اور گندہ پروپیگنڈا کرنا معمولی بات نہیں ہے۔ تم یہ حرکت کر کے دیکھو۔ پاکستان میں ایس بی ایف کا نام و نشان تک مٹا دیا جائے گا۔“

اس نے اخبارات کا حوالہ دے کر ایک مرتبہ پھر میرے اندازے کی تائید کر دی۔ وہ الزام تراشی سے خائف نہیں تھا اس کی شبیر سے خوف زدہ تھا۔ میں نے دھیمی اور شکست خوردہ آواز میں کہا ”تم نے بن ڈیوڈ کی بہت زیادہ بولی لگا دی ہے۔ ایس بی ایف اس کی یہ قیمت ادا نہیں کر سکتی۔ تمہارے خلاف ثبوتوں کی شبیر کے بارے میں مجھے ایک بار پھر سوچنا ہوگا۔“

”تمہارے لیے بہتر یہی ہے کہ یہ خیال اپنے دل سے نکال دو۔ اس لڑائی میں تمہیں خسارے کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوگا۔“

”فی الحال میں کچھ نہیں کروں گا۔“ میں نے اسے یقین دلایا ”سوچ سمجھ کر ایک دو روز میں دوبارہ تم کو فون کروں



معیار

بکود معاش نے جنگل میں خفیہ بھٹی لگائی اور
 ٹھراتار کرنا شروع کیا۔ پہلا بار آزمائش کے طور پر اس
 نے ایک بوتل اپنے ایک جاننے والے دیہاتی کو بھیجی
 اور دوسرے روز اس سے رپورٹ مانگی ”کیسا تھا ہمارا
 ٹھرا؟“
 جواب دیا ”بس اسے پتہ ہوئے مجھے ذرا کھانسی آئی تو
 میری مونچھوں میں آگ لگ گئی۔“



معلوم ہونا چاہیے کہ قنصل خانے کی عمارت پر لگے ہوئے
 خفیہ کیمرے نگرانی کرنے والوں کی تصاویر بنا رہے ہیں۔ تک
 کو معلوم ہے کہ صبح سے نگرانی ہو رہی ہے۔ وہ لوگ رات
 کے اندھیرے سے فائدہ اٹھا کر کسی بھی وقت بے آواز
 راتوں سے باڑا سکتے ہیں۔“
 ”میں اپنے آدمیوں کو محفوظ فاصلے تک دور ہٹا لیتا
 ہوں۔“ اول خان کی آواز میں گہرا ہٹ عود کر آئی ”ضرورت
 پڑنے پر وہ اپنی دور میں استعمال کر لیں گے۔“
 ”آدمیوں سے کہو کہ وہ منظم طریقے سے پیچھے ہٹنے کے
 بجائے یوں ظاہر کریں جیسے افرا تفری میں وہاں سے واپس
 لوٹ رہے ہیں اور جگہیں بدل کر محفوظ فاصلے پر چلے
 جائیں۔“
 ”تم ان کو یہ تاثر دینا چاہتے ہو کہ خوف زدہ ہو کر نگرانی
 ختم کرادی گئی ہے؟“ اول خان نے پوچھا۔
 ”یہ بہت ضروری ہے ورنہ ان کے کیمروں اور راتوں
 کو ہمارے آدمیوں کی تلاش رہے گی۔ میدان صاف دیکھے
 بغیر وہ بن ڈیوڈ کو دباں سے نہیں نکالیں گے۔“
 ”اس سے تمہاری کیا بات ہوئی ہے؟“ اول خان نے
 پر تجسس لہجے میں سوال کیا۔
 دیکھا جائے تو وہ سرے سے کوئی بات ہی نہیں تھی۔ میں
 نے ایک بے سرو پا شوشا چھوڑ کر اسے اشتعال دلایا تھا اور وہ
 غصے میں بہت کچھ بکلا چلا گیا۔ جب بات قابو سے باہر ہوتی نظر
 آنے لگی تو میں نے مصنوعی خوف کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنی
 بات واپس لے لی۔ اس دوران میں تک کی زبانی کئی حیران

منڈلانے والوں کو واپس بلایا جائے۔“
 ”ان سے ہماری صحت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ ضرورت
 پیش آئی تو تم خود انہیں ہٹا لو گے۔ کوئی بھی سو رہا ہے آواز اور
 نادیہ راتوں کے سامنے نہیں نکلتا۔ ان میں سے دو چار
 گریں گے تو باقی خود کو کون کھدروں میں گھس جائیں گے۔“
 اس کی آواز میں غصے اور جھلاہٹ کی جگہ بلا کا متکبرانہ اعتماد
 سمٹ آیا تھا۔
 ”ٹھک ہے نک! پھر کبھی بہتر حالات اور ماحول میں
 ملاقات ہوگی۔“ میں نے اس کا رسمی جواب سن کر فون بند
 کر دیا۔
 ”کیا بات ہے۔ اس نے کیا کہہ دیا۔ پچھلے کئی منٹ سے
 تمہاری پیشانی عرق آلود ہو رہی ہے۔“ ویرانے گنبد شہیدگی
 کے ساتھ پوچھا۔

بے اختیار میری داہنی کلائی اپنی پیشانی کی طرف اٹھ
 گئی۔ میں نے آستین سے صاف کر کے اپنا ہاتھ نیچے کیا تو
 آستین واقعی تر تھی۔
 میں نے غور سے ویرانے کی طرف دیکھا اور کوئی جواب
 دیے بغیر اول خان کا موبائل فون نمبر مانے لگا۔
 ”اس سے میری بات ہو گئی ہے۔“ اول خان کے بے
 ساختہ سوال کے جواب میں ”میں نے کہا“ اس کی بعض باتوں
 نے مجھے ہلا کر رکھ دیا ہے۔“
 ”خدا خیر کرے۔ تمہارے یہ الفاظ میرے لیے مایوس
 کن ہیں۔“
 ”ایس ٹی ایف کے بارے میں وہ لوگ ہر بات جانتے
 ہیں۔ وہ مجھے ہیڈ آفس اور دس مراکز کو تباہ کرنے کی دھمکی
 دے رہا تھا۔“
 ”اوہ۔ تو! اول خان کی بے ساختہ آواز اس کے دل
 کی دبی دبی چیخ جیسی تھی ”یہ کیسے ہو سکتا ہے!“
 ”ایس ٹی ایف پاکستانیوں کے لیے ایک پراسرار راز
 ہو سکتی ہے۔ امریکیوں سے کوئی بات پوشیدہ نہیں ہے۔“ میں
 نے کہا۔
 ”مجھے معلوم تھا کہ وہ بہت کچھ جانتے ہیں لیکن یہ اندازہ
 نہیں تھا کہ وہ اس حد تک جانتے ہوں گے۔ یہ ہم جیسے غریب
 ملکوں کی مجبوریاں ہیں کہ ہم اس کھلے آسمان کے نیچے رہتے
 ہیں جس کی وسعتوں میں امریکا کے مواعلاتی سیاروں کا راج
 ہے۔“ غم و غصے کی شدت سے اول خان کی آواز ہچکچاتی
 سی تھی ”اسے یہ سب کہنے کی کیا ضرورت پیش آگئی۔“
 ”میں بعد میں یہ سب بتا دوں گا۔ اس وقت تمہیں یہ

کھربولا ”میری روائی تک تم نے اس بارے میں کوئی ذکر نہیں کیا تھا۔“

”مجھے بعد میں خیال آیا کہ ان دونوں میں سے کسی سے رابطہ سود مند ثابت ہو سکتا ہے۔ میں معذرت چاہتا ہوں کہ کیلی کے بارے میں مجھے تمہارے نام کا سہارا لینا پڑا۔“

”تم نے ضرورت کے تحت ایسا کیا ہوگا۔ تمہارا یہ اندیشہ بھی درست نکلا کہ وہ کیلی سے دستبردار نہیں ہوگا۔“

”میں نے اس بارے میں شاید تم سے کچھ نہیں کہا تھا۔“ میں نے حیرت سے کہا۔ ”مجھے یاد تھا کہ میری وہ بات دیر سے ہوئی تھی۔“

”کہیں کوئی ذکر آیا تھا۔“ اس نے سرسری لہجے میں کہا ”شاید کسی اور نے تمہاری یہ رائے بتائی ہو۔ تم نے بہت اچھا کیا کہ تک کو چھینڑ دیا۔ جود ٹوٹا ہے ورنہ ہمیں ادھر کی کوئی خبر نہیں تھی۔“

”اس نے اقرار نہیں کیا کہ بن ڈیوڈ تو فصل خانے میں پناہ گزین ہے مگر قرآن ہی بتا رہے ہیں کہ وہ وہیں ہے۔“

”وہ وہاں نہ ہوتا تو اسے اخبارات والی دھمکی پر پریشان ہونے کی ضرورت نہیں تھی۔ وہ وہیں چھپا ہوا ہے۔ میرے لیے یہ بات تشویش ناک ہے کہ ایس ٹی ایف کے بارے میں وہ بہت زیادہ جان چکے ہیں۔ اپنی مصلحتوں کی وجہ سے وہ اس بارے میں زبان بند رکھے ہوئے ہیں۔“ جلال نے کہا۔

”اس بارے میں ہم سب بے بس ہیں۔ یہ ان کی بالادستی ہے کہ وہ دنیا بھر میں ہونے والی بیستریاتوں سے باخبر رہتے ہیں۔“

”خلائی مواصلات کا یہ استعمال نیا نہیں ہے لیکن اپنی حریف قوتوں کو ٹھکانے لگانے کے بعد وہ اس میدان کے بے تاج بادشاہ بن گئے ہیں۔ جہاں چاہتے ہیں اپنے خلائی کیمبرے مرکوز کر دیتے ہیں اور ہریات کا ناقابل تردید ثبوت حاصل کر لیتے ہیں۔“

میرے لیے وہ بات نئی نہیں تھی۔ میں بہت پہلے چوکنڈی کے قبرستان میں اس تجربے سے گزر چکا تھا جب میری زمینی لڑائی کا ایک ایک لمحہ خلائی آنکھوں سے دیکھا جا رہا تھا۔ اس وقت قسمت نے میرا ساتھ دیا تھا کہ میں اس خون ریز مقابلے میں اپنے حریف پر غالب رہا تھا۔

”ہم ان کی ہریات کا جواب دے سکتے ہیں لیکن ان کی اس استعداد کا مقابلہ کرنا ہمارے بس ہے باہر ہے۔“

”میرے آدمیوں کے میدان سے ہٹتے ہی واقعات میں تیزی آگئی ہے۔ اب تک تمہارا جانی دشمن ہو گیا ہوگا۔“

کن باتیں سامنے آچکی تھیں۔ میں نے اول خان کو وہی خلاصہ بتا دیا اور اس نے ان لوگوں کے عزائم پر حیرت کا اظہار کرتے ہوئے فون بند کر دیا۔

غزالہ ورا اور سلطان شاہ نے میری اور اول خان کی گفتگو سے بہت کچھ سمجھ لیا تھا لیکن وہ تینوں میری زبان سے براہ راست پوری کہانی سننے کے منتظر تھے۔ میں نے ٹھکر آمیز انداز میں انہیں اپنی اور تک کی گفتگو کا اعادہ سنا دیا۔

”وہ اپنے ملک کی بدنامی سے خوف زدہ ہے۔“ غزالہ نے پوری بات سن کر کہا ”اس کے رویے سے ظاہر ہوتا ہے کہ بن ڈیوڈ کو تو فصل خانے میں روکنے اور پناہ دینے کا فیصلہ اسی کا ہے اور اس فیصلے کے منفی نتائج کی ذمہ داری سے بچنے کی کوشش کر رہا ہے۔“

”تا لکن ہاؤس پر خالد کی نشان دہی اور جلال کی مخبری کے بعد اچانک چھاپہ مارا گیا تھا۔ تک کو اس کا اندازہ نہیں تھا جو وہ بن ڈیوڈ کے بارے میں پہلے سے فیصلہ کر لیتا۔“ ورا نے اعتراض کیا۔

”ظاہر ہے کہ بن ڈیوڈ افراتفری کے عالم میں فرار ہوا تھا۔ وہ سیدھا تو فصل خانے پہنچا ہوگا اور تک نے صورت حال جاننے کے بعد اسے وہیں رکنے کی ہدایت کی ہوگی۔“ غزالہ بولی۔

”اسے معلوم ہے کہ ایس ٹی ایف آسانی سے پیچھے نہیں ہٹے گی۔“ سلطان شاہ نے کہا ”بن ڈیوڈ کی وہاں موجودگی کی وجہ سے کوئی ناخوشگوار واقعہ بھی پیش آسکتا ہے۔ وہ میدان صاف دیکھ کر بن ڈیوڈ کو جلد از جلد وہاں سے نکلنے کی کوشش کریں گے۔“

”میں ان کو یہ موقع دینا چاہتا ہوں اسی لیے میں نے اول خان کو اپنے آدمیوں کی واپسی کا ڈراما رچانے کے لیے کہا ہے۔“ میں نے سلطان شاہ کی تائید کی۔

”ہو سکتا ہے کہ وہ آج رات ہی میں ایسی کوئی کوشش کریں۔“ ورا نے اپنا خیال ظاہر کیا۔

اسی وقت میرے موبائل فون پر جلال کی کال آگئی۔ وہ مجھے آئی بی کے آدمیوں کی واپسی کی اطلاع دے رہا تھا۔

”مجھے اول خان سے یہ خبر مل گئی تھی۔ اس کے بعد تک سے میری طویل گفتگو ہوئی ہے۔“ اس مرحلے پر اسے اس بات سے آگاہ کرنے میں کوئی حرج نہیں تھا۔

”تک سے... اس سے کیا بات ہوئی تمہاری؟“ اس کی تیز آواز ابھری۔

میں نے اسے پوری بات بتا دی۔ وہ خاموشی سے سنتا رہا

قدموں کا متحر ہے۔ میں نے ہنس کر جواب دیا۔

غزالہ نے سن لیا تھا کہ مجھے کھانا کھانے کے بعد جانا تھا۔ وہ دروازہ کو بازو سے تقریباً کھینچتی ہوئی، اپنے ساتھ کچن کی طرف لے گئی۔



”تمہارے آنے کی وجہ سے قیدی کو لمبا آرام مل گیا ہے۔“ جلال نے صدف میٹھن میں میرا استقبال کرتے ہوئے کہا ”تم آنے کا وعدہ نہ کرتے تو اس وقت میں اسی کے سر پر سوار ہوتا۔“

”تو اب دیر نہ کرو۔ آؤ اس کو دیکھتے ہیں۔“ میں نے کھڑے کھڑے کہا۔

”اب اتنی بھی عجلت نہ کرو۔ ذرا سی دیر کے لیے بیٹھ جاؤ۔ تمہاری اور تک کی گفتگو نے میرے ذہن میں ایک بھونچال پیدا کیا ہوا ہے۔“ اس نے مضطربانہ انداز میں ہاتھ ہلاتے ہوئے کہا ”اگر وہ لوگ سراغ رسائی کے معاملے میں اس حد تک آگے بڑھ چکے ہیں تو اس وقت روئے زمین پر ان سے زیادہ باخبر قوم کوئی نہیں ہے۔“

”بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے۔ وہ اپنے دوستوں اور دشمنوں کی کسی بھی کارگزاری پر نظر رکھ سکتے ہیں۔ اول خان یہ جان کر لیے ساختہ چیخ بڑا تھا کہ وہ پاکستان میں ایس ٹی ایف کے مراکز کی کل تعداد سے پوری طرح باخبر ہیں۔ یہ معلومات طویل اور بھرپور گمرانی کے بغیر حاصل نہیں کی جاسکتی تھیں۔“

”یہ لوگ کینہ پرور ہیں۔ جس کے پیچھے بڑجاتے ہیں اس کا پاتا ل تک پیچھا کرتے ہیں۔ مجھے معلوم ہے کہ ایس ٹی ایف صرف خفیہ فورس ہی نہیں ہے، اس کے مراکز کی آسانی سے شناخت بھی ممکن نہیں ہے۔ یہ کھوج لگانے کے لیے صرف مواصلاتی سیارے کافی نہیں ہیں۔ وہ زمین سے فراہم کی جانے والی اطلاعات پر اور زمینی عملے کے اشاروں پر کام کرتے ہیں۔ ان کو حرکت میں لانے سے پہلے انہوں نے پورے ملک میں ایس ٹی ایف پر بھرپور طریقے سے کام کیا ہوگا۔“ اس نے فکر مندی کے ساتھ کہا ”حیرت کی بات یہ ہے کہ ہمیں کانوں کان خبر نہیں ہو سکی۔“

”سرکاری طور پر انہیں ترجیحی دوست ملک کا درجہ حاصل ہے۔ ان سے یہ امید نہیں کی جاسکتی تھی کہ وہ اعتماد کا ناجائز فائدہ اٹھائیں گے۔“

”پے در پے تجربات نے ثابت کر دیا ہے کہ جب وہ کسی کے قانون کا پاس نہیں کرتے تو ان کے لیے اعتماد، عزت اور

”ہمارے درمیان خاصی گرما گرمی اور تلخی ہوئی لیکن اس نے فون بند نہیں کیا۔۔۔“

”کیسے کرنا؟ گفتگو کو طول دینا اس کے اپنے مفاد میں تھا۔“ جلال نے میری بات کاٹ کر کہا ”وہ تمہیں خوف زدہ کر کے تمہیں روکنا چاہ رہا تھا۔“

”میں یہی بتا رہا تھا۔ میں نے اسے مایوس نہیں کیا۔ آخر میں اس کا لب و لہجہ فاتحانہ ہو گیا تھا۔ اس کی دانت میں اس کی دھمکیوں سے ڈر کر مفاہمت پر آمادہ ہوا تھا۔ اس انجام کے ساتھ ساری تلخی بھی ختم ہو گئی تھی۔ یہ بھی طے ہو گیا تھا کہ ہم بن ڈیوڈ کے خلاف اپنا کام جاری رکھیں گے۔“ میں نے اسے بتایا۔

”اس بارے میں وہ تم پر کوئی قدغن لگاتا تو یہ بات کھل جاتی کہ وہ اس کی حمایت کر رہا ہے۔ اس وقت مرکزی نکتہ یہی ہے کہ وہ اپنا دامن صاف رکھنا چاہ رہا ہے۔ فاکن ہاؤس میں جبکہ کی موت کی وجہ سے یہ معاملہ ان کے لیے بہت سنگین اور نازک ہو گیا ہے۔“ جلال بولا ”میرے لیے تشویش کی بات یہ ہے کہ انہوں نے میرے کچھ آدمیوں کی تصویریں محفوظ کر لی ہیں۔ یہ اچھا نہیں ہوا۔“

”اس وقت تم کہاں ہو؟ خاصی فرصت میں معلوم ہو رہے ہو۔“ میں نے پوچھا ”دھڑکیوں نہیں آجاتے۔ دونوں کے دل کے بوجھ جھکے ہو جائیں گے۔“

”بہت خشک اور بے فیض کام میں لگا ہوا ہوں۔ دھنی لال کی دھناتی کر کے واپس آیا ہوں۔ چاہو تو تم بھی صدف میٹھن آجاؤ۔ شاید تمہارے قدموں کی برکت سے وہ ملعون بولنا شروع کر دے۔ اس نے سختی سے اپنی زبان بند رکھی ہوئی ہے۔“ جلال نے مجھے جوانی دعوت دی ”یہاں کام کے ساتھ ساتھ باتیں بھی ہوتی رہیں گی۔“

میں نے ایک لمحے کے لیے سوچا۔ میری چھٹی حس کہہ رہی تھی کہ وہ رات بھاری پڑنے والی تھی۔ اول خان کے آدمیوں کی طرف سے کسی بھی لمحے کوئی اہم پیغام آسکتا تھا۔ موبائل فون کی موجودگی میں میرے لیے گھر میں بندھ کر بیٹھنا ضروری نہیں تھا۔ میں ہر وقت اور ہر جگہ اول خان سے رابطے میں رہتا۔ میں نے ماؤتھ پیس میں کہا ”میں کھانے کے بعد گھر سے نکلتا ہوں۔“

”اب تم کہاں جاؤ گے؟“ فون بند ہوتے ہی دیرانے ٹکی انداز میں سوال کیا۔

”صدف میٹھن۔ وہاں مشتبہ قیدی میرے مبارک

رسید کیا۔ اس کے حلق سے ایک بے ساختہ سُرکٹ سی نکلی اور وہ اپنی جگہ پر ہل کر رہ گیا ”میں نے تم سے پوچھا تھا کہ تم اپنے پر اپنے شر اور لگاؤں کا نام بتاؤں جہاں تم پیدا ہوئے تھے تاکہ یہ تصدیق ہو سکے کہ تمہارا نام دھنی ہے اور تم پاکستانی ہو۔“

”مجھے کچھ نہیں معلوم، میں کچھ نہیں جانتا۔ مجھ سے جانوروں جیسا سلوک مت کرو۔“ اس نے ضدی لہجے میں کہا۔

”تھوڑی دیر میں تمہیں سب کچھ یاد آنا شروع ہو جائے گا۔“ میں نے اس کے کسرتی بدن اور تنگ پیشانی کا جائزہ لیتے ہوئے کہا اور پھر یکایک جلال سے مخاطب ہو گیا ”ذرا لوہے کی کوئی چیز منگو لو۔ میں ایک ایک کر کے اس کے سارے دانت توڑ ڈالوں گا۔“

”نہیں!“ اس بار وہ حلق کے بل چیخ پڑا ”تم ایسا نہیں کر سکتے۔“

”یہاں ہمیں روکنے والا کوئی نہیں ہے۔“ میں نے بے رحمی سے کہا ”یہاں آکر بے جان لاشیں بھی بولنے پر مجبور ہو جاتی ہیں۔“

جلال نے باہر سے ایک وزنی اور زنگ خورہ آہنی تالا لا کر مجھے تھامایا۔ میں نے تالے کے کٹڈے میں انگلی پھنسا کر اس کا وزن ٹولا اور پھر اسے زور سے اس کے بائیں جڑے پر دے مارا۔ اسے مجھ سے اتنی پھرتی کی توقع نہیں تھی۔ وہ خود کو تالے کی ضرب سے نہیں بچا سکا۔ وہ سر کو زور زور سے جھٹکتے ہوئے چیخنے لگا تھا۔ اس کے کئی دانت ٹوٹنے کی کڑکڑاہٹ مجھے واضح طور پر سنائی دی تھی۔

”اس حرام زادے کے ہاتھ پیر کھول دو تاکہ یہ اپنے قدموں سے چل کر اپنے باپ کو دیکھ لے۔“ میں نے جلال سے کہا۔ اس نے اپنی جیب سے چابیاں نکال کر اسے آزاد کر دیا۔ ہاتھ کھلتے ہی اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنا منہ تھام لیا اور پھر لڑتا ہوا اپنے قدموں پر کھڑا ہو گیا۔

ٹوٹے ہوئے دانتوں کو اس نے فرش پر تھوکا اور بھرائی ہوئی آواز میں بولا ”میں بتا رہا ہوں کہ میں سندھی ہوں۔ تم میری بات مان کیوں نہیں لیتے۔“

جلال نے اس کی پشت پر ایک زوردار رات رسید کی اور وہ لڑکھڑاتا ہوا سامنے والی دیوار سے جا ٹکرایا۔ باہر نکل اور برابر والے کمرے میں دیکھ کہ کون پڑا ہوا ہے۔ ”جلال غریبا۔ وہ کراہتا ہوا منہ صلا اور لڑکھڑاتا ہوا دروازے سے نکل گیا۔ میں اس سے پہلے سیل سے باہر جا چکا تھا۔ میں نے اس

وعدوں کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ اپنے مفاد کے لیے وہ جب چاہتے ہیں ہر مفہوم کو بدل ڈالتے ہیں۔ ان پر بھروسہ کرنے والے بے موت مارے جاسکتے ہیں۔“

”اب ایسا بھی نہیں ہے۔ ان کو ہر وقت اور ہر جگہ اپنے جدید ترین وسائل دستیاب نہیں ہوتے۔ ایسا نہ ہوتا تو ہمیں ان کے خلاف کوئی کامیابی حاصل نہ ہوتی۔ ہم ان کے دوستوں میں بھی شامل ہیں اور ان سے ہماری ذر پرودہ لڑائی بھی چلتی رہتی ہے۔“

”یہ بات میں بھی سمجھتا ہوں۔“ وہ بولا ”وسائل کو یکجا کرنے کے لیے وقت درکار ہوتا ہے۔ اچانک نازل ہونے والی افتاد کے سامنے وہ بے بس ہوتے ہیں۔“

”اس بارے میں ہمیں زیادہ سر نہیں کھپانا چاہیے۔ اس وقت جو معاملہ درپیش ہے اس پر اپنی پوری توجہ مرکوز رکھنی چاہیے۔“

”تم ٹھیک کہتے ہو۔“ وہ سر جھٹک کر کھڑا ہو گیا ”یہ ایک روگ ہے جو شاید کبھی ہمارا پیچھا نہیں چھوڑے گا۔ اس وقت ہمیں دھنی کو دیکھنا چاہیے۔“

وہ اوپری منزل پر پہلے کمرے میں بند کیا گیا تھا۔ میرا خیال تھا کہ چوپڑا بھی اس کے پڑوس میں پڑا ہوا تھا۔ وہ دونوں باتیں کر رہے ہوں گے مگر صدف مینشن کی فضا پر گہرے سکوت کا راج تھا۔ چوپڑا اور وہ دونوں خاموش تھے۔

”چوپڑا کو انجکشن دے کر کچھ دیر کے لیے بے ہوش کر دیا گیا ہے۔“ جلال نے چوٹی زینے طے کرتے ہوئے بتایا ”تھوڑی دیر بعد وہ ہوش میں آجائے گا۔“

”اسے دیکھ کر دھنی کا حوصلہ پست ہو سکتا ہے۔“ میں نے کہا ”ہو سکے تو دونوں کو یک جا کر کے ان کی تواضع کرنی چاہیے۔“

”اس کی بے ہوشی ختم ہونے والی ہے۔ اتنی دیر اسے دیکھ لیتے ہیں۔“

دھنی اپنے تنک اور نیم روشن سیل میں فرش پر بیٹھا ہوا تھا۔ اسے بھی چوپڑا کی طرح میزیوں اور پتھریوں میں باندھ کر رکھا گیا تھا۔ اس کا چہرہ سو جا ہوا تھا۔ کئی ضربات سے خون رس کر اس کے رخساروں پر پھیل گیا تھا جس کی وجہ سے اس کا چہرہ خاصا بھیا تک نظر آ رہا تھا۔

”تم پھر آگے۔“ وہ جلال کو دیکھتے ہی کراہا ”میں تم کو بتا چکا ہوں کہ میرا کوئی ساتھی نہیں ہے، نہ میں نے کراچی میں کوئی دھماکا کیا ہے۔“

جلال نے بڑھ کر اس کے منہ پر ایک زنانے وار تھپڑ

تھا۔

”چوہی! میں نے تجھے بہت مارا ہے۔“ وہ بھرائی ہوئی جذباتی آواز میں چوہا سے کہہ رہا تھا ”مجھے معلوم تھا کہ تو پکڑا گیا ہے۔ یہ بری خبر سننے کے بعد میں چھپ گیا مگر آج میری بد قسمتی نے مجھے گھیر لیا۔ میں تجھ سے معافی مانگتا ہوں۔ تجھے اس حال میں دیکھ کر میرا دماغ الٹ گیا تھا۔“

”میرا پورا منہ دکھ رہا ہے۔“ چوہا نے اپنی گردن جھٹکتے ہوئے کہا ”اتنی بے دردی سے ان لوگوں نے مجھی مجھے نہیں مارا۔“

”میں تجھ سے معافی مانگ رہا ہوں، کہہ رہا ہوں کہ میرا دماغ الٹ گیا تھا۔ تو میرا ہیرو تھا۔ تجھے زیرو بنا دیکھ کر میں اپنے اوپر قابو نہیں رکھ سکا۔“

ان لمحوں میں ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ دونوں ہماری موجودگی کو یکسر بھول گئے ہوں۔ وہ بے تکلفی سے آپس میں باتیں کر رہے تھے۔ اس گفتگو کی روشنی میں نیا قیدی اپنے برائے دعووں پر قائم نہیں رہ سکتا تھا۔ میں نے بڑھ کر اس کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا اور سرد لہجے میں کہا ”اب یاد آیا کہ تو کون ہے؟“

اس نے دانے ہاتھ سے اپنا رخسار سہلاتے ہوئے سر جھکالیا اور بولا ”چوہا کی حالت بتا رہی ہے کہ تم لوگوں نے اس سے بہت کچھ معلوم کر لیا ہوگا۔ اب میں ضد نہیں کروں گا۔ میرا نام وہ ہے۔“

”تو را کا ایجنٹ ہے؟“ میں نے وہیں کھڑے کھڑے اگلا سوال کیا۔ اس نے اپنا سر اثبات میں ہلادیا۔ زبان سے کچھ نہیں بولا۔

”یہاں کب آیا تھا“ تیرے ذمے کیا کام تھے؟“ میں نے اپنے غصے پر قابو رکھتے ہوئے تحقیر آمیز انداز میں پوچھا۔

”دو مہینے پہلے آیا تھا۔ میرے کام وہی تھے جو یہاں سے بھارت جانے والے ایجنٹ کرتے ہیں۔“ چوہا سے بات ہونے کے بعد اس کے تیور بالکل ڈھیلے پڑ گئے تھے لیکن وہ میرے ہر سوال کا مختصر جواب دے رہا تھا جو ایک سیکرٹ ایجنٹ کی تربیت کا بنیادی خاصا ہوتا ہے۔

”تیرے کاغذات وغیرہ کہاں ہیں، پاسپورٹ کہاں ہے؟“

”مجھے فوجیوں نے رات کے اندھیرے میں سرحد پار کرائی تھی۔ میرے کوئی کاغذات نہیں ہیں۔“

”کہاں رہ رہا تھا۔ تیرے تینوں ساتھی کہاں ہیں؟“ مجھے اس کے مختصر جوابات پر غصہ آنے لگا تھا۔ اس کی اس حرکت

کا گریبان پتھر گرا سے چوہا والے سیل کی طرف دھکیل دیا۔ وہ دھکے کے زور میں منہ کے بل فرش پر گرے کرتے پچا۔ سیدھا ہوتے ہی اس کی نظریں بے ہوش چوہا پر پڑیں اور اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر پینٹا شروع کر دیا۔

”بد معاش! عورتوں جیسی حرکتیں مت کر۔ ابھی تیرا باپ زندہ ہے۔ یہ آنکھیں کھولے گا تو تیرا نام ہی نہیں پورا شجرۂ نسب بتا دے گا۔“ جلال نے اسے پھنکارا۔

مجھے حیرت ہوئی کہ جلال کو وہ بات اتنی دیر سے کیوں یاد آئی۔ اگر چوہا کو بے ہوش نہ کیا جاتا تو وہ نئے قیدی کی صورت دیکھتے ہی بہت کچھ بتا سکتا تھا۔ مجھے بعد میں پتا چلا کہ چوہا کو نئے قیدی کی آمد سے پہلے خاموش کرنے کے لیے زبردستی بے ہوش کر دیا گیا تھا کیونکہ وہ بہت زیادہ غل غیاظہ مچا رہا تھا۔ وہ کسی گھسنے پہلے کی بات تھی اور انجکشن کے خواب اور اثرات کچھ دیر بعد زائل ہونے والے تھے۔

چند ثانیوں تک اپنا سر پینٹنے کے بعد دھنی نے کچھ دیر کے لیے توقف کیا۔ وہ خاموش کھڑا چوہا کا چہرہ تکتا رہا پھر اس نے یکایک اس کے سینے پر سوار ہو کر اس کے منہ پر تاج پڑوڑ کے برساتے شروع کر دیے۔ میں نے جلال کی طرف دیکھا اور وہ سر ہلا کر رہ گیا۔ ہمارے لیے وہ دونوں قیدی یکساں سلوک کے مستحق تھے۔ اگر ایک دوسرے کو مار رہا تھا تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں تھا۔

دھنی کی اس حرکت کے خاطر خواہ نتائج برآمد ہوئے۔ پے در پے ضربات نے چوہا کے خفہ حواس میں سرسراہٹ پیدا کر دی۔ پہلے اس کا بدن بندشوں میں کسمپاسا پھر اس نے اپنی بو جھل آنکھیں کھول دیں۔ شاید اس کی بصارت دھندلائی ہوئی تھی۔ وہ آنکھیں کھول کر فوری طور پر دھنی کو نہیں پہچان سکا۔

دھنی نے اس کے دانے جڑے پر آخری زور دار مٹکا رسید کیا اور اس کے منہ پر تھوک کر اس کے سینے پر سے اتر گیا۔

”خبردار! جو تو نے کچھ کہا۔“ دھنی ہانپتے ہوئے دہاڑا ”خود ڈوبے اب اپنے ساتھ سب کو لے ڈوبے گا۔“

”وہ! تو یہاں!“ چوہا کے ہونٹوں سے سرسرائی ہوئی تھیر زوہ آواز برآمد ہوئی۔

”یہ نام اس کے دیے ہوئے چار ناموں میں شامل ہے۔“ جلال نے فوری طور پر مجھے آگاہ کیا۔

”میرے وجود میں اطمینان کی لہر سراپت کر گئی۔ یہ خوشی کی بات تھی کہ ہم نے کسی بے گناہ کو تشدد کا نشانہ نہیں بنایا

سے میرے ذہن پر سوالوں کا بوجھ بڑھ گیا تھا۔
 ”میں بلو اشار ہوٹل میں تھا۔ دوسروں کے بارے میں مجھے علم نہیں کہ وہ کہاں ہیں۔“
 ”تو اس کرتا ہے۔“ بے اختیار میرا ہاتھ چل گیا۔ تھپڑ اتنا زوردار تھا کہ وہ لڑکھڑا کر چوڑا ہر جا پڑا۔
 ”یہ نہ بھولو کہ بھارت میں بھی تمہارے قیدی ہیں۔“

اس نے اٹھ کر منہ سلواتے ہوئے کہا ”قیدیوں کے تبادلے میں بھی نہ کبھی میری رہائی کی باری بھی آئے گی۔ میں واپس جا کر تمہارے قیدیوں سے اپنے سارے بدلے لے لوں گا۔ میں تمہارے سوالوں کے جواب دے رہا ہوں تو مجھ پر ہاتھ کیوں اٹھا رہے ہو۔“

”تم چاروں ایک دوسرے کے ساتھی ہو۔ دو روز پہلے ایک ہوٹل میں ایک ساتھ رہ رہے تھے۔ اب تو کہہ رہا ہے کہ تجھے نہیں پتا کہ انہیں زمین نگل گیا یا آسمان کھا گیا۔“
 ”میں سچ کہہ رہا ہوں چوٹی کے پکڑے جانے کے بعد ہم کو اپنے لیے خطرہ نظر آنے لگا تھا۔ ہم الگ الگ ہو گئے۔ ایک دوسرے کا ٹھکانا اس لیے معلوم نہیں کیا کہ کہیں ایک کی وجہ سے چاروں نہ پھنس جائیں۔“

”اب یہ نہ کہنا کہ روپوشی کے بعد سے تم چاروں نے ایک دوسرے کی صورت نہیں دیکھی!“ چوڑا نے فرش پر پڑے پڑے ہانک لگائی ”یہ لوگ بہت ظالم ہیں۔ مارتے ہیں پھر پکڑ کر علاج معالجہ کرتے ہیں اور دوبارہ مارنا شروع کر دیتے ہیں۔ یہ تیرا حلیہ بگاڑ کر رکھ دیں گے۔“

وہ نے لے جا رہی سے میری طرف دیکھا اور میں نے رہی سے کہا ”چوڑا صحیح کہہ رہا تھا۔ وہ تینوں کہاں ہیں؟“
 ”مجھے نہیں پتا کہ وہ کہاں ہیں مگر الگ ہونے سے پہلے ہم نے آپس میں طے کیا تھا کہ روز پانچ سے ساڑھے پانچ بجے تک فریڈر ہال کے پارک میں آیا کریں گے جس کو دوسروں سے دور رہنا ہو یا کسی وجہ سے نہ ملتا ہو وہاں نہ آئے۔ کل ہم چاروں وہاں ملے تھے۔ آج اس کی نوبت نہیں آئی۔“

”آج کے ایک دھماکے سے ذرا پہلے مجھے بھاگتے ہوئے دیکھا گیا تھا۔ دوسرا دھماکا کس نے کیا تھا؟“ میں نے پوچھا۔
 ”میرے ساتھ تپا بھی تھا۔“ اس نے سہمی ہوئی مایوسانہ آواز میں بتایا ”دوسرے ٹائم ہم کی ذمہ داری راجو اور سیٹھی کی تھی۔“

وہ بے تپا بھی راجو اور سیٹھی۔ چوڑا نے وجہ سے پہلے را کے بھارت سے آئے ہوئے چار ہندو ایجنٹوں کے بی نام بتائے تھے۔ یہ شہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں تھی کہ وہ

جھوٹ بول رہا ہو گا۔ وہ اپنے مشن کی کامیابی کی خاطر اپنی جان پر کھیل جانے والوں میں سے نہیں تھا۔ اسے اپنی زندگی سے پیار تھا جسے ہر قیمت پر بچانا چاہتا تھا۔
 ”آؤ!“ جلال بے پروائی سے واپسی کے لیے مڑ گیا۔ نیچے چلتے ہیں۔“

”یہ ساندیوں ہی کھلا پھرتا رہے گا۔“ میں نے حیرت سے پوچھا۔
 ”یہ کسی کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ کوئی گاڑا اسے باندھ دے گا۔ یہ یہاں خود کو زخمی کر کے صرف خود کشی کر سکتا ہے، ہمیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔“

جلال اس عمارت کے بارے میں سب کچھ جانتا تھا۔ میں خاموشی سے اس کے پیچھے ہولیا۔
 ”تم اگر جانا جاؤ تو اب جا سکتے ہو۔“ میٹر ہیاں اترنے کے بعد جلال نے رک کر کہا ”میں کچھ دیر کے لیے یہاں رکوں گا۔“

”تم یہاں رک کر کیا کرو گے۔ ایک ساتھ چلتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ اول خان کا کوئی پیغام آجائے۔“
 ”مجھے ضابطے کی کچھ کارروائی کرنی ہے۔ ابھی تک وہ بے گرفتاری کہیں بھی ریکارڈ نہیں ہوئی ہے۔ اس نے اپنی زبان کھول دی ہے۔ میرا خیال ہے کہ یہ نالے کی مار اور دانت ٹوٹنے کا کمال تھا۔ اب اس کا ابتدائی بیان ریکارڈ کرنا بھی ضروری ہو گیا ہے۔“ اس نے ایک سانس میں اپنی کئی مجبوریوں کو نوا دیں۔

میں نے اس سے ہاتھ ملایا اور صدف مینشن سے باہر نکل آیا۔ مجھے اندازہ تھا کہ وہ جے کی گرفتاری اور بیان کو ریکارڈ پر لا کر وہ اگلے دن فریڈر ہال سے را کے بقیہ تین ایجنٹوں کو پکڑنے کی کارروائی کی داغ بیل ڈالنا چاہ رہا تھا۔ شرموزید کسی خوں ریز دہشت گردی سے بچانے کے لیے وہ کارروائی بہت ضروری تھی۔

صدف مینشن سے نکلتے ہی میرے ذہن پر اول خان کی فکر سوار ہو گئی۔ امر کی توفصل خانے کی نگرانی کے بارے میں باتیں کرتے ہوئے میرے ذہن میں دو دور تک کوئی خطرناک امکان موجود نہیں تھا لیکن نک سے بات ہونے کے بعد مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ لوگ آبی ٹی والوں کو ہٹا کر خود موت کے دہانے پر جا بیٹھے ہوں۔

میں نے اول خان کو فوری طور پر متوقع خطرات سے آگاہ کر دیا تھا۔ مجھے امید تھی کہ حالات پر پوری طرح قابو پالنے کے بعد وہ اولین فرصت میں مجھ سے بات کرے گا مگر

تیرنے لگے۔ اس نے اپنے کارڈز تپائی پر پھینکے اور خواب گاہ میں جانے کے ارادے سے اٹھ گیا۔

اس کے کمرے میں چلے جانے کے بعد ہم دونوں کا ڈرائنگ روم میں بیٹھے رہنا ضروری نہیں تھا۔ ہم نے اپنی خواب گاہ میں آکر کپڑے تبدیل کیے اور بستر پر دراز ہو گئے۔ بستر پر غزالہ کے بدن کے نرم اور حیات آفریں لمس کے نتیجے میں میرے ذہن سے ہر فکر دور ہوتی چلی گئی۔

ڈیڑھ بجے میرے سر ہانے رکھے ہوئے فون کی گھنٹی بجی اور میں نے غزالہ کو بھول کر تیزی سے ریسیور اٹھایا۔

”تم کہاں غائب ہو؟ تم نے مجھے فکر اور تشویش میں ڈال دیا ہے۔“ ریسیور پر اول خان کی آواز سنتے ہی میں نے سوال داغ دیا۔

”تم نے بہت بروقت فون کیا تھا۔ یہاں کے حالات واقعی مخدوش ہیں۔ میرے آدمیوں نے تمہاری ہدایت کے مطابق تیزی سے واپسی کا ڈراما کیا۔ نوبے تک ہم سب اپنی نئی جگہیں سنبھال چکے تھے۔ مجھے یقین ہے کہ ان کے حساس اور خود کار کیمبرے بھی ہم میں سے کسی کو اپنی گرفت میں نہیں لے سکیں گے۔“

”میں پوچھ رہا ہوں کہ تم کہاں غائب تھے۔“ میں نے اس کی بات کاٹ کر بے چینی سے پوچھا ”اس دوران میں تم ایک مختصر سی کال تو کر سکتے تھے۔“

”میں وہی بتا رہا تھا۔ دس بجے میں اپنے آدمیوں کی چاروں پوزیشنوں کا جائزہ لے کر فارغ ہوا تو تمہیں فون کرنے کے ارادے سے موبائل نکالا۔ اس کی بیٹری ڈاؤن تھی۔ ابھی ابھی بیٹری دوبارہ چارج ہو کر آئی ہے تو میں تم سے بات کر رہا ہوں۔ یہاں آزادانہ نقل و حرکت خطرناک ہے۔ آس پاس کوئی بلیک کال آفس بھی نہیں ہے۔“

”تمہیں خطرے کا ادراک کیسے ہو گیا؟“ میں نے متجسس لہجے میں پوچھا۔

”تو قتل خانے کی چھت کی اونچی دیوار کے پیچھے مسلح گارڈ موجود ہیں۔ گیارہ بجے میں نے وہاں سے فریہ ہال کی سمت میں ایک بے آواز شعلہ تیرتا دیکھا تھا۔ میرا تجربہ بتا رہا تھا کہ وہ کسی بے آواز رائل نقل کا فائر تھا۔ فائر کے ساتھ کوئی چیخ وغیرہ نہیں سنائی دی۔ اس سے کوئی نقصان سامنے نہیں آیا۔ تو قتل خانے کی عمارت اس وقت گہری تاریکی میں ڈوبی ہوئی ہے۔ اس کے سب دروازے بند ہیں۔“

”وہ فائر چھپے ہوئے دشمنوں کو خوف زدہ کرنے کے لیے کیا گیا ہوگا۔“ میں نے سنسنی کے احساس کے ساتھ کہا ”نک

کئی گھنٹے گزر جانے کے باوجود اس کی طرف سے کوئی پیغام نہیں آیا تھا جس سے مجھے تشویش ہو رہی تھی۔ میں اپنی طرف سے اسے فون نہیں کرنا چاہ رہا تھا۔ پتا نہیں وہ کس پروجیکشن میں پھنسا ہوا تھا۔ میری فون کال اس کی کسی اہم مصروفیت میں خلل انداز ہو سکتی تھی۔ میں اپنی طرف سے اس کے لیے کوئی مشکل نہیں لہڑی کرنا چاہتا تھا۔

میں گھر پہنچا تو یارہ بج رہے تھے۔ میں نے جاتے ہی اول خان کے کسی پیغام کے بارے میں دریافت کیا اور مایوسی ہوئی۔ اس نے مکمل خاموشی اختیار کی ہوئی تھی۔

”آج کا پورا دن کسی خاص پیش رفت کے بغیر گزر گیا۔“ میری روداد سننے کے بعد غزالہ نے ہمدردی سے کہا ”آپ تھک کر چور ہو گئے ہوں گے۔“

”میرا خیال ہے کہ ہم نے آج بڑی کامیابیاں حاصل کی ہیں۔ نک اور ٹام سے ملاقات ہوئی پھر نک سے فون پر بات ہوئی جس کے نتیجے میں وہ لوگ کھل کر سامنے آچکے ہیں۔ کیلی کا بیان بن ڈیوڈ کے پاسپورٹ کا حصول، وجے کی گرفتاری۔ میں تمہیں اور کیا کیا گواہوں۔ میرا خیال ہے کہ یہ ایک دن کے لیے غیر معمولی کارکردگی ہے۔ بھاگ دوڑ کے صحیح نتائج حاصل ہوتے ہیں تو تمہیں کا احساس نہیں ہوتا۔ ناکامیوں کی صورت میں تھوڑی سی جدوجہد بھی بری طرح تھکا دیتی ہے۔“

”تھکے تم اور نیند ویرا کو آرہی ہے۔“ سلطان شاہ بولا ”تو بجے کے بعد سے وہ گدھے گھوڑے بچ کر سوئی ہوئی ہے۔“

”اوہ۔ تب ہی گھر میں سکون کی فضا پائی جا رہی ہے۔“ میں نے سلطان شاہ کی دی ہوئی وہ اطلاع مذاق میں ٹال دی۔ ویرا نے سرشام سے جس انداز میں نے نوشی کا آغاز کیا تھا اس کے نتیجے میں اسے کھانا کھاتے ہی مذہوش ہو جانا چاہیے تھا۔ وہ زیادہ پی کر بستی نہیں پھرتی تھی۔ سکون اور وقار کے ساتھ اپنے کمرے میں بند ہو کر خاموشی سے سو جاتی تھی۔ میرے لیے وہ اطلاع غیر متوقع نہیں تھی۔

ایک بجے تک ہم ڈرائنگ روم میں ٹیلی ویژن کے سامنے بیٹھے کارڈز کھیلتے اور چائے پیتے رہے۔ غزالہ کے انٹری بن اور سلطان شاہ کی بے ایمانیوں نے کھیل میں جان ڈالی ہوئی تھی۔ تھوڑا بہت شور بھی ہو رہا تھا لیکن ویرا کا کرا مکمل سکوت میں ڈوبا ہوا تھا۔ آثار بتا رہے تھے کہ وہ صبح کی خبر ہی لائے گی۔

ایک بجے سلطان شاہ کی آنکھوں میں خمار کے ڈورے

اب تم اپنے کام پر دھیان دو۔ مجھے امید ہے تمہارے موبائل کی بیٹری رات بھر چلتی رہے گی۔“
 ”بیٹری کی فکر نہ کرو۔ یہ کم از کم بارہ گھنٹے ضرور نکال لے گی۔“ اول خان نے اس یقین دہانی کے ساتھ فون بند کر دیا۔

تو فصل خانے کی عمارت تاریک تھی اور اس کی چھت پر چھپے ہوئے نشانے باز وقفے وقفے سے بے مقصد چاند ماری کر رہے تھے۔ وہ آثار بتا رہے تھے کہ میرے فون نے تک کے ذریعے تو فصل خانے کے ذمے داروں کو خاصا ہراساں کر دیا تھا۔ وہ بجلی میں بن ڈیوڈ کو اس عمارت سے نکالنے کی تیاریاں کر چکے تھے۔

”مجھے حیرت ہو رہی ہے کہ آج آپ نے اول خان کو اکیلا چھوڑ دیا اور خود یہاں آرام کر رہے ہیں۔“ غزالہ میرے کان کے نیچے منمنائی۔

”میں سوچ رہا تھا کہ وہ اپنے آدمیوں کو مامور کر کے لوٹ آئے گا مگر وہاں کے حالات پیچیدہ ہیں۔ نکاس کے چاروں راستوں کی نگرانی کی جارہی ہے۔ چاروں ٹیوں کے درمیان ہم آہنگی کے لیے کسی مرکزی کمان کی موجودگی ضروری ہے۔ اول خان نے وہ کمان خود سنبھالی ہے۔ اگر وہاں آج رات کچھ ہوئے والا ہے تو اس کا وہاں موجود رہنا بہتر ہے۔“

”نگرانی دن رات ہوتی رہے گی۔ معاملہ طویل پکڑ گیا تو وہ کب تک وہاں بیٹھا رہے گا۔“ غزالہ نے میرے قریب سرک کر پوچھا۔
 ”وہ کوئی نہ کوئی متبادل بندوبست کرے گا۔ میرا دل کہہ رہا ہے کہ آج کچھ نہ کچھ ہو کر رہے گا۔“
 ”کیا وہ کبھی اس کے ساتھ لے جائیں گے؟“ غزالہ میرے کان کی لوستے پھیلے ہوئے بولی۔

”کبھی کو یا مضابطہ طور پر ان کے حوالے کیا گیا ہے۔ اس کی وہاں موجودگی سے انہیں کوئی خطرہ نہیں ہے۔ وہ زخمی بھی ہے۔ بن ڈیوڈ اپنی کھال بچانے کے چکر میں اس کی دیکھ بھال نہیں کر سکتا۔ اسے وہ روئیں گے۔ ایک آدھ روز میں وہ اس کے پاسپورٹ کی واپسی کا مطالبہ بھی کر سکتے ہیں تاکہ سفر کے قابل ہوتے ہی اسے واپس بھیج دیا جائے۔“

”آپ کی باتوں سے ظاہر ہو رہا ہے کہ بن ڈیوڈ کو کسی محفوظ مقام پر منتقل کرنے کے بعد وہ اسے یا رومد گار چھوڑ دیں گے۔“

”وہ اب کھل کر سامنے نہیں آئیں گے۔ پس پردہ رہ کر اسے بچانے کی ہر ممکن کوشش کریں گے۔ یہ بن ڈیوڈ کی

نے صاف کہہ دیا تھا کہ ان کے گاڑ دو چار آدمیوں کو گولی ماریں گے تو نگرانی کرنے والوں کی ساری بھیڑ براہ فرار اختیار کر لے گی۔ اس وقت کوئی ان کے سامنے نہیں ہے اس لیے وہ بے ضرر فائرنگ بھی کر سکتے ہیں۔“

”وہ نگرانی کرنے والوں... دیکھو ابھی ابھی وہیں سے دو بے آواز شعلے فضا میں تیرتے ہوئے خالی سڑک کی دونوں سمتوں میں گئے ہیں۔“ کوئی بات کرتے کرتے اس نے اچانک ادھوری چھوڑ دی اور پتھان زدہ آواز میں مجھے اپنے نازہ مشاہدے سے آگاہ کرنے لگا۔ ابھی تک فضا میں کوئی جوائی جج نہیں سنائی دی۔ بے آواز فائرزوں کا مقصد اگر کسی کو دبشت زدہ کرنا ہے تو وہ بہت مشاقی سے گولیاں چلا رہے ہیں۔ اس گنخان علاقے میں اس وقت بھی سناٹا ہے۔ نشانہ لچا ہو تو بھٹکی ہوئی گولی اتفاق سے کسی کو ہلاک یا زخمی بھی کر سکتی ہے۔“

”اول خان! تمہارا ذہن شاید تھک گیا ہے۔ یہ گولیاں صرف اور صرف تم لوگوں کو بھگانے کے لیے چلائی جارہی ہیں۔ جہاں ہو وہیں دیکے رہو۔ ان کی نگاہوں میں آئے تو مارے جاؤ گے۔“

”میں پوچھ رہا تھا کہ ان کے ہاتھ صاف ہیں تو یہ نگرانی کرنے والوں سے اس قدر خوف زدہ کیوں ہیں۔“
 ”تم انہیں کھلی رکھو۔ شاید وہ آج بن ڈیوڈ کو وہاں سے نکالنے کی کوشش کریں۔“ میں نے کہا ”وہ عمارت میں نے کبھی اندھیرے میں ڈوبی ہوئی نہیں دیکھی۔“

”جب سے میرے آدمیوں نے یہاں کا چارج سنبھالا ہے کئی عام گاڑیاں اندر آئی اور گئی ہیں۔ ان میں سے کسی میں وہ نہیں تھا۔“

”وہ اسے لے جانے کے لیے عام گاڑی استعمال نہیں کریں گے۔“ میں نے سوچتے ہوئے کہا ”وہ کسی بھی گاڑی کے پائیدان میں لیٹ کر وہاں سے نکل سکتا ہے لیکن وہ یہ خطرہ نہیں مول لیں گے۔ عام گاڑیوں کو گولیوں سے چھلنی کیا جاسکتا ہے۔ تم بلٹ پروف یا ایسی ہی ساخت کی کسی گاڑی کے نکلنے کا انتظار کرو۔ وہ نظر آئے تو بہت احتیاط اور خاموشی سے اس کا پیچھا کرو۔ ہمیں ان کی نظروں میں آئے بغیر یہ جاننا ہے کہ ایسی مشتبہ گاڑی تو فصل خانے سے نکل کر کہاں جاتی ہے۔“

”ہم کسی مقابلے کے لیے بھی تیار ہیں لیکن تمہاری ہدایت پر عمل کیا جائے گا۔ ہم حتی الامکان کسی تصادم سے گریز کریں گے۔“

”میں آج رات تمہاری کامیابی کے لیے دعا گو ہوں۔“



مجبوری

فلم کی ریلیز سے پہلے ہی اس کی اتنی شہرت ہو چکی تھی کہ میٹروں پہلے کی ایڈوانس بنگ چل رہی تھی۔ فلم نگلی تو پہلے شو میں ایک بچھلی قطار میں دو خواتین بیٹھی تھیں مگر ان کے درمیان سیٹ خالی تھی۔ انٹرو میں ایک خاتون نے بات چیت شروع کرتے ہوئے دوسری خاتون سے کہا ”میں نے یہ فلم دیکھنے کے لیے آٹھ مہینے پہلے بنگ کرائی تھی۔“

دوسری خاتون بولیں ”عجب اتفاق ہے۔۔۔ میں نے بھی آٹھ مہینے پہلے بنگ کرائی تھی۔“

پہلی خاتون بچھلی خالی سیٹ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولیں ”لیکن نہ جانے یہ کون بد نصیب تھا جو بنگ کرانے کے باوجود فلم دیکھنے نہیں آسکا؟“

”یہ سیٹ بھی میری ہے“ دوسری خاتون نے غم زدہ لہجے میں کہا ”دوسرا ٹکٹ میں نے اپنے شوہر کے لیے لیا تھا لیکن اس دوران میں ان کا انتقال ہو گیا۔“

”اوہ۔۔۔ بڑا افسوس ہوا سن کر“ پہلی خاتون نے ہمدردی سے کہا ”لیکن آپ اپنی کسی دوست یا رشتے دار کو ساتھ لاسکتی تھیں۔“

”خیال تو مجھے بھی آیا تھا“ دوسری خاتون نے تاسف سے کہا ”لیکن کسی کو بھی لانا مشکل تھا۔ وہ سب تو میرے شوہر کے جنازے میں شرکت کے لیے گئے ہوئے ہیں۔“



کی شناخت میں غلطی نہیں کر سکتا تھا۔ اگر وہ بکتر بند گاڑی تھی تو اس میں بن ڈیوڈ کی موجودگی قرین قیاس تھی۔ میں کمرے کے فرش قائلین پر ننگے پاؤں ٹھٹھا اور یہ سوچتا رہا کہ اس بکتر بند گاڑی نے شر کے کس حصے کا رخ

بدقسمتی ہے کہ وہ جنک کے قتل میں بری طرح ملوث ہوا ہے۔ نیلی کی رنگے ہاتھوں گرفتاری اور اعتراف کے بعد کوئی بن ڈیوڈ کی بے گناہی کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔“
”وہ کہہ سکتے ہیں کہ ملزم اور مقتول دونوں امریکی ہیں۔ وہ بن ڈیوڈ کو امریکا لے جا کر مقدمہ چلائیں گے۔“

”جرم پاکستان کی سرزمین پر ہوا ہے، مقدمہ یہیں چلے گا۔ یہی واقعہ امریکا میں ہوا ہوتا اور بن ڈیوڈ یہاں آکر ہمارے ہتھے چڑھ جاتا تب وہ اپنے ملزم یا مجرم کی واپسی کا مطالبہ کر سکتے تھے۔“
”اب بات واضح ہو گئی۔ میں آج تک یہ سمجھ ہی نہیں سکی تھی کہ مجرموں کی واپسی کا مطالبہ کس بنیاد پر کیا جاتا ہے۔“ وہ مترنم آواز میں ہنستے ہوئے بولی ”میں سمجھتی تھی کہ جرم کہیں بھی ہوا ہو، اس پر مقدمہ اسی ملک میں چلایا جاتا ہے جہاں کا وہ شہری ہو۔“

”بین الاقوامی قانون وہی ہے جو میں نے ابھی بتایا ہے۔ یہ ملکوں کی مفاہمت پر منحصر ہے کہ خیر گالی کے طور پر کسی بھی مجرم کو دوست ملک کے حوالے کر دیا جائے۔“ میں نے قدرے تیز لہجے میں کہا ”میرے برابر میں لیٹ کر مجھ سے قانون سیکھنے کی کوشش نہ کرو۔ اس میدان میں میں خود مبتدی ہوں۔ میرے بالوں میں انگلیاں پھیرنا کہ مجھے سکون مل سکے۔“

وہ سعادت مند بیوی تھی۔ اس کی گداز مخروطی انگلیاں اسی لمحے میرے کاسٹ سرو کو گدگدائے لگیں۔
پہلے میں اول خان کے فون کے انتظار میں جاگ رہا تھا۔ اس کا فون آیا تو میری نیند اڑ گئی۔

ڈھالی بجے اس کا دوسرا فون آیا۔ اس نے بھجان زدہ اور دھیمی آواز میں بتایا کہ تو فصل خانے کے بنگلی گیٹ سے چھوٹی چپ کے سائز کی ایک بکتر بند گاڑی رنگت ہوئی باہر آئی تھی۔ اس نے اپنے ایک آدمی کے ساتھ اس گاڑی کا پیچھا کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ میرے لیے اول خان کے اس حوصلہ مندانہ فیصلے سے اختلاف کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔

وہ خبر بہت اہم تھی۔ میرا دوران خون یک بیک تیز ہو گیا۔ میں نے پلٹ کر دیکھا تو غزالہ معصومیت سے آنکھیں بند کیے گہری نیند سو رہی تھی۔ میں نے آہستگی سے بستر چھوڑا اور ایک گوشے میں جا کر اپنے لیے سگریٹ سلگائی۔ آخر کار وہ لمحات آہی آہی گئے تھے جن کے بارے میں میرا دل گواہی دے رہا تھا۔

اول خان سابق فوجی افسر تھا۔ وہ چپ اور بکتر بند گاڑی

کیا ہوگا۔ میری دانت میں ان لوگوں کے لیے ڈیفنس اور کلفٹن کے رہائشی علاقے ان کے مقاصد کے لیے موزوں ترین تھے۔ اس سے پہلے بن ڈیوڈ ڈیفنس کے بی بیڈن نیگل میں اور پھر کلفٹن کے فالکن ہاؤس میں رہ چکا تھا۔ ان علاقوں کے مکینوں کی بیگانگی اور ایک دوسرے کے معاملات سے غیر معمولی لاتعلقی کی بنا پر غیر ملکیوں میں وہ آبادیاں زیادہ مقبول تھیں۔

مجھے خیال آیا کہ اس وقت اول خان اپنی کمین گاہ سے نکل کر امریکی بکتر بند گاڑی کے پیچھے لگ چکا تھا۔ اسے کوئی مجبوری درپیش نہیں تھی۔ اس کے ساتھ اس کا ایک معاون موجود تھا۔ میں اسے کسی زحمت سے دو چار کیے بغیر فون پر اس سے بات کر سکتا تھا۔

کمرے سے بات کرنے کی صورت میں غزالہ کی نیند خراب ہونے کا امکان تھا۔ میں نے اس پر ایک نگاہ ڈالی اور خاموشی سے خواب گاہ کا دروازہ کھول کر دبے قدموں باہر نکل گیا۔ کمرے کا دروازہ احتیاط سے بند کر کے میں سیدھا ڈرائنگ روم میں پہنچا اور اول خان کا موبائل فون نمبر لایا۔ ”تم کہاں ہو؟ بکتر بند گاڑی کدھر جا رہی ہے۔“ میں نے اس کی آواز سنتے ہی سوال کیا۔

”گاڑی کی رفتار سست ہے۔ وہ میٹروپول ہوٹل والے چوراہے سے بائیں طرف مڑ کر سیدھی جا رہی ہے۔“ اول خان کی آواز سیاہ اور پرسکون تھی ”گاڑی نکلے ہوئے میں نے ونڈ شیڈ کے پیچھے دو آدمیوں کی جھلک دیکھی تھی۔ پوری گاڑی خاکستری رنگ کی فولادی چادروں سے ڈھکی ہوئی ہے۔ کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ اس کے پیچھے حصے میں کتنے آدمی ہیں۔“

گاڑی کی سمت کے بارے میں مجھے خیال آیا کہ وہ ہاتھ آئی لینڈ کی طرف جا رہے تھے۔ لی آئی ڈی سی کے پل کے دوسری جانب واقع اس آبادی کے بعض حصے بھی ویرانی کی حد تک پرسکون تھے۔ میں اول خان سے کچھ کہنے بھی نہیں پایا تھا کہ توقف کے بعد اس کی آواز دوبارہ آنے لگی ”عبداللہ ہارون روڈ اور کلب روڈ سے گزرنے کے بعد اب وہ گاڑی چوہدری خلیق الزماں روڈ پر بائیں طرف مڑی ہے۔ اس کی رفتار غیر معمولی حد تک سست ہے۔۔۔ اب انہوں نے پھر بایاں انڈی کیٹر چلا دیا ہے۔ شاید وہ کراچی کلب سے پہلے واپس اپنی عمارت کی طرف جا رہے ہیں۔“

”وہ علاقے کی ریل پر نکلے ہیں سست روی کے ساتھ وہ قرب وجوار کا جائزہ لے رہے ہیں۔ اس پاس کا چکر لگا کر وہ

گاڑی شاید دوبارہ اندر چلی جائے۔“

”میرا اور ان کا درمیانی فاصلہ خطرناک حد تک کم ہے۔ میں ان کے پیچھے نہیں جا سکتا۔ سیدھا جا رہا ہوں۔ آگے سے گھوم کر وہ بارہ اپنی جگہ پر پہنچتا ہوں۔“

”میں لائن ہولڈ کر رہا ہوں۔ وہاں پہنچ کر مجھے صرف اتنا بتا دینا کہ وہ گاڑی اندر گئی یا نہیں اور نکل گئی۔“

”اپنی پوزیشن سے میں زیادہ بات نہیں کر سکوں گا۔“

اول خان کی آواز معذرت خواہانہ تھی۔ میں خاموشی سے ریسیور کان سے لگائے بیٹھا رہا۔ جس میں گاڑی کے انجن کی گوج سنائی دے رہی تھی۔ اس وقت میرا خیالی ذہن شیطانی کارخانہ بنا ہوا تھا۔ میرے ذہن میں خیالات کی بھرا ہور ہی تھی۔ اسی دوران میں ایک ہولناک خیال حملہ آور ہوا کہ کہیں وہ بکتر بند گاڑی ڈی نہ ہو۔ نگرانی کرنے والوں کو دھوکا دینے کے لیے نکلے ہو۔ اول خان پورے جوش و خروش سے اس کے پیچھے ہو گیا۔ اسے جگہ سے ہٹاتے ہی وہ لوگ اندر سے کسی دوسری گاڑی میں بن ڈیوڈ کو لے کر نکلے اور خاموشی سے اپنی طے شدہ منزل کی طرف چل دیے۔

غیبت یہ ہوا کہ میرے اعصاب پر وہ اندیشہ زیادہ دیر تک سوار نہ رہ سکا۔ اول خان مختصر سا چکر کاٹ کر بہت سرعت سے اپنی جگہ پر پہنچا۔ میں نے ریسیور پر کچھ سرگوشیانہ آوازیں سنیں پھر اول خان کی آواز آئی ”سب ٹھیک ہے۔ گاڑی اندر چلی گئی۔ وہ ریکی پر ہی نکلے تھے۔“

”میں جاگ رہا ہوں۔ ضرورت پڑے ہی فون کر لینا۔“ جلدی سے یہ کہہ کر میں نے فون بند کر دیا۔

میں چند خاموشیوں تک ڈرائنگ روم ہی میں بیٹھا رہا پھر اٹھ کر راہداری میں آ گیا۔ ویرا اور سلطان شاہ کے کمروں کے بند دروازوں کی چمکی درز کے پیچھے پھینلا ہوا اندھیرا یہ ظاہر کر رہا تھا کہ وہ دونوں سوچے تھے۔ میں اپنے اس جائزے سے فارغ بھی نہیں ہوا تھا کہ فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ میں نے پلٹ کر دوڑ لگا دی۔

دوسری گھنٹی بجنے سے پہلے میں ریسیور اپنے کان سے لگا چکا تھا۔

”ابھی ابھی ویسی ہی دو بکتر بند گاڑیاں بہت تیزی سے نکل کر مین روڈ پر داہنی طرف مڑی ہیں۔ میں ان کے پیچھے جا رہا ہوں، دعا کرنا۔“

اول خان کی بیجا آواز معدوم ہوتے ہی فون بے جان ہو گیا۔ میں نے ریسیور کرڈیل پر رکھ دیا۔ وال کلاک اس وقت رات یا صبح کے پونے تین بج رہا تھا۔ پورا شہر گہری نیند



انقلابات زمانہ

ہالی وڈ کے قریب ایک گلی کے کونے پر دو کنوں کی ملاقات ہوئی۔ ایک نے دوسرے سے پوچھا ”ختم یہاں کیا کر رہے ہو؟“

”میں اپنی دوست کا انتظار کر رہا ہوں“ دوسرے کہنے کو جواب دیا۔

”کیسی ہے وہ؟“ پہلے کہنے نے تجسس سے پوچھا۔
”سفید رنگ کی ہے۔ ٹی بیئر ہے۔۔۔ دو فٹ لمبی ہے۔۔۔ دم چھوٹی ہے۔۔۔ لیڈی کہہ کر آواز دو تو متوجہ ہوتی ہے۔“ دوسرے نے کہا۔

”اچھا۔۔۔ اچھا۔۔۔ اس کی پیشانی پر سیاہ دھبہ ہے اور ذرا انکڑا کر چلتی ہے؟“ پہلے کہنے نے مزید نشانیاں بتائیں۔

”ہاں۔۔۔ ہاں۔۔۔ وہی“ دوسرے نے تائید کی۔
”میں تو خود اسی کا انتظار کر رہا ہوں“ پہلا کہتا ہوا۔
دوسرے نے ٹھنڈی سانس لی اور بولا ”کیا زمانہ آگیا ہے۔۔۔ ہماری مادائیں بھی ہالی وڈ کی عورتیں ہوتی جا رہی ہیں۔“



ایک سو کلومیٹر فی گھنٹہ سے زیادہ رفتار سے گاڑی دوڑا رہا ہوں۔“

”یہ مجبوری ہے۔ تم اپنی طرف سے پوری احتیاط کرو۔ اس کے باوجود کوئی گڑبڑ ہو جاتی ہے تو یہ اللہ کی مرضی ہے۔ اس کے آگے ہم بے بس ہیں۔“

”اس وقت صرف تعاقب ہو رہا ہے۔ میں فون بند نہیں کر رہا تاکہ ہمارے درمیان مسلسل رابطہ برقرار رہے!“

”یہی بات میں کہنے والا تھا۔ مجھے معلوم رہے گا کہ تم کیا کر رہے ہو اور تمہاری پوزیشن کیا ہے۔۔۔ ہاں“ ایک بات تو بتاؤ کہ تو فصل خانے کی چھت سے تین کے بعد مزید گولیاں تو نہیں چلائی گئی تھیں؟“ اچانک یاد آ جانے پر میں نے وہ بھولا

کے نرے نے رہا تھا۔ سازشی عناصر رات کے سنانے اور اندھیرے سے فائدہ اٹھا کر اپنے مذموم منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کے لیے نکل کھڑے ہوئے تھے۔ وہ اس بات سے بے خبر تھے کہ اس دھڑی کے کچھ خیر خواہ ان کے پیچھے لگے ہوئے تھے۔

آخر کار میری چھٹی حس کی پیش بینی درست ثابت ہوئی تھی۔ پہلے انہوں نے خاموش فائرنگ سے ایس ٹی ایف کے اہل کاروں کو ہراساں کر کے بھگانے کی کوشش کی۔ اپنے اس وار کے بارے میں تک نے مجھے پہلے سے وارننگ دے دی تھی پھر انہوں نے بکتر بند گاڑی میں اپنے علاقے کا گشت کر کے یہ اطمینان کیا کہ تو فصل خانے کے قرب وجوار میں کوئی مشتبہ شخص موجود نہیں تھا۔ ہر طرف سے تسلی ہو جانے کے بعد وہ بن ڈیوڈ کو بہت برق رفتاری سے وہاں سے نکال لے گئے تھے۔

ان کی طرف سے مقابلے کے آغاز کا بگل بج چکا تھا۔ دیکھنا یہ تھا کہ رات کے گہرے سناٹے میں کراچی کی روشن سڑکوں پر اول خان کے تعاقب کا کیا نتیجہ نکلتا ہے۔

میں نے اپنا جائزہ لیا اور اپنی ہیئت کمزائی پر دل ہی دل میں ہنس پڑا۔ بستر اور غزالہ کے وجود کی نگاہوں سے آلودہ سلیڈنگ سوٹ ایک عجوبہ بن چکا تھا۔ میں اٹھ کر دوبارہ خواب گاہ کی طرف چل رہا تھا کہ اس فرصت میں لباس تبدیل کر کے اپنا وقت بچا سکوں۔ میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ اول خان کی طرف سے کوئی حوصلہ افزا پیغام ملا تو میں اپنے متیوں ساتھیوں میں سے کسی کی نیند خراب کیے بغیر خاموشی سے گھر سے روانہ ہو جاؤں گا۔

غزالہ بدستور گہری نیند سوئی ہوئی تھی۔ میں نے ہینگر سے اپنے وہی کپڑے اتار لیے جو دن بھر میرے بدن سے چپکے ہوئے تھے۔ اس وقت کسی دوسرے لباس کے لیے مجھے یہ گوارا نہیں تھا کہ میں غزالہ کو گہری نیند سے جگا دوں۔ کپڑے بدل کر میں دوبارہ ڈرائنگ روم میں آگیا۔ جوتے چند لمحوں میں پہنے جاسکتے تھے۔

چند منٹ بعد فون کی گھنٹی بجی تو مجھے اندازہ ہو گیا کہ وہ اول خان کی کال ہوگی۔

”ہم نے کلشن کا پل عبور کر لیا ہے۔ اس مرتبہ دونوں بکتر بند گاڑیاں بہت برق رفتاری سے دوڑ رہی ہیں۔ سڑک بالکل ویران ہے۔ انکار کا گاڑیاں آ جا رہی ہیں۔ میں نے کافی فاصلہ رکھا ہوا ہے مگر مجھے ڈر ہے کہ اس ویرانی میں وہ میری موجودگی نوٹ کر لیں گے۔ فاصلہ برقرار رکھنے کے لیے میں بھی

ہوا سوال بھی پوچھ لیا۔

”ایک اور پھر آپس کے بعد دو فائر ہوئے تھے۔ یہ بھی کے بعد کم از کم میری سمت میں کوئی گولی نہیں چلائی گئی۔ دوسری سمتوں کے بارے میں میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔“

”کیوں تمہارے آدمی تقریباً ہر رخ پر پوزیشن لیے ہوئے ہیں!“

”فائر بے آواز تھے۔ ضروری نہیں کہ ہر ایک کی نگاہیں چھت کی طرف مرکوز رہی ہوں۔ ان بے آواز شعلوں کو دیکھنے اور پیچانے کے لیے توجہ کا ارتکاز ضروری تھا۔“

”مجھے خوشی ہے کہ آج تمہارا وہاں رکنا رائگاں نہیں گیا۔ کچھ نہ کچھ ہوتا ہوا نظر آ رہا ہے۔“

”ہم تین تلوار سے گزر رہے ہیں۔ ساحل قریب ہے۔ یہ تعاقب جلد ہی کہیں نہ کہیں ختم ہو جائے گا۔ واپسی پر کیا حکمت عملی ہوگی۔“

”توصل خانے کی بکتر بند حفاظتی گاڑیاں عام طور پر احاطے سے باہر نہیں نکلتیں۔ وہ لوگ اپنی منزل پر زیادہ دیر نہیں ٹھہریں گے۔ اپنا کام پورا کرتے ہی تیزی سے واپس لوٹیں گے اور اپنے ٹھکانے کا رخ کریں گے۔ ہمیں ان کے ساتھ واپس لوٹنے کی ضرورت نہیں۔ ان کی منزل پر رک کر عمارت کی نگرانی کرتے رہنا۔“

”ہاں میں یہی جانا چاہ رہا تھا کہ مجھے وہاں رکنا ہو گا یا گاڑیوں کے ساتھ واپسی ہوگی۔“

میرا اور اول خان کا رابطہ برقرار رہا۔ دونوں بکتر بند گاڑیاں اپنی نامعلوم منزل کی طرف رواں تھیں۔ اس وقت تک ان لوگوں کی طرف سے ایسی کوئی حرکت نہیں کی گئی تھی جس سے گمان ہوتا کہ انہیں اپنے تعاقب کا شبہ ہو چکا ہے۔

دونوں بکتر بند گاڑیاں شاید امریکی ڈرائیور چلا رہے تھے۔ ان کی جگہ مقامی ڈرائیور ہوتے تو اس ہنگامی مہم میں ٹریفک کے ہر اصول اور ضابطے کو فراموش کر دیتے۔ ان کے اس قریب سے اول خان کو آسانی ہو رہی تھی۔ کوئی موڑ یا چوراہا آنے سے پہلے اسے معلوم ہو جاتا تھا کہ وہ کس سمت میں جانے والے تھے۔

دو تلوار کے چوراہے سے آگے پھنسنے والی دو سڑکوں میں سے وہ پائیں طرف والی سڑک پر ہو لیے۔

”اوہ۔۔۔ وہ اچانک پائیں طرف، اولڈ کلفٹن جانے والے راستے پر مڑ گئے۔ میرا ادھر مڑنا مشکل ہے۔ وہ دیکھ لیں گے۔“

”فون پر پیک اپ اول خان کی مضطربانہ آواز ابھری۔

”گاڑی کہیں کنارے سے لگا کر روک دو اور پیدل اسی سڑک پر چلے جاؤ۔“ میں نے اضطرابی انداز میں بلا توقف جواب دیا ”یہ تمہاری ہنگامی ہنگامی ہنگامی۔ وہ سڑک سیدھی ہے اور زیادہ لمبی نہیں ہے۔ ہمیں کہیں نہ کہیں وہ دونوں بکتر بند گاڑیاں ٹھہری ہوئی نظر آ جائیں گی۔“

”اوکے ڈینی!“ اول خان کی طرف سے جواب آیا ”میں اسی طرف جا رہا ہوں۔ بولتے ہوئے اس کے نفس کی تیزی نمایاں تھی۔ موقع کی نزاکت بھانپتے ہوئے اس نے شاید دوڑ لگا دی تھی۔

”سڑک دور تک صاف پڑی ہوئی ہے۔“ چند لمحوں کے بعد اس نے ہانپتے ہوئے اطلاع دی ”میں سیدھا جا رہا ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ وہ آخری سرے پر کسی مکان کے سامنے رکے ہوں۔“

میرے دل کی دھڑکنیں یک لخت تیز ہو گئیں۔ امریکی نرے ڈفر نہیں تھے۔ عین ممکن تھا کہ انہیں تعاقب کا شبہ ہوا ہو اور وہ اس گلی میں گھس کر یوٹرن لیتے ہوئے دوسری سڑک سے باہر نکل گئے ہوں۔ ان کی وہ حرکت اول خان کی گاڑی میں بیٹھے ہوئے اس کے آدمی سے پوشیدہ نہیں رہ سکتی تھی مگر وہ ان کے پیچھے نہیں جاسکتا تھا کیونکہ اول خان گاڑی سے اتر کر بکتر بند گاڑیوں کی تلاش میں اندر بھٹکتا پھر رہا تھا۔

”ڈرا تیز دو دو۔۔۔ دیکھو وہ جل دے کر نکلنے نہ پائیں!“

میں نے تیز آوازیں کما۔

”میں پوری سڑک پار کر کے دوسرے سرے پر نکل آیا ہوں۔ سمندر میرے سامنے ہے مگر ان بکتر بند گاڑیوں کا کہیں کوئی پتا نہیں ہے۔“

”واپس اپنی جگہ پر پہنچو اور اپنے آدمی سے پوچھو کہ وہ براہروی گلی سے تو نہیں نکل گئے!“

اول خان کو واپس جانے کی ضرورت نہیں تھی۔ اس مہم پر آئے ہوئے اس کے سارے آدمی وائرلیس ٹرانسمیٹر سے لیس تھے۔ اپنے آدمی سے بات کر کے اس نے مجھے بتایا کہ وہ دوبارہ مین روڈ پر نکلے ہوئے نہیں دیکھے گئے۔

”بس، تو پھر وہاں کسی گھر میں گھسے ہیں۔ انہیں تلاش کرو۔“ میں نے کہا اور بے اختیار صوفے کی پشت گاہ سے نکل گیا۔ اس وقت میں یکایک اپنے اعصاب پر دباؤ محسوس کرنے لگا تھا۔

انسانیت کے دشمنوں کے خلاف جاری اس جنگ کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں

ختم کردی۔ پہلی رات انتہائی غیر معمولی حالات میں بکتر بند گاڑیوں کو حملے سے برآمد ہوئیں اور نامعلوم خنزروں کی طرف روانہ ہو گئیں۔ اول خان اپنے ماتحت کے ہمراہ ان کے تعاقب میں تھا۔

آپ بڑے مزید واقعات ملاحظہ کیجئے

اول خان کا ساتھی اپنی گاڑی اور اپریس سمیت عین روڈ پر موجود تھا۔ وہ خود سڑک کے دوسرے سرے پر تھا۔ وہاں آنے والے ایک گاڑی کا تقریبی جوڑوں اور موالیوں وغیرہ کی سرگرمیاں معمول کے مطابق جاری تھیں۔ اول خان کچھ دیر کے لیے وہاں حیران و پریشان کھڑا رہا پھر دوبارہ واپس چل دیا۔ ”مجھے محسوس ہو رہا تھا کہ وہ حرام زادے پوری منصوبہ بندی کے ساتھ ادھر آئے ہیں۔ کسی گھر کے مکین ان کی آمد کے منتظر تھے۔ کسی اپریس وغیرہ پر ان کی آمد کا اشارہ ملتے ہی گھر کا پھانک کھول دیا گیا اور دونوں بکتر بند گاڑیاں رکے بغیر اس احاطے میں گھس گئیں۔“ اول خان نے بھٹائی ہوئی آواز میں اپنے موبائل فون پر کہا۔

”تم اپنے کام میں لگے ہوئے ہو۔ وہ بھی ایک اہم مشن پر نکلے تھے۔ ایسی تیاری اور احتیاط نہ کرتے تو ناکام ہو سکتے تھے۔“ میں نے نرمی سے اسے تسکین دینے کی کوشش کی اور اپنا خون کھولنے کے بجائے انہیں تلاش کرو۔ ابھی وہ کہیں غائب نہیں ہوئے، کہیں نہ کہیں نظر آجائیں گے۔ ایسے مکان کو تلاش کرو جس کے احاطے کی دیواریں غیر معمولی طور پر اونچی ہوں اور پھانک بھی بلند ہو۔ بکتر بند گاڑی کتنی ہی چھوٹی ہیں نہ ہو، عام چپ سے زیادہ اونچی ہوگی۔ وہ گاڑیاں ایسے ہی کسی مکان میں چھپ سکتی ہیں۔“

”وہ مارا۔“ میرے کانوں میں اول خان کی مسرت آمیز آواز آئی ”ایسا ایک مکان ادھر آتے ہوئے میری نظروں میں چھپا تھا مگر میں نے اسے اہمیت نہیں دی۔ خدا کی قسم، ایسا معلوم ہو رہا ہے جیسے تم اپنے گھر میں بیٹھ کر کسی جادوئی دور بین سے یہاں کا سارا منظر دیکھ رہے ہو۔ میں ابھی اس مکان کو دیکھتا ہوں۔“

اس کی آواز میں یکایک پیدا ہو جانے والے زہر و مسم سے اندازہ ہو رہا تھا کہ مجھ سے بات کرتے کرتے، اس نے جوش میں آکر اچانک دوڑنا شروع کر دیا۔

”یہ بہت بڑے رتبے پر پھیلا ہوا وسیع مکان ہے۔“ چند خانیوں کے توقف کے بعد ریسپور پر اس کی ہانپتی ہوئی آواز ابھری۔ وہ کہہ رہا تھا ”سڑک کے رخ پر احاطے کی دیوار کسی فصیل کی طرح کھڑی ہوئی ہے۔ اس کی بلندی کسی طرح دس فٹ سے کم نہیں ہوگی۔ کمال ہے کہ اتنی غیر معمولی بات کو میں نے نظر انداز کر دیا۔ اس کا لوہے کا پھانک بھی اتنا ہی اونچا ہے۔ گھر کیا ہے، باہر سے قلعہ معلوم ہو رہا ہے۔ کچھ پتا

ان دونوں بکتر بند گاڑیوں کے اچانک غائب ہو جانے کے بارے میں ملنے والی اطلاع نہایت مایوس کن تھی۔ میرے ذہن میں ان آخری راستوں کا نقشہ تازہ ہونے لگا جن پر سفر کرتے ہوئے امریکیوں کی دونوں بکتر بند گاڑیاں اچانک غائب ہو گئی تھیں۔

دو تلوار والے چور اپنے سے متعدد سڑکیں ملتی تھیں جن کی تعداد چار سے زائد تھی۔ کلفٹن کی اس چورنگی سے ڈیفنس میں زمرہ جانے والی سڑک بھی ایک مختصری چورنگی پر دو حصوں میں بٹی ہوئی تھی۔ داہنی طرف والی سڑک پر زمرہ کے کمرشل علاقے کی قلبی سڑک تھی۔ بائیں طرف والا راستہ نیول کالونی میں لے جاتا تھا۔ اس طرح کلفٹن جانے والا راستہ، پارک کے کنارے بنے ہوئے پیٹرول پمپ سے دائیں اور بائیں طرف بھٹ گیا تھا۔ آگے جا کر وہ دونوں سڑکیں کلفٹن کی آخری چورنگی پر مل جاتی تھیں۔ داہنی طرف والی سڑک کے اطراف میں اہم سفارتی دفاتر وغیرہ کے ساتھ ستر نمبر کا وہ عالی شان مکان بھی تھا جو ایک دور میں پورے ملک میں ستر کلفٹن کے نام سے مشہور تھا۔ بائیں طرف والی سڑک لہرائی اور مل کھاتی ہوئی کلفٹن کے ٹھانے کے سامنے سے گزرتی تھی۔ اسی سڑک پر کچھ دور جانے کی بعد وہ سڑک تھی جو اولڈ کلفٹن کی خوب صورت اور پُر فضا چوٹی پر لے جاتی تھی۔ کسی زمانے میں اس چوٹی کے قدموں میں سمندر کا پانی لہریں لیا کرتا تھا اور کراچی آنے والے سیاح کلفٹن کی اس چھوٹی سی چٹان سے سمندر کی پُر فریب لہروں کا نظارہ کیا کرتے تھے پھر امتداد زمانہ اور انسان کے ہاتھوں وہ پانی رفتہ رفتہ پیچھے ہوتا چلا گیا۔ آخر کار کلفٹن اور ساحلی کلیئر کے درمیان خاصی جگہ پیدا ہو گئی جہاں اگنے والی خود رو جھاڑیوں کی باقیات سے ذرا آگے خوب صورت رہائشی مکان وجود میں آچکے تھے مگر اس بلندی سے سمندر کا نظارہ بھی ممکن تھا جو اپنے پرانے ساحل سے بہت دور پتھریلی دیوار سے سر نکراتا رہتا تھا۔

اولڈ کلفٹن کے پارکنگ ایریا سے وہی سڑک ٹو کی شکل میں گھوم کر موہٹاپیلز اور میوزیم کی تاریخی عمارت کے سامنے سے ہوتی ہوئی دوبارہ مین روڈ سے ملتی تھی۔ اگر وہ دونوں بکتر بند گاڑیاں اولڈ کلفٹن کی چٹان سے پیچھے کھاڑی میں نہیں گری تھیں تو ان کو یوں نما سڑک پر واقع کسی بڑے مکان کے احاطے میں موجود ہونا چاہیے تھا۔

پھانک کے قریب پکڑ لیتے تو اول خان کے پاس اپنی وہاں موجودگی کا کوئی جواز نہ ہوتا اور حالات اس کے خلاف ہو جاتے۔

کچھ دیر کے لیے فون لائن پر اعصاب شکن سکوت چھایا رہا پھر عصف کی دو ہلکی آوازیں میرے پردہ سماعت سے نکلا آئیں۔ شاید اول خان تھیلیوں اور گھنٹوں کے بل سڑک یا فٹ پاتھ پر چلتا ہوا اس مکان کے آہنی پھانک تک پہنچنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ اس نے اپنے منہ سے کتے جیسی عصف کی آواز نکال کر شاید مجھے اپنی حیرت سے آگاہ کرنے کی کوشش کی تھی۔ اسے کوئی خطرہ درپیش ہوتا تو وہ براہ احتیاط کو بالائے طاق رکھ کر مجھ سے براہ راست گفتگو ضرور کرتا۔

اعصاب کو پچکا دینے والا وہ سکوت مزید کچھ دیر برقرار رہا۔ میں سگریٹ پھونکنے ہوئے اندازہ لگا رہا تھا کہ اول خان آہنی پھانک کی پچلی یا کسی عمودی جھری سے اندر کے روشن صحن، پورچ یا دالان کا جائزہ لے کر وہاں سے جلد از جلد کسی محفوظ مقام تک پہنچنے کی کوشش کر رہا ہو گا تاکہ وہاں سے مجھے رپورٹ دے سکے۔

آخر کار انتظار کی گھڑیاں ختم ہوئیں۔ میرے کان سے لگے ہوئے بے جان ریسپور میں اول خان کی دہلی دہلی اور پرجوش آواز گونجنے لگی ”وہ دونوں گاڑیاں اسی مکان کے پورچ میں ہیں۔ تین گورے عام کپڑوں میں ملبوس ہیں۔ وہ بکتر بند گاڑیوں کے قریب کھڑے کھڑے کچھ باتیں کر رہے ہیں۔ چار باوردی امریکی کمانڈوز عجیب ساخت کے ہتھیار لیے ان کے گرد پھیلے ہوئے ہیں۔ وہ پوری طرح چاق و چوبند ہیں۔ ان کے تیور بتا رہے ہیں کہ ذرا سا بھی خطرہ ہو تو وہ خوریزی سے گریز نہیں کریں گے۔“

”یہ سب تم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے؟“ میں اضطراری طور پر پوچھ بیٹھا۔ اسی لمحے مجھے اپنی حماقت کا احساس ہو گیا۔ اس نے وہ سب یہ چشم خورد نہ دیکھا ہوتا تو مجھے کیوں بتاتا۔ شاید مجھے اعتبار نہیں آتا تھا کہ اندھیرے میں بھٹکتے بھٹکتے ہم یوں اچانک کامیابی کے قریب پہنچ جائیں گے۔ میری وہ بے اعتباری بے ساختہ سوال بن کر میری زبان پر آگئی تھی۔

”کیا بات کر رہے ہو۔“ اول خان کی آوازیں ایک تڑپ سی عود کر آئی ”دیکھ بغیر میں تمہیں یہ سب کیسے بتا سکتا تھا۔ اندر کے احوال بہت پر اسرار ہیں۔ آثار بتا رہے ہیں کہ بکتر بند والے زیادہ دیر تک اس مکان میں نہیں رکیں گے۔ اپنی بات پوری کرتے ہی چل دیں گے۔“

نہیں چل رہا کہ احاطے کی دیوار کے پیچھے کس طرز کا مکان بنا ہوا ہے۔ باہر کوئی تنفس نہیں ہے۔ ذرا میں کسی جھری میں سے اندر جھانکنے کی کوشش کرتا ہوں۔ اگر وہ دونوں بکتر بند گاڑیاں کسی گھر میں گھسی ہیں تو وہ گھر یہی ہو سکتا ہے۔“

”اس بھول میں نہ رہنا کہ باہر کوئی نظر نہیں آ رہا۔“ میں نے اسے وارننگ دی۔ ”اگر یہ امریکیوں کا کوئی خاص ٹھکانا ہے تو یہاں بھی خفیہ کلوز ڈسٹرکٹ کیمرے کام کر رہے ہوں گے۔ وہ لوگ اندر بیٹھ کر باہر کی پوری صورت حال پر پوری طرح نگاہ رکھتے ہوئے ہوں گے۔“

”نم فکر نہ کرو۔ یہ علاقہ دن میں بھی سنان رہتا ہے۔ اس وقت یہاں ہر طرف سناٹا ہے۔ خوش قسمتی سے اسٹریٹ میپس بھی کمزور ہیں۔ میرا خیال ہے کہ میں کچھ دیر کے لیے چوپایہ بن کر ان کے خفیہ کیمروں کی آنکھوں میں دھول جھونکنے میں کامیاب ہو جاؤں گا۔“

”موبائل فون بند نہ کرنا۔“ میں نے جلدی سے اسے ہدایت دی ”میں تمہاری طرف سے کسی اگلے پیغام کی وصولی تک خاموش رہوں گا۔ کوئی ہنگامی ضرورت پیش آگئی تو تم وقت کے زیاں کے بغیر مجھ سے رابطہ کر سکو گے۔“

”اوکے۔ میں اسی کے برابر والے مکان کی دیوار تک پہنچ گیا ہوں اور اب چاروں ہاتھ پیروں پر جا رہا ہوں۔“

”فی امان اللہ۔“ میں نے بے ساختہ کہا اور لائن پر سکوت چھا گیا۔

وہ خاصی خطرناک اور ہیجان آمیز صورت حال تھی۔ اگر ہم دونوں کے اندازے درست تھے اور امریکی بکتر بند گاڑیاں بن ڈیوڈ کو لے کر اس کے احاطے میں داخل ہوئی تھیں تو اول خان کا ترن تھا ان کے پھانک تک جانا خطرے سے خالی نہیں تھا۔

اگر ان کو اپنے احاطے کے آس پاس کسی غیر معمولی چوپائے کی موجودگی کی بھٹک مل جاتی تو وہ صحیح صورت حال کا اندازہ لگانے کے لیے باہر نکل سکتے تھے۔ اس کے علاوہ دوسرا امکان بھی موجود تھا۔ وہ اپنی بکتر بند گاڑیوں میں سوار ہو کر مستقل قیام کے ارادے سے وہاں نہیں آئے تھے۔ قیاس کہتا تھا کہ وہ لوگ ایف بی آئی کے مقامی نمائندے تک ہاروے کے ایما پر بن ڈیوڈ کو امریکی توصل خانے سے نکال کر بہ حفاظت وہاں چھوڑنے کے لیے آئے تھے۔ ان کا وہ کام بہت محدود اور مختصر تھا جسے سرانجام دے کر وہ کسی بھی لمحے وہاں سے واپسی کا سفر شروع کر سکتے تھے۔ ادھر اول خان اندر کی سن گن لینے کے لیے ان کے پھانک پر پہنچتا اور ادھر وہ واپسی کے لیے چل پڑتا۔

ابتدائی جواب کی تلخی کو نظر انداز کرتے ہوئے پوچھا۔
”مجھے خاص طور پر اس کی تلاش تھی۔ مجھے اس کی کوئی
جھلک نظر نہ آسکی۔“

”چاروں کمانڈوز تو یقیناً بکتر بند سے آئے ہوں گے۔
بقیہ تینوں میں اہل خانہ کتنے تھے؟“ میں نے سوچتے ہوئے اگلا
سوال کیا۔

”کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ امریکیوں میں ٹی شرٹ اور جینز
کا چلن اس قدر مقبول ہے کہ گھر سے باہر تک وہ ہر جگہ یہی
لباس پہنتے ہیں۔ اس لئے میں کچھ بتا نہیں چل رہا تھا کہ ان
میں سے کون میزبان ہے اور کون بکتر بند کے ساتھ وہاں پہنچا
ہے۔“

”انہیں صرف مذاکرات کرنے ہوتے تو وہ اتنی لمبی دوڑ
لگانے کے بجائے فون یا کسی لاسکی آلے کی مدد لے سکتے تھے۔
تو فصل خانے سے دو بکتر بند گاڑیوں کی آمد اس بات کی دلیل
ہے کہ وہ اپنے ساتھ بن ڈیوڈ کو وہاں لائے ہیں۔ اسے گاڑی
سے اتارتے ہی اندر بھیج دیا گیا ہوگا۔“

”میرا دل بھی یہی کہہ رہا ہے۔ مکان کے باہر نشین کی
تختی لگی ہوئی ہے۔ مکان کا یہ نام کوئی امریکی نہیں رکھ سکتا
جب کہ اس وقت پوریج میں موجود ساتوں افراد امریکی ہیں۔
ہو سکتا ہے کہ کسی اہم امریکی سیکرٹ ایجنٹ نے یہ مکان
کرائے پر لیا ہوا ہو۔ ہمیں اس کو اسی وقت گھیر لینا
چاہیے۔“

”کچھ نہ کچھ کرنا پڑے گا لیکن اس میں اتنی جگت اچھی
نہیں ہے۔۔۔“

اس بار اول خان نے مضطربانہ انداز میں میری بات
درمیان سے اڑا دی ”واپسی پر ہمیں بکتر بند گاڑیوں کا پیچھا
کرنا ہے یا یہیں رکنا ہے؟“

اول خان کا اضطراب بے جا نہیں تھا۔ وہ اس لمحے کا
اہم ترین سوال تھا۔

مجرمانہ سرگرمیوں میں ملوث امریکی سفارت کاروں سے
اپنی گہری نفرت اور بے زاری کے باوجود ہم چشم پوشی کرنے
اور انہیں ڈھیل دینے کے لیے مجبور تھے۔ وہ لوگ بار بار منہ
کی کھانے کے باوجود بے شرمی اور ڈھٹائی پر تلے ہوئے تھے۔
اپنے قومی مفاد کے حصول کے لیے انہوں نے جائز و ناجائز
اور قانونی و غیر قانونی راستوں کی تمیز مٹا دی تھی۔ رنگے
ہاتھوں پکڑے جانے پر وہ شرمسار ہونے کے بجائے پاکستانی
حکام کے سخت اور غیر دوستانہ رویے کی شکایتوں کے دفتر
کھول لیتے تھے۔ ان کے منہ لگنا اپنے وقت کی بریادی کے
متراوف تھا۔ ویسے بھی ہمارا اصل نشان بن ڈیوڈ تھا جو شی کے

پر اسرار آئی مین کے روپ میں کراچی آیا ہوا تھا۔
شواہد بتا رہے تھے کہ مسلح کمانڈوز کی کڑی نگرانی اور
حفاظت میں بکتر بند امریکی گاڑیوں نے اسے تو فصل خانے
سے نکال کر نشین میں پہنچا دیا تھا۔ اپنا مشن مکمل کرنے کے
بعد دونوں بکتر بند گاڑیوں کو اپنے عملے سمیت واپس تو فصل
خانے میں جانا تھا ان کا تعاقب بے سود تھا۔ نگرانی نشین کی
ہونی چاہیے تھی جہاں بن ڈیوڈ لایا جا چکا تھا۔

مجھے یاد تھا کہ کراچی اور سندھ کے دوسرے علاقوں میں
امن وامان کی خرابی کے دور میں امریکیوں نے چھ بکتر بند
گاڑیاں ڈیپارٹمنٹ سے کراچی منگوائی تھیں۔ ہنگامی طور پر
بڑے ٹرانسپورٹ طیاروں سے لائی جانے والی ان گاڑیوں
کے مخصوص اور محدود مقاصد بیان کیے گئے تھے۔ ان میں
اہم ترین کلیدی نکتہ یہ تھا کہ حالات اچانک قابو سے باہر
ہونے کی صورت میں امریکی کمانڈوز ان بکتر بند گاڑیوں میں
سوار ہو کر شہر اور صوبے کے دوسرے متاثرہ حصوں سے
امریکی شہریوں کو نکال کر یہ حفاظت تو فصل خانے لائیں جہاں
سے ان کی امریکا واپسی کا بندوبست کیا جاسکے۔

وہ بد امنی کی ایک شدید لہر تھی جسے سیاسی شورہ پشتوں کی
تائید و حمایت حاصل تھی۔ پھر راولوں نے بھی اس شورش
کی آگ کو بھڑکا کر اسے مسلح بغاوت بنانے کی ناکام کوششوں
میں سردھڑکی بازی لگائی ہوئی تھی۔ قانون نافذ کرنے والی
مقامی ایجنسیوں نے ان عناصر پر ہاتھ ڈالا تو حالات تیزی سے
سدھرتے چلے گئے اور کہیں سے کسی ایک بھی غیر ملکی کے
انخلا کی ضرورت پیش نہیں آئی مگر امریکی سفارت خانے کی
منگوائی ہوئی بکتر بند گاڑیاں ان کے کراچی کے مرکز میں موجود
رہیں۔ اس پورے عرصے میں وہ بکتر بند گاڑیاں شان وادار ہی
کراچی کی سڑکوں پر دیکھی گئیں لیکن اول خان کی زبان سے
ان کی برق رفتار کارکردگی کا احوال سننے کے بعد مجھے یہ مان لینا
پڑا کہ امریکی تو فصل خانے کے موٹر ٹرانسپورٹ ورکشاپ
والوں نے ان قیمتی گاڑیوں کی دیکھ بھال میں کوئی کسر نہیں
چھوڑی تھی۔ ضرورت پیش آنے پر بکتر بند گاڑیاں پوری
طرح فعال تھیں۔

”بکتر بند گاڑیوں کے پیچھے جانا بے سود ہوگا۔“ میں نے
وہ سب سوچتے ہوئے فون پر اول خان کو جواب دیا ”وہ اپنا کام
پورا کر چکے ہیں۔ ان کا لایا ہوا کام نشین میں موجود ہے۔
ہمیں اپنی پوری توجہ اس عمارت پر مرکوز کرنی چاہیے۔ بن
ڈیوڈ یہاں سے بچ کر نہیں نکلنا چاہیے۔“

”مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ بکتر بند گاڑیوں کی نقل
و حرکت سے تم نے بہت زیادہ امید وابستہ کر لی ہے۔ ہو سکتا

ہے کہ ان کے ذریعے بن ڈیوڈ کو نہ لایا گیا ہو۔۔۔

اول خان کا لہجہ نامحاذ تھا۔ وہ میری تمام توقعات پر مبنی پھرنے والی باتیں تھیں۔ میں نے قطع کلامی کرتے ہوئے کہا ”بکتر بند گاڑیاں بلاوجہ نہیں نکالی گئیں۔ ان کے ذریعے کچھ نہ کچھ ادھر ادھر ہوا ہے۔ یہ بات تم کو مان لینی چاہیے۔“ میں نے اپنی بات بہت زور دے کر کہی تھی۔

”مجھے یہ تسلیم ہے کہ کچھ نہ کچھ ہوا ہے مگر تم نے بن ڈیوڈ کو پکڑنے کی آس باندھ لی ہے۔ فرض کرو کہ وہ نیشن میں نہ ہوا تو کیا ہو گا۔“

”اس وقت ان کے سامنے بن ڈیوڈ کے سوا اور کوئی بڑا مسئلہ نہیں ہے۔ وہ اسی کی خاطر اپنی بکتر بند گاڑیاں حرکت میں لاسکتے ہیں۔“ میں نے اصرار کیا۔

”یہ تمہارا موقف ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ کچھ اور ہی سوچ رہے ہوں۔“ واپسی پر بکتر بند گاڑیوں کا تعاقب نہ کرنے کا فیصلہ ہو جانے کے بعد اول خان پرسکون ہو کر فون پر باتیں کر رہا تھا۔ اس کے لہجے میں جھلک اور تیزی باقی نہیں رہی تھی۔

”تم بھی دماغ لڑاؤ۔ فون پر میری اور نک کی گفتگو کے بعد وہ اور کیا سوچ سکتے ہیں۔“ میں نے اسے دعوت دی۔

”وہ تمہارے اور ویرا کے بارے میں سب سے زیادہ پریشان ہیں اور ان کی اولین ترجیح تمہاری گرفتاری ہے۔“

اول خان نے نکتہ آفرینی کی۔

”میں نیشن میں نہیں ہوں۔ بکتر بند گاڑیاں اسٹیشن فور کی طرف گئی ہو تیں یا پھر کراچی کی سڑکوں پر بے مقصد دوڑتی پھر رہی ہو تیں تو میں یہ ضرور سمجھ لیتا کہ وہ میرے یا کسی اور دشمن کے بارے میں پریشان ہیں۔ نیشن میں ان کو پوری راز داری کے ساتھ خوش آمدید کہا گیا ہے۔ یہ ان کے کسی دشمن کا ممکن ہو سکتا ہے نہ وہ اس کی تلاش میں ادھر آسکتے ہیں۔“ میں نے کسی بڑی خبر کے انتظار میں خاموش رہ کر وقت گزارنے کے بجائے اول خان کو جوابی دلیل دی۔

”اگر ہم کو ان کا چھپا کرنے کے بجائے یہاں رک کر نیشن پر چڑھائی کرنے کی تیاری کرنی ہے تو شاید مجھے اپنا کام شروع کر دینا چاہیے۔“ اول خان کی آواز قدرے سکوت کے بعد ابھری۔ اس نے میری بات کا جواب سرے سے گول کر دیا تھا۔

”سب سے پہلے اپنے ساتھی کو بتادینا کہ اسے تمہارے ساتھ رکھنا ہے۔“ میں نے اسے یاد دلایا۔

”جب تک میں اسے ہدایت نہیں دوں گا۔ وہ اپنی جگہ

سے نہیں ملے گا۔ تو فصل خانے والوں کی طرف سے مکمل خاموشی ہے۔ میں ادھر بھی دیکھوں گا کہ کیا ہو رہا ہے۔“

”ٹھیک ہے۔ میں فون بند کر رہا ہوں۔ بکتر بند گاڑیاں روانہ ہوں تو مجھے میرے موبائل فون پر بتا دینا۔“ میں نے کہا۔

”اوہ!“ اول خان کی چونکی ہوئی آواز ابھری ”تو کیا تم گھر سے روانہ ہو رہے ہو؟“

”یہ اچھی بات نہیں ہے کہ تم اکیلے شکار کھیلتے پھرو اور

میں ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر گھر میں بیٹھا رہوں۔“ میں نے خوش دلی سے جواب دیا ”میں تمہاری طرف آ رہا ہوں۔“

اول خان نے فون بند کر دیا۔ میں نے زبردواٹ کے بلب کی مدھم روشنی میں جوتے اٹھائے اور خاموشی سے اپنی خواب گاہ سے باہر نکلا تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ ویرا ڈرائنگ روم میں ایک صوفے پر آرام سے بیٹھی سگریٹ کے کش لگا رہی تھی۔ اس کی بڑی بڑی چمک دار آنکھیں ہماری خواب گاہ کی طرف لگی ہوئی تھیں۔

”تم تو شام سے بہت زیادہ پی لینے کے باعث نوبتے اپنے کمرے میں بند ہو کر گہری نیند سو گئی تھیں۔“ میں نے اس کے قریب جا کر حیرت سے دہی دی آواز میں کہا ”اس وقت تم یہاں بالکل تروتازہ بیٹھی ہوئی نظر آرہی ہو۔ خیریت تو ہے نا؟“

”میں فریج سے ٹھنڈے پانی کی بوتل لینے کے لیے کچن میں آئی تھی۔“ اس نے بے نیازی سے سگریٹ کا گلے قالین پر گرانے کے بعد مسکراتے ہوئے جواب دیا ”تمہارے کمرے کے بند دروازے کے پیچھے یوں محسوس ہوا جیسے تم ٹھل رہے ہو پھر میرے نختوں میں سگریٹ کے جلنے ہوئے تمباکو کی بو بھی آئی۔ میں نے تمہارے بند دروازے کے قریب فرش سے کان لگایا تو اندر کے قالین پر کسی کے قدموں کی ہلکی ہلکی دھمک سنائی دی۔ غزالہ بے چاری سیدی سادی لڑکی ہے۔ وہ ایسی احقانہ اور فلسفیانہ حرکتیں نہیں کرتی۔ نیند نہیں آتی تو بستر بلکہ کمرے سے باہر نکل کر خود کو کسی کام میں مشغول کر لیتی ہے۔ میں نے اندازہ لگایا کہ وہ حرکت تمہاری ہو سکتی ہے۔ تم سگریٹیں پھونک پھونک کر اندر ٹھلتے رہو گے اور پھر یا ہر آؤ گے۔ خیریت تو ہے نا؟“ آخر میں اس نے وہ فقرہ بالکل میرے انداز میں دہرانے کے بعد اپنی بات جاری رکھی ”تمہارے بدن پر جانے کا لباس ہے اور ہاتھ میں جوتے لٹک رہے ہیں۔ کہاں کا ارادہ ہے؟“

”ابھی تمہاری نیند پوری نہیں ہوئی۔“ میں نے اس کی

”کیا کلفٹن کی رست پر ننگے پاؤں دوڑنے کا ارادہ ہے؟“
میں نے طنز سے پوچھا۔

”جوتے گاڑی میں پہن لوں گی۔ کلفٹن کا فاصلہ کافی ہے۔ اس دوران میں مجھے بال سنوارنے کے ساتھ ہلکے سے میک اپ کا موقع بھی مل جائے گا۔“ اس نے اپنے سینٹل دوبارہ اٹھالیے۔

اول خان سے فون پر بات کرتے ہوئے میرا کسی کو اپنے ساتھ لے جانے کا ارادہ نہیں تھا۔ ویرا سوئی رہتی تو میں ہرگز اس کی غیبت میں محفل نہ ہوتا لیکن اسے بیدار کیا مجھے ہلکی سی خوشی ہوئی تھی۔ اس پر اپنی مصنوعی خفگی کا اظہار کرتے ہوئے مجھے یہ اندازہ تھا کہ اس کے ساتھ وقت اچھا گزرتا تھا اور ضرورت پیش آنے پر وہ ایک دلیر سا بھی ثابت ہوتی تھی۔

میں نے اپنے غم سے چابی جیب میں ڈال لی تھی۔ صدر دروازے کے ہنسی قفل کا اندرونی بٹن دبا کر میں نے آہستگی سے دروازہ مقفل کیا اور گاڑی کی طرف بڑھ گیا۔

”اس وقت ہم کہاں جا رہے ہیں؟“ گھر سے نکل جانے کے بعد ویرا نے اپنے بالوں میں برش پھیرتے ہوئے پوچھا۔

ہمیں ایک سنگین اور خطر ممل درپیش تھی۔ اس وقت مذاق میں وقت ضائع نہیں کیا جاسکتا تھا۔ میں نے اسے اولڈ کلفٹن کے نشین نامی مکان میں بن ڈیوڈ کی موجودگی کے امکانات سے آگاہ کر دیا اور وہ بھی یک نخت سنجیدہ ہو گئی۔

”میں غلت میں اپنے ساتھ کوئی ہتھیار نہیں لاسکی۔“ اس نے متاسفانہ لہجے میں کہا ”روبرو مقابلے کی نوبت آئی تو میرے پاس سنگ باری کے سوا کوئی متبادل راستہ نہیں ہوگا۔“

”اس کی بھی ضرورت نہیں۔ بس تم انگلیاں چٹکا چٹکا کر انہیں کوسنا شروع کر دیتا۔ دو چار موقع پر ہی ڈھیر ہو جائیں گے۔“

اچانک میرے موبائل فون کی کھنٹی بجنے لگی اور میں نے بٹن دبا کر وہ آواز اپنے کان سے لگالیا۔

”دونوں بکتر بند گاڑیاں ابھی ابھی تیزی سے واپس گئی ہیں۔“ وہ بتا رہا تھا۔ ”مکان کا آہنی چھانک شاید برقی موٹروں سے کھلتا ہے اور بند ہوتا ہے۔ چھانک بہت تیزی سے کھلا گاڑیاں برق رفتاری سے ریورس ہوئیں اور ان کے روانہ ہونے سے پہلے وہ چھانک ہلک جھٹکتے میں بند ہو چکا تھا۔“

”بس میں حسن اسکوائر سے آگے نکل چکا ہوں ویرا میرے ساتھ ہے اور کیا خبر خبر ہے۔“ میں نے جواب دیا۔

”میں نے اپنے اسٹر ایک یونٹ کی ایک گاڑی یہاں

آکھوں میں غبار کے سرخ ڈورے تھرتے ہوئے دیکھ کر کہا ”اپنے کمرے میں جا کر سو جاؤ۔ صبح واپس آنے کے بعد پوری کہانی سنا دوں گا۔“

”میں چار پانچ گھنٹے سو چکی ہوں۔“ اس نے اپنی رست واپج پر نظر ڈالتے ہوئے بے پروائی سے جواب دیا ”تم میری فکر نہ کرو۔ پوری بات بتاؤ۔ اگر یہ اسی منٹوں بن ڈیوڈ کا کوئی چکر ہے تو میرا اور تمہارا ایک ساتھ جانا ضروری ہے۔“

”قطعی ضروری نہیں ہے۔“ میں نے اسے گھورتے ہوئی سختی سے کہا ”میں اولڈ کلفٹن کی سیر کے لیے جا رہا ہوں۔“

”ضروری ہے۔“ وہ مجھے آنکھ مار کر مسکرائی ”میں دیکھوں گی کہ رات کے دو ڈھائی بجے تم وہاں جا کر کیا کرتے ہو۔ آج کل تم نے کلفٹن کے بہت زیادہ پھیرے لگائے شروع کر دیے ہیں۔“

”اگر تم میرے جوتے پہننے تک لباس اور اپنا حلیہ درست کر کے آسکتی ہو تو آجاؤ ورنہ میں تمہیں چھوڑ جاؤں گا۔“ میں نے بے رخی سے کہا اور ایک صوفے پر ٹک کر موزے پہننے شروع کر دیے۔

ویرا اپنی جگہ سے اٹھ کر تیر کی طرح اپنے کمرے کی طرف گئی۔ اس نے کسی ہرنی کی طرح زقذیق لگاتے ہوئے اتنی تیز رفتاری کا مظاہرہ کیا تھا کہ میں حیران رہ گیا۔

موزے پہننے کے بعد میں جوتے کے کسے باندھ رہا تھا کہ ویرا نہایت برق رفتاری سے لوٹ آئی۔ ویرا کے بایں ہاتھ میں اس کے جوتے تھے۔ دابنے ہاتھ سے اس نے اپنی کھلی ہوئی جینز سنبھالی ہوئی تھی۔ اسی ہاتھ میں بال سنوارنے کا برش دیا ہوا تھا۔

”دیکھ لو، میں تمہارے تیار ہونے سے پہلے آگئی۔“ اس نے ہانپتے ہوئے کہا۔

”اس طے میں تم باہر جانے کے قابل نہیں ہو۔ آئینہ دیکھا ہے تم نے؟“ میں نے متاسفانہ انداز میں سر ہلاتے ہوئے پوچھا۔

ویرا نے جوتے نیچے ڈالے اور پھرتی سے اوپری بٹن لگا کر جینز کی زپ بند کر لی۔ پھر اس نے اپنی ٹی شرٹ میں کسے ہوئے سبک جسم کو عجیب سے انداز میں جنبش دی اور اوپری زیرے کی غیر موجودگی کے جلد اثرات کشش قفل کے تحت خود بہ خود درست ہو گئے۔ اس نے مسکراتے ہوئے فخر سے اعلان کیا ”میں تیار ہوں۔ تم ابھی تک لیس باندھ رہے ہو۔“

بلایا ہے۔ اس میں چار آدمی ہوں گے۔“

”دیری گڈ! یہ عقل مندی کی بات ہے۔ ہمیں زیادہ بیٹھ کر ضرورت نہیں ہے۔ تو فصل خانے کا کیا احوال ہے؟“

”جھٹ کے اندھیرے میں چھپے ہوئے مسلح کمانڈوز کے دماغ چل گئے ہیں یا وہ اپنے ناپیدہ دشمنوں سے بہت زیادہ خوف زدہ ہیں۔“ اس کی آواز آئی ”وہ تھوڑے تھوڑے سے وقفے سے مختلف سمتوں میں فائر کر رہے ہیں۔ ان کی چلائی ہوئی گولیوں کے بے آواز شعلے بہت دور تک جاتے ہیں لیکن کمال بات یہ ہے کہ ان کی لمبی رینج کے ہتھیاروں سے ابھی تک کسی کے ہلاک یا زخمی ہونے کی رپورٹ نہیں ملی۔ وہ بس خوف زدہ کرنا چاہ رہے ہیں اور اپنی دانست میں ان کو ششوں میں کامیاب ہیں۔“

”ان میں سے ایک آدھ کو زخمی کرنے کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟“ میں نے پوچھا۔

”بہت مشکل ہے۔ وہ بلندی پر جھٹ کے گرد بنی ہوئی دیوار کے پیچھے چھپ کر بلندی سے نیچے فائر کر رہے ہیں۔ میرے آدمیوں کے لیے انہیں اپنے نشانے پر لینا ممکن نہیں ہے۔ نشیب سے بلندی کی طرف لیا جانے والا نشانہ مشکل سے لگتا ہے اور پھر انہیں دیوار کی آڑ بھی حاصل ہے۔“

”پھر انہیں بھول جاؤ۔ تمہارے آدمیوں کی بے مقصد فائرنگ ان کی خوش فہمی دور کر دے گی۔ انہیں سمجھئے دو کہ ان کی بے آواز گولیوں سے ڈر کر ان کے حریف میدان چھوڑ کر بھاگ گئے ہیں۔ ہم کو اب اپنی ساری توجہ نشین پر مرکوز رکھنی چاہیے۔“

اول خان وہاں فارغ نہیں بیٹھا ہوا تھا۔ بکتر بند گاڑیوں کی واپسی کے بعد اس نے اپنے ساتھی کو کام پر لگا دیا تھا۔ گاڑی اول خان کے قبضے میں تھی۔ اس کا معاون نشین کے عقبی حصے کی طرف چلا گیا تھا تاکہ ادھر سے دیوار پھاند کر فرار ہونے کا خطرہ باقی نہ رہے۔ وہ خود اس عمارت کے سامنے جما ہوا تھا۔ اسی کے ساتھ وہ اپنے اس اسرائیلی پونٹ سے بھی رابطے میں تھا جو نشین کے قریب پہنچنے کے لیے اسٹیشن فور سے روانہ ہو چکا تھا۔

”تم کیا کہہ رہے تھے؟“ میرے نشتے ہی ویرانے میرے پائیں شانے پر ہاتھ رکھ کر ترشی سے پوچھا ”میں انہیں کو سنا شروع کر دوں!“

”ہتھیار نہیں ہے تو مجبوری ہے۔“ میں نے شانے اچکا کے بے پروائی سے جواب دیا ”ویسے تم عورت ذات ہو“

خوب صورت اور باگی ہو۔ چاہو تو انہیں اپنی تیکھی نظروں

کے تیروں سے بھی گھائل کر سکتی ہو۔“

”نظریں کیا میرے ترش کے سارے تیر کندھ چاہتے ہیں۔“ اس نے ایک گہرا سانس لے کر کہا ”تم غزالہ کے ماہر گئے ایسے اسیر ہوئے ہو کہ اب تم کو میری ذات میں کوئی کشش نظر نہیں آتی۔“

”وہسکی کے اثرات شاید ابھی تمہارے دماغ سے زائل نہیں ہوئے۔“ میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا ”تم پھر ہلک رہی ہو۔“

”تم نے مجھے بھکنے کے قابل بھی نہیں چھوڑا۔ آدمی ہکتا ہے تو اپنی پکلی ہوئی خواہشوں کو عملی جامہ پہنانے کی کوشش کرتا ہے۔ میں یہ بھی نہیں کر سکتی۔ بس رنگین خوابوں اور موہوم امیدوں کے سارے جیسے چلی جا رہی ہوں کہ شاید کبھی تمہارے پتھر سے دل میں میری چاہت کی چونک لگ سکے!“

”ہائیں!“ میں نے حیرت سے کہا ”یہ تم نے یکایک اتنی ثقیل اردو کیوں بولنی شروع کر دی۔ تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے نا۔“

وہ بے بسی سے ہنس پڑی اور بولی ”تم بہت سفاک ہو۔ ایسی بے۔۔۔“

”بس آگے کچھ نہ کہنا۔“ میں نے جلدی سے اسے اپنی بات پوری کرنے سے روک دیا ”ساری خرابی یہ ہے کہ جب تم غزالہ سے اپنا موازنہ کرنا شروع کر دیتی ہو تو اس ہونے لگتی ہو۔ شام کو میں نے تمہیں بہت اچھے موڈ میں چھوڑا تھا۔“

”میں نے غزالہ سے اپنا موازنہ کرنا چھوڑ دیا ہے۔ یہ بات میری سمجھ میں آچکی ہے کہ وہ آسمان کی بلندیوں پر چمکتا ہوا چاند ہے اور میں گندے جوڑ میں اس کے دھندلائے ہوئے عکس سے زیادہ نہیں ہوں۔ جب جوڑ کی سطح متلاطم ہوتی ہے، یہ عکس بھی ریزہ ریزہ ہو جاتا ہے، اپنی اصل میں کچھ بھی نہیں رہتا۔“

”ویرا! کچھ خدا کا خوف کرو۔ ہم بن ڈیوڈ کا مقابلہ کرنے جا رہے ہیں۔ یہ تم نے کہاں کی باتیں نکال لیں!“

”مجھے مشورے نہ دو۔ تم اپنے خدا کا خوف کرو۔ تم نخر سے خود کو مسلمان کہتے ہو تو مسلمان بن کر دکھاؤ۔ ایسے معاملات میں تمہیں چار شادیوں تک کی چھوٹ حاصل ہے۔“

ویرا کی وہ بات سن کر میں سنائے میں آگیا۔ وہ اشاروں کنایوں میں مجھ سے بہت کچھ کہتی رہتی تھی لیکن اس کی زبان

دیا۔

”ابھی تم سن چکی ہو کہ اول خان وہاں موجود ہے۔ اس کے اسٹرائیک یونٹ کی ایک گاڑی وہاں پہنچ رہی ہے۔ ان لوگوں کے پاس ہر وقت فاضل، تھیار اور میگزین موجود رہتے ہیں۔ منزل پر پہنچنے کے بعد تمہیں مسلح کر دیا جائے گا۔ مجھے امید ہے کہ تم اپنی کارکردگی سے کسی کو مایوس نہیں کرو گی۔“

”پورے شرکی صاف تھری دیواروں پر پیروں، قتیروں اور آستانوں کی طرف سے صاف لکھا ہوا ہے کہ مایوسی کفر ہے۔ میں کم از کم تمہیں مایوس نہیں کروں گی۔“ اس کے دماغ پر چھائی ہوئی قنوطیت حیرت ناک سرعت سے دور ہو کر اس کے مخصوص اور فطری انداز میں ڈھل رہی تھی۔

”میں شرکی دیوار گیر مایوسیوں کی بات نہیں کر رہا۔ میرا اشارہ۔“

”بس، بس۔ رہنے دو۔“ ویرانے مجھے اپنی بات پوری کرنے کا موقع نہیں دیا اور پہلے سے بول پڑی ”مجھے معلوم ہے کہ وہ ویاگرا سے دور ہونے والی مایوسیاں ہیں۔ امریکا میں سیکڑوں ہوس کاربڈھے اس دوا کے ری ایکشن کا شکار ہو کر مر چکے ہیں مگر پھر بھی وہاں اس کی مقبولیت میں کمی نہیں آئی۔ معلوم ہوتا ہے کہ اب جلد ہی پاکستانی بڈھوں کی باری آنے والی ہے۔“

”کیا تم اس وقت بے سروپا باتیں نہیں کر رہی ہو؟“ میں نے اس کی مداخلت سے بڑا کر سنجیدہ لہجے میں سوال کیا۔

”انسانی ذہن کمپیوٹر نہیں ہے جس کا ایک ٹن دباتے ہی سب کچھ بدل جاتا ہے۔ میں کوشش کر رہی ہو کہ اس وقت تمہارے کسی ناپسندیدہ موضوع پر بات نہ کروں۔ تمہارا دماغی انتشار پوری مہم کا بیڑا غرق کر سکتا ہے۔ میں یہ خطرہ مول نہیں لے سکتی۔“ اس نے مجھ سے زیادہ سنجیدگی سے جواب دیا۔

”پھر کچھ دیر کے لیے خاموش بیٹھی رہو۔ میرے لیے تمہاری خاموشی زیادہ سکون اور ثبات ہوگی۔“ میں نے کہا۔

وہ واقعی خاموش ہو گئی اور اپنی جانب کی کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔

موہنا ییل سے پہلے والی لٹلی سڑک پر مڑتے ہی اونچے احاطے والا مکان میری نظروں میں آگیا۔ اسے کسی بھی طرح نظر انداز کرنا ممکن نہیں تھا۔ سست رفتار سے اس مکان کے سامنے سے گزرتا ہوا، میں اولڈ کلفٹن کے پچھتہ پارکنگ ایریا میں پہنچ گیا جہاں اول خان کی جیب موجود تھی۔ اس کا رخ اسی مکان کی طرف تھا۔ گاڑی روکنے اور ابجن بند کر دینے

سے شادی کا وہ مطالبہ میں پہلی بار سن رہا تھا۔ چند ثانیوں تک مجھے اس کے بے ساختہ مطالبے کا کوئی جواب نہیں سوجھ سکا مگر میری کھوپڑی منجمد نہیں تھی۔ میں نے توقف کے بعد بولنا شروع کر دیا ”یہ حکم نہیں ہے۔ ایک چھوٹا ہے جسے مرد کی اہلیت، ضرورت اور پھر صوابدید پر چھوڑ دیا گیا ہے۔“

میں نے پھونک پھونک کر الفاظ کا انتخاب کر کے اپنی بات کا آغاز کیا تھا ”اگر مرد چاہے یعنی اس کو ضرورت ہو تو وہ ایک سے زیادہ نکاح کر سکتا ہے۔ شرط یہ ہے کہ وہ سب بیویوں کے ساتھ پورا پورا انصاف کر سکے جو بہت ہی مشکل کام ہے۔“

”یہ کام کتنا ہی مشکل کیوں نہ ہو، کرنے والے کر گزرتے ہیں۔“ اس نے چیلنج کرنے والے انداز میں کہا۔

”ضرور کر لیتے ہیں مگر وہ ہوس کاریاں ہوتی ہیں۔ تم نے ایسے گھروں کا حال بھی دیکھا ہوگا۔ مرد پرانی بیویوں سے اکٹار نئی شادیاں کرتے ہیں پھر پرانی کو بھول کر نئی بیوی کی دل جوئیوں میں لگ جاتے ہیں جس کے نتیجے میں دن رات کی جو تم چیزاں شروع ہو جاتی ہے۔ مجھے ایسا عذاب مول لینے سے دلچسپی نہیں ہے۔“

”پھر یہ مان لو کہ تمہیں اپنے اوپر اعتماد نہیں ہے۔ تم ڈرتے ہو کہ میرے سامنے غزالہ کلچرائس نہیں جل سکے گا۔“

”لا حول ولا قوۃ!“ میں نے جھٹاکر کہا ”تم جو چاہو، سمجھ لو۔ میں اس موضوع پر بات کرنا بھی پسند نہیں کرتا۔“

ویرا استہزائیہ انداز میں دھیرے سے ہنس پڑی ”میں تمہیں بہت دلیر سمجھتی تھی۔ تم ڈر پوک ہی نہیں بزدل بھی ہو۔“

”تمہاری یہ زہریلی چٹکیاں مجھے کسی غلط فیصلے پر مجبور نہیں کر سکتیں۔“ میں نے سخت لہجے میں جواب دیا۔

”یہ تمہاری کمزوری نہیں، دنیا کے ہر خطے کا دستور ہے۔ مرد ایک وقت میں زیادہ سے زیادہ عورتوں سے زندگی کی ساری رعنائیاں نچوڑ لیتا چاہتے ہیں لیکن ایک وقت میں ایک سے زیادہ بیوی کا بوجھ نہیں اٹھانا چاہتے۔ اب تو مغرب میں وہ اس اکلوتے بوجھ سے بھی بھاگنے لگے ہیں۔ دوستی کے نام پر اپنی گرل فرینڈ سے سب کچھ مل جاتا ہے، تو شادی کون کرے گا۔“

”اب تم نے ذرا ڈھنگ کی بات کی ہے۔ ہم لوگ اپنی مغربی برادری سے بہت بہتر ہیں۔ جو کچھ کرتے ہیں، پوری ذمہ داری سے کرتے ہیں اور پھر ساتھ نبھاتے ہیں۔“

”تم نے یہ نہیں بتایا کہ میں خالی ہاتھ رہ کر کیا کر سکوں گی۔“ میری توقع کے برعکس ویرا نے اچانک موضوع بدل

کے بعد میں نے مڑ کر دیکھا کہ اونچی دیواروں والا پورا مکان اس جگہ سے بھی صاف نظر آرہا تھا۔ شاید اول خان نے اپنی جیب پارک کرنے کے لیے اسی وجہ سے اس جگہ کا انتخاب کیا تھا۔

”تمہارے آجانے سے مجھے بہت تقریب ملی ہے۔ یوں معلوم ہو رہا ہے جیسے میرے کندھوں سے کوئی بڑا بوجھ اتر گیا ہو۔“ اول خان نے مجھ سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا ”نیشن کے تینوں طرف مکان واقع ہیں۔ پشت پر گندی گلی کے بجائے مکان ہے جس کے احاطے میں خوں خوار کتوں کا راج ہے۔ جو کچھ ہوتا ہے، سامنے کے رخ پر ہی ہوگا۔“

”تم اکیلے ہو۔ اس وقت تمہارا معاون کہیں نظر نہیں آ رہا۔“ میں نے چونک کر سوال کیا۔

”میں نے اسے پچھلی سڑک پر مامور کر دیا ہے۔ اس بار میں فالکن ہاؤس والے واقعے کا اعادہ نہیں ہونے دوں گا۔ اسٹرائیک یونٹ آتا ہی ہوگا۔ وہ چاروں ہمارے ساتھ رہیں گے۔“

کچھ دیر پہلے اول خان کے ذہن میں یہ خیال آیا تھا کہ شاید بکتر بند گاڑیوں میں بن ڈیوڈ کو وہاں نہ لایا گیا ہو تو میں نے اس کے قیاس کی پر زور تردید کی تھی مگر اپنی تیاریوں کے اس مرحلے پر میرے ذہن میں شبہات سر ابھارنے لگے کہ بن ڈیوڈ ہمارے ہاتھ نہ آیا تو کیا ہوگا۔ وہ لوگ بکتر بند گاڑیوں میں اس کے سوا کسے لاسکتے تھے؟

”کیا بات ہے۔ تم اچانک کسی گہری سوچ میں پڑ گئے ہو۔“ ویرا کے سوال نے مجھے چونکا دیا۔

”کچھ نہیں“ میں آنے والے وقت کے بارے میں کچھ سوچ رہا تھا۔ میں نے خجالت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا۔ ہم تینوں تاروں کی چھاؤں میں، کھلے آسمان کے نیچے کھڑے ہوئے تھے۔ اسٹیل کے اونچے کھمبوں پر لگے ہوئے اسٹریٹ لیمپس کے دھیمے انعکاس میں مجھے ویرا کی آنکھوں میں ایک عجیب سی چمک نظر آئی۔ وہ مسلسل میری طرف دیکھ رہی تھی۔

”نہیں!“ ویرا نے پورے وثوق سے کہا ”تمہاری آنکھوں سے تذبذب جھلک رہا ہے۔ سچ بتاؤ کہ تم کیا سوچ رہے تھے۔“

میں چند ثانیوں تک پُر خیال نظروں سے اس کی طرف دیکھتا رہا پھر اپنے سر کو اثبات میں جنبش دیتے ہوئے جواب دیا ”تمہارا اندازہ درست ہے۔ غالب امکان یہ ہے کہ انہوں نے آج بن ڈیوڈ کو قونصل خانے سے نکالا ہوگا لیکن ایسا نہ ہوا

تو کیا ہو سکتا ہے۔“

”پھر انہوں نے کبلی کو وہاں سے نکالا ہوگا۔“ ویرا نے بے ساختہ کہا ”سفارت کار عام طور پر ایسے بکھیرلوں میں نہیں الجھتے جن میں ان کے ملک کی بدنامی کا ڈر ہو۔ ذرا تصور کرو کہ عالمی پریس کے نمائندوں کی موجودگی میں آئی مین کو ان کے قونصل خانے سے پکڑا جاتا تو ان کا کیا حشر ہوتا۔ وہ فالکن ہاؤس سے بھاگ کر قونصل خانے ہی پہنچا ہوگا مگر وہ لوگ گھٹاگ ہیں۔ اس کی کہانی سنتے ہی اسے وہاں سے روانہ کر دیا ہوگا۔ وہ جانتے ہیں کہ ایک مجرم کو سفارتی پناہ دینے کے نقصانات کیسے تباہ کن ہو سکتے ہیں۔“

”تمہاری یہ دلیل مان لی جائے تو ڈینی کی پریس جانے کی دھمکیوں سے تک خائف کیوں ہو گیا تھا؟“ اول خان نے اس کی بات کاٹ کر پوچھا۔

”یہ بات میرے ذہن سے نکل گئی تھی۔“ ویرا نے شہادت کی انگلی سے سر کھجاتے ہوئے جواب دیا ”اس وقت تک بن ڈیوڈ وہیں تھا۔ نک نے تم سے بات ختم کرتے ہی اسے وہاں سے بھگا دیا یا شاید نکال دیا۔“

”پھر بعد کی ساری بھاگ دوڑ کی کیا ضرورت تھی۔“ اول خان نے سوال کیا ”ان کے آدمی گولیاں چلا رہے ہیں۔ دو بکتر بند گاڑیاں تھوڑی دیر پہلے یہاں سے گئی ہیں۔“

”نہ قاتل غور مسئلہ ہے۔ کیلی زخمی ہے۔ چل پھر نہیں سکتی۔ ہو سکتا ہے کہ اسے نیشن میں لایا گیا ہو۔“

اچانک اول خان کے اپریس پر اشارہ موصول ہونے لگا اور وہ بات وہیں رہ گئی۔

اس کا اسٹرائیک یونٹ آچکا تھا۔ اول خان کی ہدایت کے مطابق وہ مین روڈ پر ہی رک گئے تھے۔ ہم تین افراد پہلے سے وہاں جمع تھے۔ مزید چار افراد ہمارے ساتھ آئے تو وہ نفری بلاؤنگ جگہ ہر ایک کی توجہ کا مرکز بن سکتی تھی۔ ان چاروں کا ہم سے دور نوک کر آپریشن میں حصہ لینا بہتر تھا۔

ہمارے دھماکے پر میان اس آپریشن کی جزئیات کے بارے میں بات نہیں ہوئی کچھو کچھو۔ میں اول خان کی ہدایات کو دھیان سے سنتا رہا۔ ہمیں اپنے ہاتھ چاروں کو اپنی اپنی جگہوں پر پہنچنے کے لیے صرف پانچ منٹ کا وزیٹ دینا تھا۔ اس دوران میں اول خان نے میرے ایمار اپنی جیب سے سو تو نکال کر بڑے بور کا ایک لوڈڈ پستول فاضل میگزین سمیت ویرا کے حوالے کر دیا۔

پانچ منٹ پورے ہوتے ہی اول خان کو اسٹرائیک یونٹ کی طرف سے آل اوکے کا پیغام مل گیا۔

”اول خان اچھل کر اپنی جیب واپس کی ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ

تھی۔ ہماری جیب اندر پہنچنے کے بعد گیٹ بند کر دیا گیا۔

اول خان نے جیب تیزی سے آگے بڑھائی اور پورج کے تقریباً وسط میں روک دی۔ ہم گاڑی سے اتر رہے تھے تو عمارت کے صدر دروازے سے جینز اور لی شرٹ میں لمبوس ایک دروازہ قامت سفید فام نمودار ہوا۔ اس نے بے پروائی سے اپنے دونوں ہاتھ جیبوں میں ڈالے ہوئے تھے اور اس کی پیشانی پر نظر آنے والی شکنیں اس کی ناگواری کا اظہار کر رہی تھیں۔

”ہے... تم لوگ کون ہو۔ کس سرکاری محکمے سے آئے ہو؟“ اس نے برآمدے میں رک کر اونچی اور تحقیر آمیز آواز میں پوچھا۔ اس کا انگریزی لب و لہجہ امریکیوں جیسا تھا۔ وہ ٹیڑھا سوال تھا۔ میں نے اول خان کی طرف دیکھا۔ اس کے لیے شاید وہ سوال نیا نہیں تھا۔ اس نے پورے اعتماد سے کہا ”ہم اسپیشل فورس سے آئے ہیں۔ ہمیں چند مفرور غیر ملکی مجرموں کی تلاش ہے۔ ہمیں اطلاع ملی ہے کہ وہ یہاں روپوش ہیں۔“

اس نے غلط بیانی نہیں کی تھی بس درمیان میں سے ٹاسک کا لفظ اڑا دیا تھا۔ گورے کا منہ بن گیا ”کس اتھارٹی کے تحت میرے گھر میں داخل ہوئے ہو۔ کوئی وارنٹ لائے ہو یا اونٹ کی طرح منہ اٹھا کر یہاں گھس آئے۔ تمہیں معلوم ہے کہ میرا نام پروفیسر ڈونلڈ آرمسٹرانگ ہے اور میں تمہارے اسٹیٹ بینک میں اکائمنٹ کنسلٹنٹ کے طور پر کچھ پروجیکٹ فائل کرنے آیا ہوں۔“

”ہمیں تمہارے نام اور عہدے سے غرض نہیں ہے۔“ اول خان نے اس کے ابتدائی سوالات کے جواب گول کرتے ہوئے پورے اعتماد سے کہا ”گھر کی تلاشی لیں گے۔ کچھ نہ ملا تو تم سے دست بستہ معذرت کر کے واپس چلے جائیں گے۔“

گفتگو کے دوران اول خان نے اپنی پیش قدمی جاری رکھی تھی جبکہ وہ ڈونلڈ اپنی جگہ جما رہا تھا۔ نتیجے میں ہم تینوں برآمدے تک پہنچ گئے تھے۔

”یہ کھلی غذا گروڈی ہے۔ میں احتجاج کروں گا اور یہاں سے چلا جاؤں گا۔“ اس نے دھمکی دی۔

”یہ تمہاری مرضی ہے کہ جو چاہو وہ کرو۔“ اول خان نے اپنے بغلی ہاتھ پر ہاتھ پھیرتے ہوئے جواب دیا ”ہم جو کام کرتے آئے ہیں وہ کر کے واپس جائیں گے۔ ہمیں اندر جانے کا راستہ دو!“

وہ کوئی تشدد پسند غذا نہیں تھا۔ خاموشی سے علامتی

گیاب ورا میرے ساتھ چپک کر پینجر سیٹ پر بیٹھ گئی۔ جیب کا انجن غرا کر بیدار ہوا اور اول خان نے آہستگی سے گینے ڈال دیا۔ نشین ہماری نگاہوں کے سامنے تھا۔ اول خان نے چشم زدن میں جیب اس کے سیب فلوادی گیٹ کے سامنے روک کر ہارن بجا دیا۔

گیٹ اپنی جگہ ساکت رہا۔ چند ثانیوں بعد اس کی ذیلی کھڑکی کھلی اور ایک توند مند چٹھان نے باہر جھانکا۔

”گیٹ کھولو! ہم اندر جانا چاہتے ہیں۔“ اول خان نے رعب دار آواز اور تحکمانہ لہجے میں کہا۔

”صاب! تم کون لوگ ہے۔ کس سے ملنا ہے؟“ نوجوان چوکیدار نے کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں اپنی پلکیں جھپکاتے ہوئے پوچھا۔

”دروازہ کھولو۔ ہم سرکاری آدمی ہیں!“ اول خان نے کڑک کر کہا۔

اس بار چوکیدار اس کے لہجے کی تاب نہ لاسکا اور پھرتی سے اندر غائب ہو گیا۔ میرا خیال تھا کہ وہ رعب میں آکر فوری طور پر بھانگ کھول دے گا مگر ایسا نہیں ہوا۔ اپنے مالک کی اجازت کے بغیر وہ شاید کچھ کرنے کا عادی نہیں تھا۔ وہ ایک اصولی عادت تھی۔ شاید اسی وجہ سے دیکھ بھال اور چوکیداری کے کاموں کے لیے ان پڑھ چٹھان بہت مقبول تھے۔

میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئی تھیں۔ مجھے خدشہ تھا کہ اندر سے اچانک حماد آرائی شروع کر دی جائے گی۔ آہنی چادروں والی بند جیب میں ہم قدرے محفوظ تھے مگر دو تین نشانے باز چاند ماری شروع کر دیتے تو ہمارا بچنا محال تھا۔ وہ ایک ناگزیر خطرہ تھا جسے مول لیے بغیر نشین میں داخل ہونے کا کوئی دوسرا امکان موجود نہیں تھا۔

ہمارا وہ صبر آزما انتظار زیادہ طویل نہیں رہا۔ چوکیدار نے شاید انٹر کام پر اپنے مالک سے اجازت لی اور آہنی بھانگ کے دونوں پٹ ایک جھینگی جھٹکے کے ساتھ اندر کی طرف کھینچے چلے گئے۔ اول خان کا اندازہ درست تھا کہ وہ بھانگ کسی برقی میچر سے کھٹکا اور بند ہوتا تھا۔ اندر ہر طرف روشنی پھیلی ہوئی تھی۔

کھلے ہوئے بھانگ میں سے وسیع و عریض پورج نظر آ رہا تھا جس میں کم از کم تین گاڑیاں برابر برابر کھڑی ہو سکتی تھیں۔ بھانگ کے اندر کھینچنے کی وجہ سے ڈرائیوے اور پورج کی گھرائی بھی کم نہیں تھی۔ اس کشادہ جگہ میں اس وقت صرف ایک گاڑی کھڑی ہوئی تھی جو حقیر معلوم ہو رہی

سن کر چوکیدار تقبیبی انداز میں سر ہلاتا ہوا بند گیت کی طرف بڑھ گیا۔ اس کی بڑبڑاہٹ میرے لیے ناقابل فہم تھی۔

”پٹھان بے غیرتوں اور غداروں سے نفرت کرتے ہیں۔“ اول خان نے اردو میں مجھے بتایا ”میں نے چوکیدار کو اس کے مالک کے یہی دو خواص بتائے ہیں۔ اب اندر کی کو ذبح بھی کر دیا جائے تو وہ پھانگ سے نہیں ہلے گا۔ یہ ہمارے لیے خطرناک ثابت ہو سکتا تھا۔“

”پتا نہیں تم کو کس کی تلاش ہے۔“ ادھر پروفیسر ڈنلڈ جھٹائی ہوئی آواز میں دیر اسے کہہ رہا تھا ”اس گھر میں میرے تین ملازموں اور ایک بیمار مہمان کے سوا کوئی نہیں ہے ہم سب بے ضرر لوگ ہیں۔ تم بلاوجہ ہمارے ذہنی سکون کو برباد کر رہے ہو۔“

”پاکستان میں رہ کر تم نے پاکستانیوں کو حقارت سے گندہ کہا ہے۔ یہ تمہاری بیمار اور گندی ذہنیت کا ثبوت ہے۔“ دیر نے جواب دیا ”اگر یہاں سے کچھ بھی نہ ملتا ہے تو تم کو تمہاری اس جسارت کی سزا ضرور ملے گی۔ اپنے ذہنی سکون کی بربادی کو اس سزا میں شمار کر لینا۔ حساب برابر ہو جائے گا۔“

”اگر میں غلطی نہیں کر رہا تو دیرا ہو۔۔۔ ویرالائیڈ“ پروفیسر کو خاصی تاخیر سے وہ نکتہ یاد آیا۔ ”میں واشنگٹن کے اخباروں میں تمہارے بارے میں پڑھتا رہا ہوں۔ اپنے وطن کی دشمنی میں تم اتنی آگے جا چکی ہو کہ اب پاکستانیوں سے زیادہ پاکستانی سمجھی جاتی ہو۔ میں غیروں کو برا کہہ رہا تھا۔ تم تو اپنے لوگوں کے خلاف زہر اگلنے کی مشین بن چکی ہو۔ تمہارے لیے تجویز کی جانے والی ہر سزا تمہارے جرم کے مقابلے میں کم تر رہے گی۔“

”ایک اکناسٹ پروفیسر کو پیشہ ور ہونا چاہیے۔ اسے دیرایا کسی اور کی ذات سے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے۔“ اس بار میں نے زبان کھولی تھی۔ ”اگر تم میری ساسھی کی باتوں کی بنا پر اسے دیرا سمجھ رہے ہو تو پھر تم صرف پروفیسر نہیں ایک بہروپے ہو جو روپ بدل کر یہاں اپنے مقامہ مد کے لیے کام کر رہے ہو۔“

”تم جھوٹے ہو۔“ وہ غرایا ”یہاں میرا کوئی خفیہ مقصد کارفرما نہیں ہے۔“

اس تکرار میں وہ ڈرائنگ روم سے گزرتا ہوا ایک لالہ سے نکلا اور پھر ایک کھلے روشن کمرے کی طرف ہولیا۔

بڑھتے بڑھتے اسے اچانک کوئی خیال آیا اور وہ اڑیل کی طرح ایک جگہ رک گیا ”اب میں ایک قدم بھی آگے

طور پر ایک طرف سرک گیا مگر اس کی زبان چلتی رہی ”تم لوگ اس طرح دندناتے ہوئے آئے ہو جیسے میں کوئی چور یا بدعاش ہوں۔ مجھے معلوم ہوتا کہ اس گھٹیا ملک میں آنے والی غیر ملکی شخصیات کے ساتھ ایسا مناسلوک کیا جاتا ہے تو میں ہرگز ادھر کا رخ نہ کرتا۔“

”اب معلوم ہو گیا تو آئندہ احتیاط رکھنا۔“ ویرا زہریلے لہجے میں اچانک بول پڑی ”تم اس ملک پر احسان کرنے نہیں آئے ان سے اپنے وقت کی بھاری قیمت وصول کرو گے۔ یہ صرف سفید چمڑی کا کمال ہے کہ تمہاری کوئی ضرورت پیدا ہوئی ورنہ پاکستان میں تم سے زیادہ قابل ماہر اور تجربے کار اکناسٹ موجود ہیں جو تم جیسے دس پروفیسروں کو اپنی ٹانگوں کے نیچے سے نکال کر کوڑے میں پھینک سکتے ہیں۔“

”اوہ! اپنے لب و لہجے سے تم امریکی معلوم ہوتی ہو۔ حیرت کی بات ہے کہ تم ان گندے لوگوں کی وکالت کر رہی ہو۔“ وہ بخیر زدہ آواز میں بولا۔

”میں امریکا میں آوارہ مردوں کے اشاروں پر پناہنے والی تتلی تھی۔ میں نے ان گندے لوگوں میں آکر زندگی کا صحیح مفہوم سمجھا ہے۔ میری زبان سے ان کی ترجمانی کر کر تمہیں حیرت نہیں ہونی چاہیے۔ دونوں ہاتھ جیبوں میں رکھو اور آگے چل پڑو۔“ ویرا نے اچانک اپنی جیب سے ریوالور نکال کر اس پر مان لیا۔

پروفیسر کا چہرہ دھواں ہو گیا۔ ”کک۔۔۔ کیا کر رہی ہو۔ اس کی نال نیچے گراؤ۔ یہ چل بھی سکتا ہے۔“ ”بالکل چل سکتا ہے مگر اشارے کے بغیر نہیں۔ چلو آگے بڑھو۔“ ویرا نے ریوالور کی میب نال کو جنبش دے کر اسے لکارا ”چلتے رہو اور بولتے رہو۔ اس گھر میں تمہارے سوا اور کون ہے؟“

میں چوکیدار کی طرف سے غافل نہیں تھا۔ پتا نہیں اس کی تعلیمی استعداد کیا تھی۔ وہ انگریزی میں ہونے والی باتیں سمجھ رہا تھا یا کورا تھا۔ کم از کم یہ غنیمت تھا کہ ویرا کے پستول نکالنے پر اس نے کسی رد عمل کا مظاہرہ نہیں کیا تھا۔ شاید اول خان کی زبان سے اس پیش فورس کا نام سننے کے بعد اس نے غمراؤ میں غیر جانب دار رہنے کا فیصلہ کر لیا تھا ورنہ پستول برآمد ہوتے ہی وہ اپنے کندھے سے رائفل اتار کر ہم تینوں کو آسانی سے اپنے نشانے پر لے سکتا تھا۔

مجھے خوشی ہوئی کہ اول خان بھی اس سے غافل نہیں تھا۔ پروفیسر کے پیچھے مکان میں داخل ہونے سے پہلے اس نے مڑ کر چوکیدار سے کچھ کہا۔ وہ دو تین مختصر فقرے تھے جنہیں

نہیں بڑھوں گا۔ پہلے اپنے قوصل خانے کو تمہاری آمد کی خبر دوں گا۔“

”حلق کے بل چیخو۔ تمہارا کوئی نہ کوئی ہمدرد تمہاری آواز سن لے گا۔“

”نکو مت۔ میں فون کرنا چاہتا ہوں۔“ وہ بے ساختہ چیخ پڑا۔

میں زہریلے انداز میں ہنس پڑا۔ ”ہمارے کچھ آدمی باہر بھی موجود ہیں۔ وہ تمہارے فون کے تار کاٹ چکے ہوں گے۔“

”مجھے اس کی پروا نہیں میرے پاس سیلور فون موجود ہے۔“ اس نے جیب سے اپنا دھات کا تار نکالا تو اس میں مختصر سا موبائل فون دبا ہوا تھا۔

”خبردار جو اسے آپریٹ کیا، یہ فون نیچے پھینک دو۔“ اول خان نے اضطرابی انداز میں اسے حکم دیا۔

وہ نہ مانا۔ اس کی انگلیاں اس فون کے پیڈ پر متحرک ہو چکی تھیں۔ اچانک ویرا فضا میں اچھل اور اڑنی ہوئی اس کے قریب سے گزر گئی۔ پروفیسر کے حلق سے ایک کربہ چیخ برآمد ہوئی اور اس کا موبائل فون اڑتا ہوا، اس کے ہاتھ سے نکل گیا۔ اس کی داہنی مٹائی پر ویرا کی بھرپور لات پڑی تھی۔

وہ اپنی دونوں منھیاں بھیج کر میری طرف پکا تو دیرانے اس کی گردن پر ایک زوردار ہاتھ رسید کر دیا۔ وہ صحت مند ضرور تھا لیکن زیادہ توانا نہیں تھا۔ کراہتا ہوا نیچے ڈھیر ہو گیا۔

”اوہ گاڈ۔۔۔ یہ سب کیا ہو رہا ہے۔ ڈوئی! تم کہاں ہو؟“ اچانک روشن کمرے سے ایک خوف زدہ نسوانی آواز بلند ہوئی اور میرے کان کھڑے ہو گئے اگر مجھ سے اندازے میں غلطی نہیں ہوئی تھی تو وہ آواز سو فیصد کیلی براؤن کی تھی۔

میرے لیے رکنا محال ہو گیا۔ میں نے ڈوئلڈ کو دیرا کے رحم و کرم پر چھوڑ کر روشن کمرے کی طرف دوڑ لگائی۔

کیلی نرم اور شاندار بیڈ پر دراز تھی۔ اس کے چہرے پر نقاہت اور تکلیف کے ساتھ خوف کے آثار بھی ابھر آئے تھے۔ اپنے کولے کے زخم کے باعث وہ ہلنے جلنے سے معذور تھی لیکن اس نے میرا چہرہ دیکھ لیا اور پھر خوف سے اس کی آنکھیں پھیلتی چلی گئیں۔

”اوہ میرے خدا! تم کسی عفریت کی طرح میرا چچا کیوں کر رہے ہو۔ یہاں بھی پہنچ گئے۔“ اس کے حلق سے دہی دہی

The Biggest Centre of Urdu & Islamic Books in TRISTATE

For all your requirements contact:

MANSOOR BOOKSHOP INC.

ISLAMIC BOOKS, AUDIO, VIDEO, CDS AND DVDS.

70-64 Broadway
Jackson Heights,
Tel: 718-446-9554
Fax : 718-446-9258

72-30 Broadway
Jackson Heights,
NY- 11372
Tel : 718-898-8511
718-457-9581

1386 Oaktree Road
Jselin NJ 08830
Tel : 732-283-1281
Fax : 732-283-1289

خوف زدہ سی چیخ کی صورت میں آواز برآمد ہوئی۔
 وہ صرف مینشن میں مجھے جلال کے ساتھ دیکھ چکی تھی۔ اس ملاقات کی یادیں اس کے ذہن میں تازہ تھیں۔
 اس نے ایک ہتھکڑی دیکھتی ہی مجھے پہچان لیا۔
 ”آرمی کے اعمال قبر تک بلکہ اس کے بعد بھی اس کا پیچھا کرتے ہیں اور اسے جنت یا جہنم میں پہنچا کر چھوڑتے ہیں۔ اسی طرح میں تمہارے اور بن کے جرائم کی سزا ہوں۔ جب تک تم دونوں اپنے اپنے کیفر کردار کو نہیں پہنچ جاتے، میں بار بار تمہارے سامنے آتا رہوں گا۔“ میں نے اسے دہشت زدہ کرنے کے لیے سفاکانہ لہجے میں کہا۔

”تم میرے ساتھ بد عہدی نہیں کر سکتے۔“ وہ رو دینے والی آواز میں گڑ گرائی۔ ”مجھے جو کچھ معلوم تھا وہ میں نے تمہیں بتا دیا۔ خدا کی قسم مجھے اس سے زیادہ کچھ معلوم نہیں۔ مجھ زخمی عورت کو زیادہ ہراساں مت کرو۔ میں نے تمہیں یہ تک بتا دیا تھا کہ ہمارے پاسپورٹ کہاں چھپے ہوئے ہیں۔“
 ”ہمیں پاسپورٹ نہیں چاہیے، بن ڈیوڈ درکار ہے، وہ کہاں ہو گا؟“ میں نے ڈپٹ کر پوچھا۔

اول خان میرے ساتھ کھڑا ہوا تھا۔ باہر سے ڈو نلڈ کی دلی چیخوں اور کراہیوں کی آواز آ رہی تھی۔ شاید ویرا اس میکار آکٹا مسٹ کی درگت بنا کر اپنے دل کی بھڑاس نکال رہی تھی۔

ڈو نلڈ سے امریکیوں نے جس انداز میں کام لیا تھا اس سے ظاہر ہو گیا تھا کہ وہ اپنی پیشہ ورانہ سرگرمیوں کی انجام دہی کے ساتھ امریکی ایجنسیوں کا آلہ کار بھی تھا۔ تک نے کیلی کو اپنے قنصل خانے کے لیے خطرہ سمجھ کر اسے اطمینان سے ڈو نلڈ کے گھر ڈال دیا تھا۔ کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اسٹیٹ بینک آف پاکستان کے امریکی نژاد اقتصادی مشیر کا گھر غیر ملکی مجرموں کی پناہ گاہ کے طور پر استعمال ہو رہا ہو گا۔ وہ پڑبھا لکھا آدمی تھا۔ بد معاشی اسے چھو کر بھی نہیں گزری تھی۔ میں نے بلند آواز میں ویرا کو ہدایت کی کہ اسے خاموش کر دے۔

ڈو نلڈ کی چیخ و پکار ختم ہونے کے بعد میں کیلی سے زیادہ ایک سوئی کے ساتھ جرح کر سکتا تھا۔ وہ میری ذات سے خوف زدہ تھی۔ یہ خوف آسانی سے اس کی زبان کھلوا سکتا تھا۔
 ”اسے چیختے اور سکھتے دو۔ میں اس حرام زادے سے مزہ لے رہی ہوں۔“ چڑھے ہوئے سانسوں کے درمیان ویرا کی آواز آئی۔ ”تم اپنا کام کرو۔ میں اپنا کام کر رہی ہوں۔ بس ایک آنچ کی کسر رہ گئی ہے پھر بہ فر فر بونا شروع کر دے گا۔“

”مجھے نہیں معلوم کہ بن اس وقت کہاں ہو گا۔“ کیلی نے اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے جواب دیا۔
 ”تمہیں معلوم ہونا چاہیے۔ یہ بہت زیادہ ضروری ہے۔“ میں نے دھیمی اور ڈراؤنی آواز میں کیا ”تمہارے حافظے نے تمہارا ساتھ نہ دیا تو میں تمہیں ایک بار پھر اسی قید خانے میں لے جاؤں گا جہاں میرا بد تمیز سا بھائی بھی ہوتا ہے۔ وہ میری طرح عورتوں سے کوئی رعایت نہیں کرتا۔ انہیں زیادہ آسانی سے ازیت پہنچاتا ہے۔“

”نہیں۔۔۔ مجھے نہیں معلوم۔“ وہ اپنی آنکھیں بھیج کر بے بسی سے اپنا سر دائیں بائیں جھٹکتے لگی۔
 ”تم یہاں آنے سے پہلے کہاں تھیں؟“ میں نے لمحہ بھر کی خاموشی کے بعد ایک نئے تسلسل کا پہلا سوال کیا۔
 ”تک اور ٹام نے مجھے قنصل خانے پہنچایا تھا۔ میں وہیں ایک کمرے میں زیر علاج تھی۔“ اس نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے میری طرف دیکھتے ہوئے جواب دیا۔
 ”وہاں بن ڈیوڈ سے تمہاری ملاقات ہوئی تھی؟“ میں نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں۔

اس نے اپنے سر کو اثبات میں خفیف سی جنبش دی اور خفیف آواز میں بولی ”وہ درمیانہ میرے پاس آیا تھا۔ باتیں کر کے چلا گیا۔ مجھے یہ نہیں معلوم کہ وہیں رہ رہا تھا یا کہیں اور سے آیا تھا۔“

”ویری گڈ! اپنی یادداشت پر زور دے کر اسی طرح بولتی رہو گی تو بڑے عذاب سے بچو گی۔ یہاں تمہیں کون لایا تھا؟“
 ”مجھے نہیں معلوم۔“ اس کی آواز رندھی ہوئی سی ہو گئی۔ ”میں سو گئی تھی یا شاید مجھے وہیں بے ہوش کر دیا گیا تھا۔ ابھی چند منٹ پہلے مجھے ہوش آیا تو میں یہاں موجود تھی۔ ڈوٹی میرے سرہانے موجود تھا۔ اس نے بتایا کہ تک اپنے آدمیوں کی معیت میں مجھے یہاں چھوڑ کر گیا تھا۔“
 ”تم چند منٹ کی بات کر رہی ہو لیکن ڈو نلڈ کو اتنی بے تکلفی سے ڈوٹی کہہ کر پکار رہی ہو جیسے اس سے برسوں پرانا ساتھ ہو۔“

”تم کو معلوم ہے میں جھوٹ نہیں بولتی۔“ اس نے سم کر کہا۔ ”مجھے معلوم ہے کہ تم کیسے لوگ ہو۔ میں تمہیں دھوکا دینے کی کوشش نہیں کر سکتی۔ ڈوٹی سے واقعی میرے پرانے مراسم ہیں۔ لاس اینجلس میں ہم دونوں دو سال تک ایک ہی بوڑھی کے گھر میں پے انگ گیسٹ کے طور پر رہ رہے تھے۔ میں اچانک اسے اپنے قریب دیکھ کر حیران رہ گئی تھی۔“
 ”ڈو نلڈ کیا کرتا ہے؟“ میں نے دو ٹوک لہجے میں پوچھا۔

ارادے

ایک پاگل کو علاج کے بعد صحت یاب قرار دے کر پاگل خانے سے رخصت کیا جا رہا تھا۔ ڈاکٹر نے پوچھا ”باہر کی دنیا میں جا کر اب تمہارا کیا کرنے کا ارادہ ہے؟“

”میرے سامنے کئی راستے ہیں۔“ سابق پاگل نے حثارت سے کہا ”ایک تو میں سوچ رہا ہوں پہلے ہی کی طرح ڈاکٹر کے طور پر پریکٹس شروع کر دوں۔ دوسرا راستہ یہ ہے کہ میں اخباری رپورٹر بن جاؤں یا پھر میں سوچ رہا ہوں کہ کیتلی کے طور پر ہی کام کرتا رہوں جیسا کہ میں یہاں کر رہا تھا۔“

”میں تمہارے پر ہول قید خانے میں اس سوال کا جواب دے چکی ہوں۔ مجھے صرف دو نام معلوم تھے۔ چوہدا اور راجا۔ وہ ان سے بات کرتا تھا۔ ان کے فون آتے تھے۔ میں نے انہیں کبھی نہیں دیکھا۔“

”ابھی تم نے بتایا ہے کہ نک اس سے ملتا رہتا تھا۔ تم دونوں کو پاکستان آئے تین مہینے ہو چکے ہیں۔ اس دوران میں وہ کتنی بار آیا تھا؟“

”تین یا شاید چار بار۔“ اس نے اپنے ذہن پر زور دیتے ہوئے جواب دیا ”میں اسے بن کا دوست سمجھتی تھی۔ مجھے یہ اندازہ نہیں ہوا کہ وہ کسی خفیہ کام کے چکر میں بن کے پاس آتا ہے۔“ نیک اس کی آواز خوف سے کمزور ہوئی ”کیا نک یہاں کوئی گزیر کر رہا ہے؟“

”نک تمہارے بن کا سرپرست ہے۔ سب کچھ اسی کے ایمپر ہو رہا ہے۔“

”اس میں میرا کوئی قصور نہیں ہے۔ میرے ہاتھ صاف ہیں۔ میں کسی گندے کھیل میں شامل نہیں ہوں۔ تم مجھے معاف کر کے رہائی دے چکے ہو۔ یہ میری بد قسمتی ہے کہ نک مجھے یہاں چھوڑ گیا اور میں دوبارہ تمہارے سامنے آئی۔ میں وعدہ کرتی ہوں کہ اب موقع ملا تو میں بن کو سمجھا بگھا کر یہاں سے واپس نکال لے جاؤں گی۔ نک کی وجہ سے ہم اپنی زندگیاں داؤ پر نہیں لگا سکتے۔ یہ بات اب بن کی سمجھ میں

باہر سے آنے والی چیخوں اور کراہوں کا سلسلہ اس وقت تک موقوف ہو چکا تھا۔ ویرا اور ڈوئلڈ کے بولنے کی آوازوں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ ویرا نے آخر کار اپنے حریف کے سارے کسٹل نکال دیے تھے۔

”اس نے معاشیات میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری لی ہے۔ کسی بڑے سرکاری عہدے پر کام کرتا ہے۔“

”یہ بات وہ ظاہر کرتا ہے۔ میں اس کی خفیہ سرگرمیوں کے بارے میں جاننا چاہتا ہوں۔“ میں نے تیزی سے کہا۔

”وہ..... وہ طالب علمی کے زمانے سے سرکاری ایجنٹوں کے لیے کام کرتا رہتا تھا۔ لاس اینجلس میں وہ فخر سے مجھے بتایا کرتا تھا کہ ایف بی آئی، سی آئی اے اور دوسری ایجنسیوں کے افسر اس سے ملنے کے لیے گیسٹ ہاؤس آتے رہتے ہیں۔ ان کے لیے کام کر کے وہ اتنے ڈالر کماتا تھا کہ تعلیمی اخراجات پورے کرنے کے بعد شاہانہ زندگی گزارتا تھا۔ اس زمانے میں اس نے نور ٹیبل بیگوار جیسی مہنگی اور شان دار گاڑی رکھی ہوئی تھی۔“ کیلی ایک ہی سانس میں بولتی چلی گئی۔

”وہ اب بھی ان کے لیے کام کر رہا ہے!“ میں نے کیلی سے تصدیق چاہی۔

”ڈاکٹر نک نے مجھے یہاں پہنچایا ہے تو وہ ضرور اس کے لیے کام کر رہا ہوگا۔“ اس نے کمزور لہجے میں جواب دیا ”ابھی اس سے اس بارے میں میری بات نہیں ہوئی۔“

”تم تک کو کیسے جانتی ہو؟“ بات میں سے بات نکلتی چلی آ رہی تھی۔

”وہ بن کے قریبی دوستوں میں شامل ہے اور ایف بی آئی کا تنخواہ دار افسر ہے۔ پاکستان آنے سے پہلے مجھے معلوم نہیں تھا کہ وہ یہاں تعینات ہے۔ یہاں وہ بن سے ملتا رہا تھا۔“

”اور پھر تم کہہ رہی ہو کہ تمہیں بن کی اصل مصروفیات کا علم نہیں ہے۔“ میں نے طنز سے پوچھا۔

”میں قسم کھا سکتی ہوں کہ مجھے اس بارے میں بالکل علم نہیں ہے۔ اس کی رازدارانہ سرگرمیوں اور مشتبہ لوگوں سے میل جول کی وجہ سے بس اتنا اندازہ ہے کہ وہ یہاں کوئی غلط یا غیر قانونی کام کر رہا تھا۔ اس کی زیادہ تر سرگرمیاں خفیہ ہوتی ہیں اور وہ بلا ضرورت باہر نکلنے سے کترتا ہے۔“ اس نے چھٹی چھٹی آواز میں جواب دیا۔

”وہ یہاں کن لوگوں سے ملتا جلتا رہتا تھا؟“ میں نے اس کے چہرے پر اپنی نظریں گاڑ کے پوچھا۔

آجانی چاہیے کہ پاکستان ہم لوگوں کے لیے خطرناک ملک ہے۔ ہمیں امریکا میں کسی چیز کی کمی نہیں ہے جس کے لیے ہم در بدر کی ٹھوکریں کھاتے پھریں۔“

اسی وقت ویرا، ڈوئلڈ گھمکے دیتی ہوئی اسی کمرے میں لے آئی۔ ڈوئلڈ کی حالت ابتر تھی۔ اس کے چہرے یا جسم پر کوئی بڑا کاری زخم نہیں آیا تھا مگر ویرا نے مار مار کر اس کا حلیہ بگاڑ دیا تھا۔ اس کا پورا چہرہ ضربات اور خراشوں سے بھرا ہوا تھا۔ زخموں سے رسنے والے خون نے اس کا چہرہ بھیانک بنا دیا تھا۔ کمال کی بات یہ تھی کہ اپنے حریف کا جغرافیہ بدل دینے کے باوجود ویرا ترو ترو آنکھوں سے نظر آ رہی تھی۔ اس کے جسم پر لباس پر کوئی خراش آئی تھی نہ کوئی داغ دھبا نظر آ رہا تھا۔ ”جو کچھ بکا ہے اب وہ دہرانا شروع کر دو۔“ ویرا نے اپنے سینڈل کی نوک سے اس کی پشت پر ہلکی سی ضرب لگا کر کہا۔

اس تبدیلی پر ڈوئلڈ تملکا کر رہ گیا اور تقریباً چیختے ہوئے بولا ”ان جبرہ دستیوں کے لیے تم کو جواب دہ ہونا پڑے گا۔ میں دیکھوں گا کہ تمہارے پروجیکٹ کیسے مکمل ہوتے ہیں۔“ کیلی پر تشویش نظروں سے اس کی طرف دیکھ کر جاری تھی۔ اس نے خوف سے سرسراتی ہوئی آواز میں کہا ”ڈوئی ڈارلنگ! غصہ تھوک دو اور ہوش سے کام لو۔ یہ بہت خطرناک لوگ ہیں۔ میں ان کو بھگت چکی ہوں۔ تم نے ان کا قید خانہ دیکھ لیا تو دہشت سے تمہارا پیشاب خطا ہو سکتا ہے۔“

”مم۔ میں لڑنے بھڑنے والا آدمی نہیں ہوں۔“ وہ ہانپتے ہوئے بولا ”یہ بہت ذلیل لڑکی ہے۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ایک عورت ذات مجھ پر ایسا شرمناک تشدد کر سکتی ہے۔ یہ لوگ مجھ سے دور رہ کر شرافت سے بات کریں تو میں ان کی ہر بات کا جواب دینے کے لیے تیار ہوں۔“

اس کے انداز سے ظاہر تھا کہ اس نے وہ باتیں کیلی سے کسی تھیں لیکن ویرا اس وقت ڈوئلڈ کے حق میں خدائی فوج دار ثابت ہو رہی تھی۔ غرا کر بولی ”مجھے بھی میں دور ہوں مگر زیادہ دیر تک تم سے دور نہیں رہ سکوں گی۔ شرافت سے اور تیزی سے اپنی کمائی دہرائی شروع کر دو۔“

فوری طور پر ڈوئلڈ کی زبان نہیں چل سکی۔ وہ گوگو کے عالم میں تھا کہ ویرا نے اپنی جگہ سے جنبش کی اور وہ ہڈیانی انداز میں بلبلاتا ہوا یوں دہرا ہو گیا جسے ویرا اس کے جسم کے وسطی حصے پر کوئی کاری ضرب لگانے والی ہو۔ اس نے آگے جھک کر اپنے دونوں ہاتھ گھٹنوں میں پھنسا لیے تھے۔

”میں لکھنے پڑھنے والا شریف آدمی ہوں۔“ ویرا کو اپنی جگہ پر رکتا دیکھ کر ڈوئلڈ نے فوری طور پر بولنا شروع کر دیا ”مجھ پر تم لوگوں کا عذاب تک ہاروے کی وجہ سے نازل ہوا ہے۔ اس کا مجھ پر صرف اتنا احسان تھا کہ اس نے کسی زمانے میں میرا تعلیمی خرچ پورا کرنے میں میری مدد کی تھی۔ وہ رقم اس نے مجھے عطیے میں نہیں دی تھی۔ مجھ سے خبری کے چھوٹے موٹے اور بے ضرر کام لیے تھے۔ بعد میں اس نے مجھے ٹیڑھے کام سوچے تو میں نے انکار کر دیا۔ اس وقت اس نے مجھے بتایا کہ میرے پرانے کام بھی معمولی اور بے ضرر نہیں تھے۔ وہ جرائم ثابت ہونے پر امریکا کی کوئی بھی عدالت کم از کم سات سال کے لیے مجھے اندر کر سکتی تھی۔ خدا اسے عارت کرے۔ وہ پکا بلیک میل ہے۔ وہ میرے گیر پر کی ابتدا تھی۔ مجھے عدالت سے ایک گھنٹے کی بھی سزا ہو جاتی تو میرا مستقبل تباہ و برباد ہو جاتا۔ میں اس کے لیے کام کرنے پر مجبور ہو گیا۔ وہ دن ہے اور آج کا دن، تک ہمزاد کی طرح میرے سر پر مسلط ہے۔ مجھے پیسے کی کوئی ضرورت نہیں۔ میں بے حساب دولت کما رہا ہوں مگر میں اس کے حکم سے سر تابی نہیں کر سکتا۔ مجھے یوں محسوس ہوتا ہے جیسے امریکا کی وزارت خزانہ بھی تک کی غلام ہے۔ میرا کہیں بھی دنیا کے کسی بھی ملک میں تبادلہ ہوتا ہے تو تک مجھ سے پہلے اپنے کسی مشن پر وہاں موجود ہوتا ہے۔ وہ میری انا اور مقام کا کوئی لحاظ کیے بغیر بے دردی سے مجھے استعمال کرتا ہے اور پھر کچھ عرصے کے لیے غائب ہو جاتا ہے۔ شروع شروع میں میں تبادلوں پر خوش ہوا کرتا تھا کہ امریکا سے باہر رہ کر میں تک کے آسپی سائے سے محفوظ رہوں گا۔ وہ تانچیا گھانا اور آسٹریلیا میں مجھ سے ٹکرایا تو میں اسے اتفاق سمجھا تھا مگر پھر وہ بار بار سامنے آتا چلا گیا۔ اس مردود نے میری شہ رگ پر ہاتھ رکھا ہوا ہے۔ اس کے لیے ہر نیا کام کرنے کے بعد مجھے محسوس ہوتا ہے کہ میرے گرد اس کے جال کی ڈوریاں اور کس چکی ہیں۔۔۔۔۔“

”زیادہ اونچی اڑان لینے کی کوشش مت کرو۔“ ویرا نے اسے ڈانٹ دیا۔ ”ابھی تک وہ تمہارا چیتا آقا تھا۔ اب تم اس کے خلاف زہرا گل رہے ہو۔ یہ نہ سمجھو کہ اس پر لعن طعن بھیج کر تم ہماری نظروں میں خود کو بے گناہ ثابت کرنے میں کامیاب ہو جاؤ گے۔“

”تمہارے لیے یہ سب جاننا ضروری ہے۔“ وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولا ”میں حالات کا شکار ہوا ہوں۔ تم کو معلوم ہونا چاہیے کہ سیکرٹ ایجنٹ کس طرح معصوم اور بھولے بھالے نوجوانوں کو اپنے چنگل میں پھالتے ہیں میں اپنی اس

دہری زندگی سے تنگ آیا ہوا ہوں۔ زبان کھولنے پر مجبور کر دیا
میا ہوں تو کھل کر سب کچھ بتا رہا ہوں۔“
”ڈوئی! کیا تک واقعی برا اور خطرناک آدمی ہے؟“ کیلی
کے ہونٹوں سے سسکی ہوئی آواز برآمد ہوئی۔

”وہ شاید اس سے بھی زیادہ برا اور خوفی آدمی ہے۔“
ڈوئلڈ نے نفرت آمیز لہجے میں جواب دیا ”میں نے بات کی
زناکت کو سمجھتے ہوئے اس کے سامنے ہتھیار ڈال دیے تھے
اس لیے اسے زیادہ کھل کر سامنے آنے کا موقع نہیں مل
سکا۔ جو لوگ مزاحمت کرتے ہوں گے، ان سے وہ بہت طرح
پیش آتا ہوگا۔“

”چلو، کچھ دیر کے لیے ہم مانے لیتے ہیں کہ اس نے
بھوٹ اور مکاری سے کام لے کر تمہیں غلط راستے پر ڈال دیا
ورنہ تم پیدا انٹی معصوم تھے۔“ اول خان نے اس سے ویرا
کے انداز میں کہا ”اب آگے کی کہانی سناؤ۔ کیلی یہاں کیسے
نظر آ رہی ہے۔“

”کچھ دیر پہلے تک نے فون کیا تھا۔“ اس نے قدرے
توقف کے بعد دوبارہ بولنا شروع کیا ”اس نے بتایا کہ وہ دواہم
مہمانوں کو لے کر یہاں آ رہا ہے۔ وہ دو چھوٹی بکتر بند گاڑیوں
میں مسلح کمانڈوز کے ساتھ آیا اور کیلی کو میری تحویل میں دے
کر چلا گیا۔ یہ اس وقت اسٹریچر پر بے ہوش پڑی ہوئی تھی۔“
”دوسرا مہمان کون تھا؟“ ویرا نے متجسسانہ لہجے میں
سوال کیا۔

”وہ بن تھا۔ بن ڈیوڈ!“ ڈوئلڈ نے ایک گہرا سانس لے
کر بتایا ”وہ اسے بھی یہاں چھوڑنے کے ارادے سے اپنے
ساتھ لایا تھا لیکن راستے میں اسے شبہ ہو گیا کہ کوئی بکتر بند
گاڑیوں کا چچہا کر رہا تھا۔ اس نے کیلی کو چھوڑ دیا، بن کو اپنے
ساتھ لے گیا۔“

مجھے یوں محسوس ہوا جیسے یکایک میرے بھرے ہوئے
غبارے کی ہوا نکل گئی ہو۔ بے اختیار میری مستغیرانہ نگاہیں
اول خان کی طرف اٹھ گئیں۔ اس نے عین موقع پر نشیمن
کے پھانک کی جھری سے اندر جھانکا تھا اور یہ تصدیق کی تھی
کہ احاطہ میں بکتر بند گاڑیوں کے پاس تین غیر ملکی موجود
تھے جن میں بن ڈیوڈ شامل نہیں تھا جب کہ پرو فیئر ڈوئلڈ تک
کے ساتھ بن کی آمد کی سنسنی خیز کہانی سنا رہا تھا۔ میرے پاس
ڈوئلڈ کے بیان پر شبہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں تھی۔

”کیا بن ڈیوڈ کو پہلے سے جانتے ہو؟“ میں نے چپختے
ہوئے لہجے میں اس سے پوچھا۔

”ہاں، میں کئی بار اس سے مل چکا تھا۔ وہ کیلی سے ملنے

قابل غور

○ جو لڑکیاں دولت کی خاطر شادی کرتی ہیں، عموماً
زندگی بھر قرض داری نظر آتی ہیں۔

○ انسان کبھی بھی عمر کی اس منزل کو نہیں پہنچتا
کہ اپنی مرضی سے سب کچھ کر سکے۔

○ اللہ کے چند احکامات کو نافذ کرنے کے لیے
دنیا والوں نے تقریباً ساڑھے تین لاکھ قوانین بنائے
پھر بھی ان چند احکامات کو نافذ نہیں کر سکے۔

○ بہت سے لوگوں کی قبر پر کچھ اس مضمون کا
کتبہ نصب ہونا چاہیے تھا ”تیس سال کی عمر میں مرا
.... ساڑھے سال کی عمر میں دفن ہوا۔“

○ بوڑھے ہونے کے بعد ترغیبات سے بچنا
مشکل نہیں ہوتا۔ ترغیبات تلاش کرنا مشکل ہوتا
ہے۔

کے لیے آتا رہتا تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ وہ کیلی کا اکلوتا بواے
فرینڈ ہے۔“

”اور یہ بھی معلوم تھا کہ بد معاش ہے، اس کا مشتبہ
لوگوں سے میل جول ہے؟“

”یہ سب نہیں معلوم تھا لیکن اس کے طور طریقے اچھے
نہیں تھے۔ میرے لیے وہ کبھی بھی پسندیدہ ملاقاتی نہیں رہا
تھا۔“

میں نے اپنی جیب سے تصویر نکال کر اس کی طرف بڑھا
دی اور پوچھا ”کیا تم اسے پہچانتے ہو؟“

ڈوئلڈ نے تصویر دیکھتے ہی اپنا سر اثبات میں ہلا دیا ”یہ
بن ہے، پکا یودی ہے۔ اسے حلق تک بوڑھی داڑھی کی

خوبصورتی پر بہت ناز تھا مگر آج اس نے اپنے چہلے میں نمایاں
تبدیلی لانے کے لیے داڑھی صاف کرائی ہوئی تھی۔ اس کے

ستارے آج کل گردش میں آئے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔“
میں نے تصویر جیب میں رکھ لی۔ بات صاف ہو گئی تھی

کہ بن ڈیوڈ کی داڑھی صاف ہو جانے کی وجہ سے اول خان
اسے نہیں پہچان سکا اور یوں وہ ہمارے سامنے آ کر نکل

میں مداخلت کرتے تو بہت خون ریز تصادم ہوتا۔ کئی بے مارے جاتے جن میں تمہارا نام سرفہرست ہوتا۔ ہم چاہتے تھے کہ تمہارے گھر پر کوئی ایسی خوف ناک محاذ آرم ہو جو کل اخباری سرخیوں کی زینت بن جائے۔ ہمیں یقین کہ ان لوگوں کے لوٹ جانے کے بعد ہم کسی نہ کسی طرہ سے مفاہمت پر آمادہ کر لیں گے۔

”نیشن میں گھسنے سے پہلے تمہیں میری حیثیت کا تھاق؟“ اس نے حیرت سے پوچھا۔ وقت گزرنے کے ساتھ وہ نارل ہو تا جا رہا تھا۔

”ہم ہوم ورک کے بغیر کوئی قدم نہیں اٹھاتے۔“ نے پورے اعتماد سے سفید جھوٹ بولا۔ ”اگر تم ابتداء خاصہ روئے اختیار نہ کرتے تو تمہاری پٹائی کی فوٹ نہ ہوتی۔ مجھے امید ہے کہ تمہارے سارے زخم سطحی نوعی کے ہیں۔ ایک دو روز میں مندل ہو جائیں گے۔“

”کاش ایسا ہو سکے۔ اب میں یہاں نہیں رکوں گا۔“ ہی امریکا کے لیے نکلنے کی کوشش کروں گا۔ جب تک یہاں موجود ہے، میرے لیے فضا سازگار نہیں ہو سکتی۔ ڈونلڈ نے اپنا فیصلہ سنا دیا اور ہم سب کو ہاتھ کا اشارہ کرتا: کیلی کے کمرے سے نکل گیا۔

ڈونلڈ! مجھے اکیلا چھوڑ کر تم ان سب کو کہاں لے جا رہے ہو؟“ کیلی نے اس کا اشارہ دیکھ کر فریاد کی۔

”کیس نہیں کیلی۔ میں ان کو روانہ کرنے کی کوشش رہا ہوں۔“ اس نے اونچی آواز میں جواب دیا۔ میں۔ ڈونلڈ کی آنکھوں سے مترشح بے اعتباری کی جھلک دیکھ رہی تھی۔ میرا اندازہ تھا کہ وہ ہم سے کچھ باتیں کیلی کی غیر موجودگی میں کرنا چاہتا تھا۔

”تم کئی بار اپنے پڑھے لکھے اور پروفیشنل ہونے کی بار کرچکے ہو۔“ اس خواب گاہ سے باہر آتے ہی اول خان۔ اس سے کہا ”میرا تجربہ بتا رہا ہے کہ تم تک اور بن کی غز گردیوں میں برابر کے شریک رہے ہو۔ حد یہ ہے کہ تم۔ ہماری ساتھی کو ویرا کا خضاب دینے میں ذرا بھی تامل نہیں کیا۔۔۔۔۔“

”مجھے بتایا گیا ہے کہ اس وقت پاکستان کی سرزمین پر ایسے افراد روپوش ہیں جن کی زندہ یا مردہ گرفتاری امریکا۔ قومی مفادات کے تحفظ کے لیے ناگزیر ہو چکی ہے۔“ اس۔ دھیمی آواز میں بولنا شروع کیا۔ ”یہ بات تک نے بھی بتا تھی۔ اس دو نفری گروہ کا سرغنہ ڈینی نامی کوئی پاکستانی ہے ویرا لائیڈ نامی ایک دلیر امریکی لڑکی اس پر مرمی ہے اور سہ

جانے میں کامیاب ہو گیا۔ ہم نے اپنی پوری مہم کی بنیاد اس مفروضے پر رکھی تھی کہ تک بولہا کر بن ڈیوڈ کو توصل خانے سے نکال کر کہیں اور پہنچانے کی کوشش کرے گا۔ میں نے اس امکان کو نظر انداز کر دیا تھا کہ بکتر بند گاڑیوں کے تعاقب کا شبہ ہونے بعد وہ بن ڈیوڈ کو اپنے ساتھ واپس بھی لے جا سکتا تھا۔

کیلی ان لوگوں کی پس پردہ سرگرمیوں کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتی تھی۔ جو کچھ اس کے علم میں تھا وہ صرف میٹشن میں اگل چکی تھی یہ بات تک اور ٹام، دونوں کے علم میں تھی۔ وہ اس کو نیشن میں چھوڑ گئے تھے۔

کیلی کو وہاں اتار کر انہوں نے ایک نیا خطہ مول لیا تھا۔ تک جانتا تھا کہ اس کا تعاقب کرنے والے کیلی تک پہنچ بھی گئے تو اس سے کوئی نئی بات معلوم نہیں کر سکیں گے جب کہ بن ڈیوڈ ان کے نامعلوم منصوبے میں کلیدی اہمیت رکھتا تھا۔ اس کے بارے میں وہ کوئی مہم ترین خطہ بھی مول لینے کے لیے تیار نہیں تھے مجھے پورا یقین تھا کہ تک اسے واپس توصل خانے نہیں لے گیا ہو گا۔ نیشن میں خطہ ہانپ لینے کے بعد اسے کہیں اور پہنچا دیا گیا ہو گا۔ اس نے ہمیں اپنی ہوشیاری اور بیدار مغزی سے گہری زک پہنچائی تھی۔

”بن اور کیلی کو کون کون لایا تھا؟“ میں نے اپنی غلط دور کرنے کے لیے ڈونلڈ سے پوچھا۔

”بس تک ہی چار محافظوں کے ساتھ آیا تھا۔ کیلی کا اسپرچر کھٹنے کے بعد ان چھوٹی گاڑیوں میں زیادہ آدمیوں کے سوار ہونے کی گنجائش نہیں تھی۔ اس نے جواب دیا۔

”اس کا مطلب یہ ہوا کہ گاڑیاں اندر پہنچنے کے بعد محافظوں نے اپنا کام سنبھال لیا تھا اور تم ان دونوں کے ساتھ پورچ میں کھڑے بائیں کر رہے تھے؟“

”کمال ہے!“ ڈونلڈ تھکر زدہ آواز میں بولا ”تم تو ایسے ہوتا رہے تھے جیسے تم نے خود ہمیں باتیں کرتے ہوئے دیکھا ہو؟“

میں اسے کیا بتاتا کہ ان تینوں کو میں نے نہیں، اول خان نے ضرور دیکھا تھا۔ پہلی غلطی یہ ہوئی کہ اول خان اس داڑھی کے یودی کو نہیں پہچان سکا دو سری اور بنیادی غلطی یہ تھی کہ نیشن سے بن ڈیوڈ کی واپسی ہمارے وہم و گمان میں تھی نہیں تھی۔

”ہم شروع سے سب کچھ دیکھ رہے تھے۔“ چند ثانیوں کے سکوت میں ایک حیلہ سوچ لینے کے بعد میں نے زبان کھولی ”ہم تک کی بکتر بند گاڑیوں اور مسلح محافظوں کی موجودگی

”خواب“ کے موضوع پر اردو زبان میں اپنی نوعیت

کی منفرد کتاب

خوابوں کے اسرار

قیمت 25 روپے ♦ ڈاک خرچ 23 روپے

خوابوں کی تعبیر، ان کی حقیقت اور ان
کی افادیت کے بارے میں ایک نادر
کتاب!

کتاب کی قیمت مع ڈاک خرچ بڑھائیے
پیشگی منی آرڈر یا سال کریں

خط و کتابت کا پتہ
مکتبہ نفسیات

پوسٹ بکس 944 رمضان ٹھیکر زنگوریا سٹریٹ آئی آئی چھتر گروہ لاہور

فون: 5802552-5895313 فیکس: 5802551

کٹنگز کی قیمتیں اور ڈاک خرچ موجود ہیں ان میں کسی بھی وقت تبدیلی ہو سکتی ہے 1-8-2001

kitablat@hotmail.com

kitablat1970@yahoo.com

کچھ جھوٹا پاکستان آگئی ہے۔ ڈینی نے اس کی بریں واشنگٹن
کر کے اسے بھی امریکا کا بدترین دشمن بنادیا ہے۔ تمہاری
ساتھی نے پاکستانیوں کو گندہ کینے پر شدید اعتراض کیا تو اس
کے امریکی لب و لہجے سے مجھے شبہ ہوا تھا کہ کہیں وہ وہی ای نہ
ہو۔ اگر میرا اندازہ غلط تھا تو میں تم سے معافی چاہتا ہوں۔“
”افراد کبھی قوموں کے لیے خطرہ نہیں بنا کرتے۔ یہ
رانے دور کی باتیں ہیں جو تاریخ کی وزنی کتابوں میں دفن ہو
چکی ہیں۔ زندہ قومیں اپنے عزم اور ولولے سے زندہ رہتی
ہیں۔“ دیرانے پر جوش تپے میں اس کی تردید کرتے ہوئے کہا
”یہ ہمارے حکمرانوں کی ناکامی ہے کہ انہیں ہر کمزور قوم پر
چڑھ دوڑنے کا شوق ہو گیا تھا۔ اس شوق نے امریکیوں کو
مردار خور جیلوں کی صف میں شامل کر دیا ہے جو گوشت خوری
کی ہوس میں ہر قریب المرگ چوپائے کے سروں پر منڈلا نے
گتی ہیں۔“

ڈو نلڈ بھڑبھڑی لے کر رہ گیا۔ ”تمہارے ایک ایک
لفظ سے سفاکی کی بو آ رہی ہے۔ کیا تم بھی امریکی ہو؟“

یہ وہ دور تھا جب افغانستان روسی رندوں اور ان
کے مشینی جاہ و جلال کا کھلا قبرستان بن چکا تھا۔ سائبیریا کے
خونی ریچھ کو شکست دینے کے بعد مسلمان اس سر زمین پر فتح و
نصرت کے پھیرے لہرا رہے تھے۔ اسامہ بن لادن کو کھلی
امریکی سرپرستی اور حمایت حاصل تھی۔ اس کے جانیباؤں
نے امریکی ہتھیاروں کی مدد سے برفانی ریچھ کو اس کے خون
میں نہلایا تھا۔ پروفیسر ڈو نلڈ سے وہ باتیں کرتے ہوئے کسی
کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ آنے والے دنوں میں
تاریخ پھر ایک کروٹ لے گی۔ افغانستان کے بے آب و گیاہ
اور بے رحم پہاڑوں میں بکری کے دودھ پر گزارا کرنے والا
اسامہ بن لادن امریکیوں کے لیے ایک ڈراؤنا خواب بن
جائے گا۔ ایک فرد کو کچلنے کے لیے وہ پوری پوری آبادیوں اور
شہروں کو جنوں کے عالم میں خاک و خون سے نہلا دیں گے اور
جب اس جو روستم کے باوجود کوئی کامیابی حاصل نہیں ہوگی تو
امریکی عالم اسلام کے خلاف صف آرائی شروع کر دیں گے۔

”اے پھوڑو اور تم اپنی بات کرو۔ تمہارے
اعترافات سامنے آچکے ہیں۔ بتاؤ اب تمہارے ساتھ کیا
سلوک کیا جائے؟“ میں نے بات کا رخ بدلتے ہوئے پوچھا۔
”تم خود بھی جانتے ہو کہ میں سرکاری طور پر وی آئی پی
ہوں۔ قانونی طور پر تم میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ زیادہ سے زیادہ
مجھے اپنے وطن بھجوا سکتے ہو۔“ وہ ایک ایک لفظ پر زور دے
کر بولا۔ ”من مانی پر اتر آؤ تو میری کھوپڑی میں پگھلا ہوا سیدہ

بھی اتار سکتے ہو۔ میں نے تمہارے دلوں میں رحم اور درگزر کا جذبہ جگانے کے لیے سچ بولا ہے۔ میری کسی بات میں جھوٹ کی ملاوٹ نہیں ہے۔ میری قسمت کا فیصلہ آخر کار تم کو کرنا ہے۔“

”تم ہمیں کمرے سے باہر کیوں لائے ہو؟“ ویرا نے پوچھا۔

”کیلی جنس زدہ کرتیا ہے۔ وہ ہر بات بن کو بتا دے گی۔“ ڈوئلڈ نے صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے کہا۔

”یہ کیا بات ہوئی!“ اول خان حیرت اور بے یقینی سے بول پڑا۔ اس کے سامنے تم نے نک اور بن کے خلاف کافی زہر اگلا ہے۔“

”زہر نہیں اگلا، حقائق بتائے ہیں۔“ اس نے اول خان کی بات کاٹ کر تصحیح کی۔ ”یہ بات تک بھی جانتا ہے کہ وہ مجھ سے میری مرضی کے خلاف کام لے رہا ہے۔ مجھے اپنی جان بچانے کے لیے راست گوئی کا پورا حق حاصل ہے۔“

”پھر تم ہم سے یہاں کیا خاص بات کرنا چاہ رہے تھے۔“ اس کی متضاد باتوں نے اول خان کو ابھرایا۔

”یہ بعد کی بات ہے۔ پہلے تم یہ بتاؤ کہ تم نے میرے اور کیلی کے بارے میں کیا فیصلہ کیا ہے۔“ اس نے شرط عائد کر دی۔

میں نے اسی لمحے بھانپ لیا کہ وہ کسی نکتے پر سودے بازی کے چکر میں تھا۔ اس پر دباؤ برقرار رکھنا بلکہ بڑھانا ضروری تھا میں نے فوری طور پر کہا ”تم کو معلوم ہے کہ آج کل یہاں امن و امان کے حالات کچھ بگڑے ہوئے ہیں۔ دہشت گرد تاک تاک کر غیر ملکیوں کو نشانہ بنا رہے ہیں۔ اپنے خلاف دو مضبوط گواہ چھوڑنے سے بہتر ہے کہ ہم ان حالات کا فائدہ اٹھائیں۔ پولیس جب بھی آئے اسے اندازہ ہو گا کہ نامعلوم ڈاکوؤں نے تم دونوں کو مار کر گھر کا صفایا کر دیا ہے۔ یہ ہماری مجبوری ہے۔“

”تم تمہارے ناموں سے واقف ہیں نہ تم نے اپنے مجھے کا صحیح نام بتایا ہے میں وعدہ کرتا ہوں کہ میرے یا کیلی کے نام سے کوئی شکایت ریکارڈ نہیں آئے گی۔ میں خاموشی کے ساتھ جلد از جلد پاکستان چھوڑ دوں گا۔ میں نے اندازہ لگایا ہے کہ تم کو بن کی تلاش ہے۔ تم ہماری جا میں بخش دو تو شاید میں تمہاری تھوڑی سی مدد کر سکتا ہوں۔“

ہمارے لیے وہ دونوں بے کار اور بے ضرر تھے۔ انہیں پکڑنے کا کوئی فائدہ تھا نہ انہیں مار کر کچھ حاصل کیا جاسکتا تھا بلکہ ان کے قتل سے کشمکش اور جھگڑے میں اضافہ ہونے کا

قوی امکان تھا۔ میں نے تفکر آمیز انداز اختیار کرتے ہوئے کہا ”دیکھنا پڑے گا کہ تم واقعی مددگار ثابت ہو سکتے ہو یا جان بچانے کے لیے ہمیں فریب دے رہے ہو۔“

”بن تمہیں کراچی کی سی نائین نامی کسی عمارت سے مل سکتا ہے۔“ اس نے ہماری طرف جھک کر سرگوشی کی۔ ”میںاں آتے ہوئے نک اور بن الگ الگ دو گاڑیوں میں سوار تھے۔ میرے پورچ میں کھڑے ہو کر انہوں نے تعاقب کے خدشے پر بات کی تھی۔ سی نائین کی تجویز تک نے پیش کی تھی جسے بن نے قبول کر لیا تھا۔ وہ ڈیفنس نامی کسی علاقے کی عمارت کا نام یا نمبر ہے۔ تم یا دوسرا معلوم ہوتے ہو۔ کچھ محنت کرو تو اس عمارت کا کھوج لگا سکتے ہو۔ ہم دونوں کے خون سے اپنے ہاتھ رنگ کر تمہیں کچھ حاصل نہیں ہو گا۔“

”عزت مآب پرفیسر ڈوئلڈ آر مسٹر الگ میرے اس نظریے کی تائید فرما رہے ہیں کہ بیشتر امریکی فطری طور پر بزدل ہوتے ہیں۔“ ویرا نے اچانک اردو میں اعلان کیا ”یہ ہرگز وہ کو پھاڑ کھانے پر تلے رہتے ہیں، طاقت ور کے تلوے چاٹنے میں بھی عار نہیں سمجھتے۔“

”یہ..... یہ کیا کہہ رہی ہے؟“ ڈوئلڈ نے خوف سے ہکلاتے ہوئے سوال کیا۔

”ڈرو نہیں، یہ تمہاری تائید کر رہی ہے۔“ میں نے اسے دلاسا دیا ”اس کا خیال تھا کہ تم دونوں کو بے ہوش کرنا کافی ہو گا۔“

یوں تو میں ان دونوں کے بارے میں فیصلہ کر چکا تھا مگر ذہن میں اس کے نتائج و عواقب کا جائزہ لے رہا تھا۔

ان دونوں میں سے صرف کیلی نے مجھے صدف میٹشن والے آدمی کے طور پر پہچانا تھا۔ وہاں وہ آئی بی والوں کی قیدی تھی اور جلال ہی نے اسے بے ہوشی کی حالت میں نام اور نک کے حوالے کیا تھا۔ کیلی کی نئی کمائی سن کروہ کی بجائے کہ نشین پر دھاوا بولنے والے آئی بی کے آدمی تھے۔ شاید جلال کے لیے وہ پوزیشن قابل قبول نہ ہوتی لیکن میری مجبوری تھی۔

ڈوئلڈ کے ساتھ ہونے والی مار پیٹ کھیل کا حصہ تھی۔ اس کے سوا ہم نے دونوں امریکیوں کو کوئی قابل ذکر نقصان نہیں پہنچایا تھا۔ کیلی کی نئی کمائی سننے کے بعد تک کو یہ مان لینا پڑتا کہ آئی بی والے اپنے کام سے غافل نہیں تھے۔ نشین میں مشکوک قتل و حرکت کی ابتدا ہوتی وہاں پہنچ گئے تھے اور یہ کوئی غیر معمولی بات نہیں تھی۔

میں نے کرنل داور کے روپ میں تک سے فون پر بات

عجیب

رستوران میں ایک صاحب بیٹھے کھانا کھا رہے تھے۔ اس دوران میں ایک شخص آیا، اس نے چائے پی، بل ادا کیا پھر اٹھ کر دیوار پر چڑھ گیا۔ اس کے بعد وہ الٹا چلتا ہوا چھت عبور کر کے دوسری طرف کی دیوار پر چلتا ہوا نیچے اترا اور دروازے سے نکل کر رخصت ہو گیا۔

کھانا کھاتے ہوئے صاحب کی آنکھیں حیرت سے پھٹی ہوئی تھیں۔ وہ ہکلاتے ہوئے کاؤنٹر پر بیٹھے شخص سے مخاطب ہوئے ”حیرت انگیز... ناقابل یقین... یہ تو واقعی بہت عجیب آدمی تھا!“

”ہاں... واقعی...!“ کاؤنٹر پر بیٹھے شخص نے منہ بنا کر کہا ”کم بخت“ جاتے وقت کبھی خدا حافظ بھی نہیں کہتا!“

مزہ آرہا ہو۔

”سنا گیا ہے کہ وہ میاں بیوی کی طرح رہتے ہیں۔ چاہت اتنی زیادہ ہو تو شادی بے معنی سی ہو کر رہ جاتی ہے۔“ اس نے کوئی لگی لپٹی رکھے بغیر مختصر الفاظ میں امریکی طرز معاشرت کا نمونہ پیش کر دیا۔ ہم چاروں باتیں کرتے ہوئے دوبارہ کھلی کے کمرے میں داخل ہو چکے تھے۔

”یہ بے سرو پا باتیں چھوڑو اور کہیں آرام سے لیٹ جاؤ۔“ میں نے ڈو نلڈ کو مشورہ دیا۔ ”ہمیں واپس بھی جانا ہے۔“

اس نے چھری کے نیچے آئے ہوئے بکرے کی طرح میری طرف بے بسی سے دیکھا اور ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ ”تم مجھے کیسے بے ہوش کرو گے؟“

”فکر نہ کرو۔ تمہیں کوئی تکلیف ہوگی نہ پتا چلے گا اور تم بے ہوش ہو جاؤ گے۔“ ویرا اپنی دونوں ہتھیلیاں آپس میں رگڑتی ہوئی آگے بڑھ گئی۔

وہ کافی عرصے سے غیر فعال تھی لیکن بہر حال مارشل آرٹس میں تربیت یافتہ تھی۔ اس نے ڈو نلڈ کی کرسی کے پیچھے

کرتے ہوئے کھلی کی واپسی کا مطالعہ کیا تھا جسے اس نے سخت سے مسترد کر دیا تھا۔ اسے یہ جان کر شدید حیرت ہوئی کہ آئی بی والوں نے نشیمن میں کارروائی کے دوران کھلا موقع دستیاب ہونے کے باوجود کھلی کو اپنے ساتھ لے جانے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ کھلی کی آزادی سے وہ اس تذبذب میں پڑ جاتا کہ دوسری ملاقات میں کھلی نے آئی بی والوں کے سامنے وہ اہم باتیں اگل دی تھیں جنہیں جاننے کے لیے کنٹرل داور اسے واپس لینا چاہا تھا۔

انجینسٹک اور بن ڈیوڈ کے سر رہتیں۔ ہمارے ہاتھ صاف رہتے۔ بات صرف اتنی سی تھی کہ اداروں کے ناموں کی عملی گڑبگڑ جلال کوئی اعتراض نہ کرے۔

”تم کسی اور زبان میں کیوں بات کر رہی ہو؟“ ڈو نلڈ براہ راست ویرا سے مخاطب ہو گیا ”انگریزی میں بتاؤ کہ تم کیا کہہ رہی ہو؟“

”مجھے افسوس ہے ڈو نی کہ میرے ہاتھوں تمہارے اعضاء ریسیمہ و خبیثہ کو خاصا نقصان پہنچا ہے۔“ ویرا نے اپنی بے ساختہ ہنسی کو روکنے کی کوشش کرتے ہوئے انگریزی میں کہا ”اب تمہیں کسی سرزنش کی ضرورت نہیں رہی۔ یہ بتاؤ کہ ویرا اور ڈینی کے بارے میں تمہیں کیا پتا گیا تھا؟“

”ان دونوں سے تمہیں کیا لینا۔ وہ اچھی باتیں نہیں ہیں۔“ ڈو نلڈ نے اسے ٹالنے کی کوشش کرتے ہوئے جواب دیا۔

ویرا نے کہا ”مجھے بہت کچھ لینا ہے۔ ان دونوں کی زندہ یا مردہ گرفتاری پر بڑی رقم کا انعام مقرر ہے۔ مجھے اس پیسے کی ضرورت ہے۔“

”مجھے شبہ ہو رہا ہے کہ کہیں تم ویرا نہ ہو۔“ ڈو نلڈ نے غور سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا ”تم امریکی ہو پاکستانیوں کی بہت زیادہ خیر خواہ ہو اور انگریزی کے سوا اور دوسری زبانیں بھی بول سکتی ہو۔“

ویرا بے ساختہ ہنس پڑی۔ ”کاش میں ویرا ہوتی تو اسی وقت خود کو گرفتار کرادیتی۔“

”وہ کھلی اور بن سے زیادہ ٹیڑھا جوڑا ہے۔“ ڈو نلڈ سوچتے ہوئے بولا ”ویرا نے ڈینی کی خاطر ہر آسائش کولات مار کر خوفناک بین الاقوامی جرائم کی راہ اپنائی ہے جو آخر کار اس کے لیے تباہ کن ثابت ہوگی۔ ڈینی کے چکر میں پڑ کر اس لڑکی نے اپنا مستقبل تباہ کر لیا ہے۔“

”تو کیا وہ ڈینی سے شادی کر چکی ہے؟“ ویرا نے اشتیاق لہجے میں پوچھا۔ یوں معلوم ہو رہا تھا کہ جیسے ڈو نلڈ کی زبان سے میرے اور اپنے بارے میں باتیں سننے میں اسے

پر ویرانے حیرت سے پوچھا۔
 ”میں تمہارے گھر چل رہا ہوں۔ وہاں سے اپنے گھر
 جاؤں گا۔ اتنی رات گئے اس بے چارے کو راستے میں سے
 ملیر چھاؤنی کے لیے کوئی سواری نہیں ملتی۔“ اس نے بتایا۔
 ”اول خان ہمارے گھر کیوں جا رہا ہے؟“ وہاں سے
 رواگی کے بعد ویرانے مجھ سے سوال کیا۔

”اس کو غلط ہے کہ ہماری یا اس کی کسی غلطی کے بغیر
 اس واقعے میں آئی بی کا نام لیا جائے گا۔“ میں نے حالات کی
 ستم ظریفی پر دل ہی دل میں ہنستے ہوئے کہا۔
 ”مجبوری تھی۔ کیلی نم کو آئی بی کے آدمی کی حیثیت سے
 پہچانتی تھی۔ اس بارے میں اول خان ہمارے گھر جا کر کیا کر سکے
 گا۔“

”وہ چاہے گا کہ میں وقت ضائع کیے بغیر حلال کو پوری
 صورتِ احوال سے آگاہ کر دوں تاکہ اسے بعد میں کوئی
 شکایت نہ ہو۔“ میں نے جواب دیا اور گاڑی میں خاموشی چھا
 گئی۔

”اس وقت مجھے اندازہ ہو رہا ہے کہ شہروں کی بھاگ
 دوڑ میں سحر خیزی کی عادت کو ترک کر کے ہم لوگ کتنا نقصان
 اٹھا رہے ہیں۔“ کافی دیر بعد ویرانے سکوت توڑا۔ ”اس
 وقت ہوا اتنی تروتازہ ہے کہ بے اختیار گہرے سانس لینے کو
 طبعیت چاہ رہی ہے۔“

”قدرت کے اٹل اصولوں سے انحراف میں سراسر
 نقصان ہے۔ خرابیوں کے ساتھ جرائم بھی اسی انحراف سے
 جنم لیتے ہیں۔“

ویرانے نے ہنس دی۔ ”تم مجرموں سے لڑ کر آرہے
 ہو۔ اس نقصان میں بھی تمہارے ذہن پر جرم سوار ہیں۔“
 ہم گھر پہنچے تو غزالہ، سلطان شاہ کے ساتھ جاگ رہی
 تھی۔ رات کے کسی پیراس کو بستر میں میری غیر موجودگی کا
 احساس ہوا اور وہ ہڑبڑا کر بیدار ہو گئی۔ اس نے کمرے سے
 نکل کر پورے گھر کا طواف کیا مگر میں کہیں موجود نہیں تھا۔
 ویرانے نے کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ اس کے شب خوابی کے
 پیکڑے بے ترتیبی سے بکھرے ہوئے تھے اور وہ بھی غائب
 تھی۔ غزالہ نے پریشان ہو کر سلطان شاہ کو جگایا جو اس وقت
 تک خاصی نیند لے چکا تھا۔

”تم نے سوچا ہو گا کہ ہم دونوں ظالم سانج سے بغاوت کر
 کے کہیں فرار ہو گئے۔“ ویرانے قہقہہ لگا کر ان دونوں کی
 پریشانی کا مضحکہ اڑاتے ہوئے کہا۔
 ”تمہارے بارے میں بہت کچھ سوچا جاسکتا تھا۔ ان

پہنچ کر دونوں ہتھیاروں سے اس کی کپٹیاں رگڑیں اور ہلک
 جھپٹے میں ڈونڈ کی گردن ایک طرف ڈھلک گئی۔ اس کے
 پوٹے بوجھل ہو کر آنکھوں پر جھک آئے تھے۔
 اس کی وہ حالت دیکھ کر کیلی خوف زدہ ہو کر چیخ پڑی۔
 ”خدا تمہیں عارت کرے۔۔۔ تم نے مار دیا اسے!“

”یہ مرا نہیں، صرف بے ہوش ہوا ہے۔ اب تمہاری
 باری ہے۔“ ویرانے کہتی ہوئی اس کی طرف بڑھی تو اس نے
 ہڈیانی انداز میں چیخنا شروع کر دیا۔ اسے یقین نہیں آسکا تھا کہ
 ویرانے ڈونڈ کو صرف بے ہوش کرنے پر اکتفا کیا تھا۔
 کیلی نرم و نازک اور ویرانے سے کمزور تھی۔ اس کی
 مزاحمت کے باوجود ویرانے اسے چند لمحوں میں خاموش کر
 دیا۔

مجھے حیرت تھی کہ اس پوری کارروائی میں ڈونڈ کے
 بقیہ ملازمین سامنے نہیں آئے تھے۔ شاید وہ خوف سے کہیں
 دبکے ہوئے تھے۔ صرف چوکیدار سے ہمارا سامنا ہوا تھا۔
 اسے اول خان نے خاموش کر دیا تھا۔

ہم کسی کی مداخلت کے بغیر دوبارہ پورچ میں پہنچ گئے۔
 چوکیدار بے چینی سے ہماری واپسی کا منتظر تھا۔ اول خان نے
 اسے اپنی مادری زبان میں کچھ سمجھانا شروع کر دیا۔
 چند منٹ بعد ہم نشین سے باہر نکل کر اول خان کی جیب
 میں دوبارہ اولڈ کلکشن کے ویرانے پارکنگ ایریا میں پہنچ چکے
 تھے جہاں میری گاڑی پارک تھی۔

اس وقت صبح کے تین بجے کا عمل تھا۔ پورا شہر گہری
 نیند سو رہا تھا۔ اس علاقے سے گداگر اور نشے باز بھی غائب
 ہو چکے تھے۔ شاید سب نے اپنے مخصوص کونوں کھدروں
 میں پناہ لے لی تھی۔ اس سنانے میں صرف کتوں کے ایک
 رومان زدہ غول کا راج تھا جو ہم سے دور، دھیمی دھیمی
 آوازیں نکالتے ہوئے ایک دوسرے پر جھپٹ رہے تھے۔

”اس چٹان کا سویرا واقعی سحر انگیز ہے۔“ ویرانے بہت
 دور سے آنے والی لہروں کے بہت ہلکے ہلکے شور پر کان جما کر
 کہا۔ دن کے شور و غل میں سب کچھ دب کر رہ جاتا تھا۔ مگر
 اس پیر کے گہرے سکوت میں سمندر کا مدھم شور وہاں تک
 سنائی دے رہا تھا۔

پوری تیاریوں سے شروع ہونے والی مم ختم ہو چکی
 تھی۔ اول خان نے اپنے اسٹرائیک یونٹ کے کمانڈر کو
 اسٹیشن فور کی طرف واپسی کا حکم دیتے ہوئے یہ ہدایت بھی
 دی کہ وہ اول خان کے ہمراہی کو اپنے ساتھ لیتا جائے۔
 ”یہاں سے تم اکیلے جاؤ گے؟“ اس کی بات ختم ہونے

صحیح طریقہ

ڈینس میں نئے نئے آباد ہونے والے دو بڑوسی اپنے اپنے لان کے مسائل پر تبادلہ خیال کر رہے تھے۔ ایک بولا ”لان پر جب پودے نمودار ہونا شروع ہوتے ہیں تو صحیح پتا نہیں چلتا کہ وہ واقعی پودے ہیں یا بے کار جھاڑیاں اور جڑی بوٹیاں۔“

”میں تو نمودار ہونے والے سارے پودوں کو زمین سے اکھاڑ لیتا ہوں۔ اگر وہ دوبارہ آگ آئیں تو میں سمجھ جاتا ہوں کہ وہ بے کار جھاڑیاں اور جڑی بوٹیاں ہیں“ دوسرے بڑوسی نے بتایا۔

کے بارے میں، میں کوئی بری بات نہیں سوچ سکتی تھی۔“ غزالہ نے سنجیدگی سے جوانی چوٹ کر ڈالی پھر وہ مجھ سے مخاطب ہو گئی۔ ”میں نے جلال کو فون کیا تھا۔ وہ بھی پریشان ہو گیا۔ اسے فون کر کے بتادیں کہ آپ لوٹ آئے ہیں۔“

”تین رات گئے تم دونوں کہاں نکل گئے تھے۔ میری جان نکل گئی تھی۔“ سلطان شاہ نے منہ پھلا کر پورا سے کہا۔

”آرام سے بڑے سوتے رہتے۔ اپنی ننھی سی جان کو ایسے امتحانوں میں کیوں ڈالتے ہو۔“ ویرا چٹکنے لگی۔

”ان فضول باتوں میں وقت برباد نہ کرو۔“ اول خان نے دخل اندازی کرتے ہوئے کہا۔ ”جلال کو فون کرو۔ میں صرف اسی کام کے لیے یہاں آیا ہوں۔“

ہم بانچوں میں وہ سب سے سینئر تھا۔ اس کی بات کا احترام کیا جاتا تھا۔ سب خاموشی سے ڈرائنگ روم میں بیٹھ گئے اور میں نے اسپیکر فون پر جلال کا موبائل نمبر ملانا شروع کر دیا۔

”کہاں غائب تھے تم؟ کسی سے کچھ کہنے سے بغیر نکل کھڑے ہوتے ہو۔ یہ کیا طریقہ ہے تمہارا!“ وہ بھرا بیٹھا تھا۔ میری آواز سنتے ہی پھٹ پڑا۔

”دشمن کے ٹھکانے سے بکتر بند گاڑیاں نکل کر سڑک پر دوڑنے لگیں تو کسی سے کچھ کہنے سننے کا موقع نہیں رہتا۔“ اس کے تیور ٹھنڈے کرنے کے لیے مجھے ڈرامائی انداز اختیار کرنا پڑا۔

”کیا ہوا۔ تم کیا کر کے آئے ہو؟“ میری توقع کے عین مطابق اس کا لب و لہجہ بدل گیا۔

میں نے اسے تو فصل خانے سے نشین تک کی روداد سنانی شروع کر دی۔ آخر میں یہ خدشہ بھی ظاہر کر دیا کہ آئی بی کو الگ تھلک رکھنے کے بارے میں اس کی کوششیں بار آور ثابت نہیں ہو سکی تھیں۔ کیلی نے مجھے پہچان لیا تھا اور اگلے روز وہ کارروائی آئی بی کے سر ڈالی جانے والی تھی۔

”اس کی مجھے پروا نہیں۔“ میری پوری بات سن لینے کے بعد اس نے جواب دیا۔ ”میں تو فصل خانے کی نگرانی کے الزام سے چٹنا چاہ رہا تھا۔ میں نے اپنی داست میں اپنے آدمیوں کو وہاں سے بروقت ہٹا لیا تھا مگر تم بتا چکے ہو کہ ان کے حساس کیمرے میرے عملے کی تصاویر لے چکے تھے۔ نشین کا قلعہ میں سنبھال لوں گا۔ وہ کوئی سفارتی عمارت نہیں ہے۔“

”اب ہمیں سی نائین کا کھوج لگانا ہے۔۔۔۔۔“ درمیان میں جلال کی مداخلت کی وجہ سے میں اپنی بات پوری نہیں کر

سکا۔

”یہ ڈینس کے کسی کمرشل پلاٹ کا نمبر ہے۔ وہاں ہر فریق کا ایک کمرشل ایریا ہے۔ وہ اس نمبر کی دس بیس عمارتوں میں سے ایک ہوگی۔ میرے آدمی اس کا سراغ لگا لیں گے مگر ضروری نہیں کہ وہ وہاں سے ہاتھ آجائے۔ وہ بہت پھرتیلا ہے۔ ہمیں اسے گھیرنے کے لیے دوسرے طریقے بھی آزمائے پڑیں گے۔“ وہ کہہ رہا تھا۔

”تم کوئی دوسرا طریقہ تجویز کرو تو میں اس پر عمل کرنے کے لیے تیار ہوں۔“ میں نے پیشکش کی۔

”تو فصل خانے کا کیا حال ہے۔ وہاں کی نگرانی ہو رہی ہے؟“ جلال نے پوچھا۔

”بالکل ہو رہی ہے۔ وہ خوف زدہ ہیں اور وقفے وقفے سے بے آواز فائر کر رہے ہیں۔“

”آدمیوں کو وہاں سے ہٹا لو۔ ان کی تعیناتی کا مقصد حاصل ہو چکا ہے۔ ہمارا مجرم وہاں سے نکل کر کھلے میدان میں آچکا ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ ان وحشیوں کی کوئی جھلکی ہوئی گولی ہمارے کسی آدمی کو چاٹ لے۔ اب مجھے نئے سرے سے حالات کا جائزہ لینا ہوگا۔ تم سے معجزات ہوگی۔“

”صحیح تو ہونے والی ہے۔ میں کم از کم چار گھنٹے کی نیند لوں گا۔“ میں نے اسے آگاہ کیا۔

”تم بے فکری سے سو سکتے ہو۔ دفتری صبح نو بجے ہوتی

ہے جب سارے دفاتر آباد ہوتے ہیں۔“

میں نے فون بند کر دیا۔ اول خان اپریٹس سنبھالے میری گفتگو کے اختتام کا منتظر تھا۔ اسپیکر فون آف ہوتے ہی اس نے پیغام رسائی کی کوششیں شروع کر دیں۔

اول خان کو ادھر سے اطلاع ملی کہ دونوں میں سے صرف ایک بکتر بند گاڑی وہاں واپس لوٹی تھی۔ دوسری کا پتا نہیں تھا۔ وہ شاید تک کے استعمال میں تھی۔ سی ٹا میں نامی ٹھکانے پر بن پڑوڈ کے قدم جانے کے بعد ہی اس کی واپسی ممکن تھی۔ اول خان نے کہا کہ دوسری گاڑی کے واپس لوٹنے ہی اسے پیغام دے کر جگہیں چھوڑ دی جائیں اور عملے کے سب لوگ واپس اپنی اپنی جگہوں پر چلے جائیں۔ اس معقول اور واضح حکم میں کسی رد و بدل کی گنجائش نہیں تھی۔

”اب میں بھی چلتا ہوں۔“ اول خان اپریٹس جیب میں ڈالتا ہوا اٹھ گیا۔ ”آج میں تھک کر چور ہو چکا ہوں۔“

”چائے نہیں پیو گے؟“ غزالہ نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔ ”بھی دو منٹ میں بلاتی ہوں۔“

”اس وقت چائے پی لی تو نیند اڑ جائے گی۔ پتا نہیں کب موقع ملے۔ میں گھر جا کر سونا چاہتا ہوں۔“ اس نے خوبصورتی سے معذرت کر لی۔

”سی ٹا میں آئی مین کا وجود نہیں ملے گا۔“ اول خان کے رخصت ہونے کے بعد سلطان شاہ نے پُر زور لہجے میں کہا۔ ”اتنی معمولی سی بات تم دونوں کیوں نہیں سمجھ سکے کہ اس نے اپنی جان بچانے کے لیے تم دونوں کو ایک بے بنیاد مفروضے میں الجھا دیا ہے۔“

”شاید تم ابھی تک ادھڑ رہے ہو یا پھر کسی نشے میں ہو۔“ ویرا چیچ کر بولی ”ڈینی نے بتایا ہے کہ اس کی طرف سے سی ٹا مین کے انکشاف سے پہلے ہم انہیں زندہ چھوڑنے کا فیصلہ کر چکے تھے۔“

”تم نے فیصلہ کر لیا ہو گا مگر وہ الو کا چھا اس سے واقف نہیں تھا۔ اس کی راست میں ان دونوں کی جان خطرے میں تھی۔“

سلطان شاہ کا اعتراض منطقی طور پر درست تھا۔ ویرا اس پر بلاوجہ چراغ بامو رہی تھی۔ اصل نکتہ یہ تھا کہ سلطان شاہ الفاظ پر فیصلہ کر رہا تھا۔ ہم نے اپنا فیصلہ پوری فضا کو مد نظر رکھتے ہوئے کیا تھا۔ ڈوئلڈ اس وقت ہمیں فریب دینے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔

میں ان دونوں کو بحث میں الجھا ہوا چھوڑ کر وہاں سے اٹھا اور اپنے کمرے کی طرف چل دیا۔ غزالہ میرے ساتھ

تھی۔

بستر پر دراز ہونے کے بعد دیر تک میرا ذہن اسی معاملے میں الجھا رہا۔ مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے کہیں کوئی گڑبڑ تھی جو میرے ذہن کی گرفت میں نہیں آرہی تھی۔ غزالہ میرے پہلو میں لیٹی کچھ دیر تک چھیڑ چھاڑ کرتی رہی۔ میری توجہ نہ پا کر اس نے سونے کی کوششیں شروع کر دیں۔

پھر یکایک میرے ذہن میں روشنی سی ہو گئی۔ یہ بات بہت اہم تھی کہ دونوں ملاقاتوں میں کیلی نے مجھے میرے چہرے سے پہچانا تھا۔ میرا نام سرے سے اس کے علم میں نہیں تھا۔ فالکن ہاؤس سے گرفتاری، پولیس کی تحویل اور آئی بی کی قید سے لے کر زبانی تک اس کو یہ علم نہیں ہو سکا کہ آخر وہ کس کی قیدی تھی بے ہوشی کی حالت میں ٹام اور تک کے پاس پہنچنے کے بعد ان دونوں کی زبانی اسے معلوم ہوا ہو گا کہ اسے انتہائی جس بیورو والوں کی قید سے چھٹکارا ملا تھا اور یوں اس نے مجھے آئی بی کا آدمی سمجھ لیا۔ اس پورے قصے میں کہیں بھی اسپیشل ٹاسک فورس یا کرنل داور کا نام نہیں آیا تھا۔

میں کرنل داور بن کر اس بارے میں تک سے چھیڑ چھا ضرور کر سکتا تھا لیکن یہ ظاہر نہیں کر سکتا تھا کہ نشین میں نے اپنی ٹیم کے ہمراہ ڈوئلڈ اور کیلی کو گھیرا تھا۔ وہ نکتہ صاف ہوتے ہی میرے ذہن پر نیند کا غماز حاوی ہوتا چلا گیا۔ ایک لاشعوری الجھن تھی جو دور ہو چکی تھی۔ ذرا سی دیر میری آنکھ لگ گئی۔

○☆☆○

غزالہ نے اپنی نیند رات کی دو قسطوں میں مکمل کر لیا تھی اس لیے وہ مجھ سے پہلے بیدار ہو گئی تھی۔ آٹھ بجے میر جاگا تو جلال کا پیغام میرا منتظر تھا۔ وہ صبح سویرے صدف مینشن پہنچا ہوا تھا اور مجھ سے بات کرنے کا خواہاں تھا۔

طبیعت کا تکدر اور کم خوابی کی کسل مندی کو دور کر کے لیے میں نے ٹھنڈے پانی سے غسل کیا اور کمرے سے برآمد ہوتے ہی فون سنبھال لیا۔

جلال فون پر موجود نہیں تھا مگر چند لمحوں میں لائن ہ آگیا۔ ”رات کا اندھیرا بہت خیال انگیز اور انوکھا ہوتا ہے بستر مجھے خیال آیا کہ آئی مین کے پیچھے لگ کر ہم نے چوہا بالکل نظر انداز کر دیا ہے۔ آئی مین کو گھیرنے کے لیے وہ ہم کار آمد ثابت ہو سکتا ہے۔ میں چند گھنٹے گزارنے کے بعد سویرے ادھر آگیا تھا۔“

”چرا اور راجا کا اس سے فون پر قریبی رابطہ ہو



سپنس ڈائجسٹ میں شائع ہونے والا دلچسپ ترین سلسلہ

مخدوشوں کی کھانی ہوش مندوں کے لئے

ایک نوجوان کی خودنوشت جو اپنوں کے ہاتھوں برباد ہو کر منزل کا نشان کھو بیٹھا تھا۔
ان نوجوانوں کی داستان عبرت جن کی پرورش رشوت کے مال سے ہوئی تھی۔ ان
زر پرستوں کا احوال جنہیں سونے چاندی کی خیرہ کن چمک نے بینائی سے محروم کر دیا تھا۔
موت کے ان سودا گروں کا ماجرا جو اپنے بچوں کو اپنے ہی ہاتھوں زہر پلا رہے ہیں۔

میں نے یہ کہانی کارِ اقلیمِ علیم کے قلم سے

موت کے سوداگر

کتابی شکل میں 8 حصے شائع ہو چکے ہیں

کتاب کی قیمت
مع ڈاک خرچ بذریعہ
پیشگی منی آرڈر ارسال کریں

موت کے سوداگر کا ساتواں
اور آٹھواں حصہ شائع ہو گیا ہے

قیمت فی حصہ 60 روپے
ڈاک خرچ فی حصہ 23 روپے

پوسٹ بکس 23

کراچی 74200

کتابیات پبلی کیشنز

رمضان چیمبرز بلواریا اسٹریٹ آئی آئی چندریگر روڈ

فون: 5802552-5895313 فیکس: 5802551

kitabiat1970@yahoo.com

رابطے کے لئے: C-63 فیئر III یکس ٹینشن ڈی ایچ اے مین کورنگی روڈ (اتر کالونی بس اسٹاپ کے سامنے) کراچی 75500

تھا۔" میں نے اعتراف کیا۔

تسخرانہ تھی۔

"یہ مذاق کی نہیں بہت اہم بات ہے۔" میں نے کہا۔
 "یہ نکتہ میرے دماغ کے کسی گوشے میں مسلسل چبھ رہا تھا۔
 رات کو غور کرنے کے بعد سمجھ میں آیا ہے کہ مجھے کہاں
 موجود اور کہاں غیر حاضر رہنا ہے۔ اس کے بغیر بات گڑبڑ ہو
 سکتی تھی۔"

"مجھے معلوم ہے کہ اب تک کے پاس ہمارے لیے کچھ
 نہیں ہے۔ وہ اپنا بخش دور کرنا چاہ رہا ہو گا۔۔۔۔۔"

میں نے اس کی بات درمیان سے اڑا دی۔ "یہ نہ کہو۔
 غلط میں بن کو قوصل خانے سے نکال کر ان لوگوں نے اپنا
 واسن صاف کر لیا ہے۔ اب وہ پریس کی دھمکی سے مرعوب
 نہیں ہو گا۔ اس کے پاس ان لوگوں کی تصاویر ہیں جو کل صبح
 قوصل خانے کی نگرانی کر رہے تھے۔ وہ انہیں ہوا دے سکتا
 ہے۔"

"پہلے میں اس بارے میں فکر مند تھا۔ تم نے اپنی تجویز
 سے میری مشکل آسان کر دی۔ تصویروں کا معاملہ اچھلا تو
 جواب تیار ملے گا۔ میں نے نامعلوم مشتبہ افراد کی نقل
 و حرکت کی خبریں ملنے کے بعد..... اپنے اسٹاف کو اس
 عمارت کی حفاظت پر مامور کیا تھا۔ موجودہ حالات میں میرے
 اس اقدام پر انگشت نمائی نہیں کی جا سکے گی۔"

"گڈ! اس بار میں بنے بغیر نہیں رہ سکا۔ ہم دونوں
 کو اپنے اپنے سبق اچھی طرح یاد ہیں۔"

"بس پھر جلدی آجاؤ۔ میں بھی ناشتا کئے لیتا ہوں۔ گھر
 سے چائے کی صرف ایک پیالی پی کر صدف مینشنگ گیا تھا۔
 اس سے گفتگو ختم کر کے میں نے تیزی سے ناشتا کیا۔
 اس وقت تک ویرا سو رہی تھی اور سلطان شاہ اپنے کمرے
 میں مصروف تھا۔ میں دوبارہ اپنے کمرے میں گھس گیا تاکہ
 تک سے بات کر سکوں۔"

"ہائے نک! کیا حال ہیں؟" فون پر اس کی آواز سنتے ہی
 میں نے شگفتہ لہجے میں رسمی سا سوال کیا۔

"تمہارے کیا حال ہیں۔" اس نے بھی رکھی جواب دیا
 اور پوچھا۔ "جلال کہاں غائب ہے۔ میں پچھلے ایک گھنٹے سے
 اس کی تلاش میں ہوں۔"

"دفتر کا وقت نو بجے شروع ہوتا ہے لیکن وہ زیادہ فرض
 شناس ہے۔ بیدار ہوتے ہی کہیں نہ کہیں مصروف ہو جاتا
 ہے۔"

"گزری ہوئی رات کے واقعات کے بارے میں کچھ
 علم ہے۔" نک نے محتاط لہجے میں پوچھا۔

"میرے سامنے بس یہی ایک اشارہ تھا۔ چوڑا اندر سے
 اس قدر ٹوٹ چکا ہے کہ وہ زیادہ دیر تک مار نہیں سہ سکا۔
 اس نے تسلیم کر لیا ہے کہ راکے چاروں ایجنٹ اس کے علاوہ
 بن ڈیوڈ سے بھی براہ راست ہدایات لیتے تھے۔ اب پتا چلا
 ہے کہ اس کی اصل قوت کہاں مرکوز تھی اور گولڈن فارمیسی
 کو آگ لگانے والے کون تھے۔"

"یہ اس قصے کی گمشدہ کڑی تھی۔ مجھے یہی پریشانی لاحق
 تھی کہ جب اس کے سارے اہم مہرے ہمارے قبضے میں
 آچکے تھے تو کون لوگ اس کا ساتھ دے رہے تھے۔ وجے کی
 تواضع کی جائے گی تو وہ اگلے دن گاہک جمائیکر کی دکان کو کس
 نے آگ لگائی تھی۔ یہ درندے ایک طرف شہر میں بموں کے
 دھماکے کر رہے تھے اور دوسری طرف آئی مین کے ہاتھ
 مضبوط کر رہے تھے۔ ان چاروں کے آئی مین سے رابطے کی
 کیا صورت تھی۔"

"امریکی ساخت کے ایم ففٹی ٹرانسمیٹرز۔" اس نے
 انکشاف کیا۔ "یہ پچاس کلومیٹر کی رینج میں بہت اچھا کام
 کرتے ہیں۔ چاروں کے پاس اپنا اپنا آپریشن تھا۔"
 "لیکن گرفتاری کے وقت وجے کے پاس سے ایسا کوئی
 مواصلاتی آلہ برآمد نہیں ہوا تھا۔" میں نے قدرے حیرت
 سے کہا۔

"اسے بعد میں پھینٹوں گا۔" ابھی میں چوڑا کو نچوڑ رہا
 ہوں۔ اسے نظر انداز کر کے ہم نے جو غلطی کی ہے اس کا
 بھرپور ازالہ ہونا ضروری ہے۔ "جلال کی نظر آئیز آواز
 آئی۔" ہو سکتا ہے گرفتاری کا خطرہ اپنے سر پر منڈلاتا ہوا
 دیکھ کر اس نے اپنا آپریشن پھینک دیا ہو۔"

"بہت دلچسپ صورت حال ہے۔ میں ناشتا کر کے وہیں
 آ رہا ہوں۔ ٹام اور نک کی کیا خبر ہے؟"

"نک دو مرتبہ کراچی آفس فون کر چکا ہے۔ وہ مجھ سے
 بات کرنے کے لیے بے چین ہے۔" جلال نے ہنسی کے ساتھ
 جواب دیا۔ "اس کے پاس میرے دوسرے نمبر نہیں ہیں
 ورنہ وہ اب تک موبائل پر مجھ سے رابطہ کر چکا ہوتا۔ تمہاری
 رات والی کارگزاری نے اس کے ہاتھ پر پھلادے دیے ہوں
 گے۔"

"اسے میں دیکھ لیتا ہوں۔ تم یکسوئی سے چوڑا اور
 وجے پر اپنا کام جاری رکھو۔"

"ذرا یہ یاد رکھنا کہ تم ایس بی ایف والے ہو۔ رات کی
 کارروائی آئی بی اسٹاف نے کی تھی۔" اس بار جلال کی آواز

”ہاں“ قوفصل خانے کے محافظ اعصاب زدہ تھے۔ وہ ساری رات اپنی چھت سے بے آواز رانگنوں کے فائر کرتے رہے۔ یہ رانگن بہت تشویش ناک ہے۔“

”وہ بے نام سائوں پر بھی گولیاں چلانے پر مجبور تھے۔ میں نے تمہیں بتا دیا تھا کہ ہمارے خفیہ کیمروں نے ایسے مشتبہ آدمیوں کی تصاویر لی تھیں جو صبح سے مسلسل قوفصل خانے کے آس پاس منڈلا رہے تھے۔ ان میں سے کم از کم ایک آدمی کو پہچان لیا گیا ہے۔ وہ آئی کی کا عرفان ہے۔“

”میرا خیال ہے کہ وہ قصہ ہماری کل کی گفتگو میں منٹ گیا تھا۔“ میں نے چہیتی ہوئی آواز میں کہا۔

”کل یہ مسئلہ صرف کل کے لیے نمٹا تھا۔ آج پھر تازہ ہے۔“ اس نے مکاری سے جواب دیا۔ ”تم چاہو تو اب بن ڈیوڈ کے بارے میں پریس کانفرنس کر سکتے ہو۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔“

”تم سمجھ رہے ہو کہ بن ڈیوڈ اور کیلی کو وہاں سے نکال دینے کے بعد ان کی وہاں موجودگی کے سارے ثبوت بھی ختم ہو چکے ہیں تو یہ تمہاری کم نمسی ہے۔ میری پریس کانفرنس تمہارے لوگوں کے لیے سنگین مسائل کھڑے کر سکتی ہے۔“ میں اسے ڈرا دیا۔

”خوب!“ اس کی آواز میں ہلکا سا طنز تھا۔ ”میں اسی معاملے کے سلسلے میں جلال سے بات کرنی چاہ رہا تھا۔ تم بھی ان واقعات سے باخبر معلوم ہوتے ہو۔ میرا اندازہ ہے کہ اس وقت تم لوگ ایک دوسرے کے ساتھ مل جل کر کام کر رہے ہو۔“

”ہم مل جل کر ہی کام کرتے ہیں۔ اسی طرح جیسے تم عام کے ساتھ ایک ہی دفتر میں بیٹھے ہو۔“ میں نے جواب دیا۔

”کل رات آئی بی والوں نے کیلی کو پھر ہراساں کیا ہے۔“ اس نے شکایت کی۔

”آئی بی والے اپنے مجرموں کا دور تک پیچھا کرتے ہیں۔ ابھی تک کیلی کے لیے گناہی ثابت نہیں ہوئی ہے۔ گاہے گاہے اس کی پڑتال ہوتی ہے۔ یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ تم نے اپنی بیباہ میں آئی ہوئی ایک بے یار و مددگار امریکی عورت کو اچانک کھلی دھوپ میں کیوں پانک دیا۔ یہ آئی بی والوں کا احسان ہے کہ وہ اسے اپنے ساتھ نہیں لے گئے۔“

”وہ اتنے نرم دل اور انسان دوست نہیں ہیں۔ کیلی نے ان کے مطلب کی باتیں بتا دی ہوگی۔ اس کے بعد اسے لے جانا بے سود تھا۔“

”یہ تم جانتے ہو کہ کیلی تم لوگوں کی سرگرمیوں کے

بارے میں کیا کچھ جانتی ہے۔“ میں نے کاٹ دار لہجے میں کہا۔

”کیلی کے ساتھ اس کا میزبان بھی تھا۔ جب ان دونوں کی ضرورت نہیں تھی تو ان لوگوں کو وہاں کیوں بھیجا گیا۔“

”نک کے ذہن پر کوئی نہ کوئی الجھن سوار تھی لیکن وہ مجھ سے کھل کر اور براہ راست کوئی سوال کرنے کے لیے موزوں الفاظ کا انتخاب نہیں کر پاتا تھا۔“

”اب اتنے معصوم اور بھولے نہ بنو۔ وہ مشق بن ڈیوڈ کے لیے تھی۔ اسے نشین میں نہیں اتارا گیا۔ تم ڈانج دے کر اسے کہیں اور لے گئے۔ وہ وہاں ہوتا تو ضرور پکڑا جاتا۔“

”تم کیا جانو کہ اسے کون لے کر گیا تھا۔“ اس نے تحیر زدہ آواز میں بے ساختہ سوال کیا۔

”تم سے مراد تم ہی ہو۔“ میں نے زور دے کر کہا۔ ”کیلی کو اسی لیے چھوڑ دیا گیا کہ اسے بے ہوشی کی حالت میں وہاں لایا گیا تھا۔ اسے کچھ معلوم نہیں تھا لیکن پروفیسر ڈوئلڈ بگڑا ہوا شریف آدمی ہے۔ اس نے تمہاری آمد اور بن ڈیوڈ کے ساتھ روانگی کی کہاں بلا کم و کاست سنا دی۔ تم کو اندازہ ہو جانا چاہیے کہ اس وقت تم کہاں کھڑے ہوئے ہو۔“

”ڈوئلڈ بھی رات کے واقعات سے پریشان ہو گیا ہے اور اس نے میاں کام کرنے سے صاف انکار کر دیا ہے۔ تمہاری وزارت خزانہ اس کی واپسی کو پسندیدگی کی نگاہوں سے نہیں دیکھے گی۔“ نک کا لہجہ معنی خیز ہو گیا۔ ”تم لوگ اپنی حرکتوں سے دوسرے شعبوں کے لیے دشواریاں پیدا کر رہے ہو۔“

”مسئلوں کے نام پر تمہارے آدمیوں کو کھلی چھوٹ نہیں دی جاسکتی۔ ہم دیکھتے ہیں کہ تم کب تک بن ڈیوڈ کو قانون کی گرفت سے بچاتے ہو۔“

”بن ڈیوڈ کے بارے میں تم من گھڑت باتیں کر رہے ہو۔ اس سے ہمارا کوئی تعلق نہیں ہے۔“ اس کی آواز میں رکھائی تھی۔

”کل تم اس کے بارے میں پریس کانفرنس طلب کرنے پر مجھے سنگین نتائج کی دھمکی دے رہے تھے۔ آج نئی فلا بازی کھا رہے ہو۔ شاید تمہیں اطمینان ہو گیا ہے کہ قوفصل خانے سے بن ڈیوڈ کی روانگی کے بعد تمہارے لیے کوئی بڑی پریشانی پیدا نہیں ہو سکے گی مگر یہ تمہاری بھول ہے۔“

”ہوش مند آدمی سے غلطی صرف ایک بار ہوتی ہے۔“ اس نے میری بات کاٹ کر کہا۔ ”اب ایسی کسی غلطی کا اعادہ نہیں ہوگا جس سے تمہارے ہاتھ مضبوط ہو سکیں۔“

”وہ تہا سفر نہیں کر سکتی۔ جب تک وہ یہاں رہے گی لوگ اسے ہراساں کرتے رہو گے۔ اسے واپس بھیج کر! ایک سو ہو جاؤں گا۔“

”شائد تم ان دونوں کی طرف سے بے فکر ہو کر ا ساری توجہ بن ڈیوڈ پر مرکوز کرنا چاہ رہے ہو۔“

”میں نے کہہ دیا کہ اس سے میرا کوئی تعلق نہیں۔ وہ ایسی جگہ روپوش ہے کہ تمہارے ہاتھ اس تک نہیں

سکتے۔“

میں اس کی تصدیق پر ہنس پڑا۔ ”تم کو ذہنی علاج لیے کسی ممکن دوا کی ضرورت ہے۔ ایک طرف اس اپنی لائقیت کا اعلان کر رہے ہو اور اسی سانس میں اس ٹھکانے کے بارے میں بے سروپا دعوے کر رہے ہو۔“

”اس کے بارے میں“ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں وہ میرا اندازوں پر مبنی ہے۔“

”کل تم اس کے سب سے بڑے حامی اور مددگار تے اب اس سے بالکل انجان بن رہے ہو۔ تم کو معلوم ہے کہ اپنی بے سروپا اور دوغلی باتوں سے مجھے فریب نہیں دے سکتے۔ اگر شتر مرغ کی طرح اپنے آپ کو دھوکا دینے کی کوشش کر رہے ہو تو اور بات ہے۔“

”کل میں نے اس کی حمایت نہیں کی تھی۔ اس حوالے سے تمہیں بے بنیاد الزام تراشی سے روکا تھا۔“

”اس لیے کہ اس وقت وہ تمہارے قوصل خانے پناہ گزین تھا۔“ میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔

”وہ کبھی بھی وہاں نہیں تھا۔ تم جھوٹے ہو۔“ اس آواز اشتعال آمیز ہو گئی۔

”تم مجھے جھوٹا کہہ سکتے ہو۔ کیلی کے بارے میں کیا گے؟“ میں نے طنزیہ لہجے میں سوال کیا۔

”کیا اس نے اس بارے میں تم لوگوں سے کوئی بات تھی؟“ میرے سوال نے اسے چونکا دیا۔

”میں تو سرے سے نشین گیا ہی نہیں تھا۔“ میں وضاحت ضروری سمجھتے ہوئے کہا ”اس نے آئی بی والوں کو دیا ہے کہ قوصل خانے میں قیام کے دوران میں آئی بی وہاں موجود تھا اور کئی بار اس سے ملا تھا۔ تمہارے لیے ا کو جھٹلانا آسان نہیں ہو گا۔“

”وہ کتنا کی بچی ہے۔“ میرے کانوں میں اس کی بے سار غصیلی آواز آئی۔ ”وہ آٹو کی پٹھی ہلنے چلنے سے معذور ہے اسے کیا پتا کہ جب بن نے دو مرتبہ اس سے ملا تاہیں کیر

کر لیا تھا۔“ اس کی کوئی بات قابل اعتبار نہیں ہے۔

”ایک بار بن ڈیوڈ ہمارے ہاتھ آجائے تو پھر تمہیں سب پتا چل جائے گا۔ سفارتی تحفظات کی وجہ سے کچھ ہو یا نہ ہو۔ تم از کم تم کو پاکستان سے نکال دیا جائے گا۔“

”میں اس سے تبادلے کا حکم آنے پر مجھے خوشی ہوگی۔ یہ ملک رہنے کے قابل نہیں ہے جہاں انکھل پر پابندی ہے عورتوں کی آزادی پر ایسی سنگین اور ناروا پابندیاں عائد ہیں کہ وہ اپنی مرضی سے اپنی پسند کے کسی مرد سے نہیں مل سکتیں، تفریح گاہیں وجود زن سے خالی اور بے رونق نظر آتی ہیں۔“

”ایسی آزادیاں تم ہی کو مبارک ہوں جن کے نتیجے میں لاکھوں امریکی باپ دوسروں کی اولادوں کو پالنے پوسنے پر مجبور ہیں۔“

”یہ ہر دور میں اور ہر جگہ ہوتا آیا ہے۔ اگر امریکا میں ایسے واقعات کی شرح زیادہ ہے تو اسے بنیاد بنا کر عورتوں کو کچلا نہیں جاسکتا۔ یہ بہت لمبی بحث ہے کہ اقدار اور فرد کی آزادی میں سے کس چیز کو مقدم ہونا چاہیے۔ یہ بتاؤ کہ تم نے اس وقت فون کیوں کیا تھا۔“

”تم کو جلال کی تلاش تھی۔ وہ کہیں مصروف ہے۔ اس نے مشورہ دیا تھا کہ میں تمہاری بات سن لوں۔“

”رات کے واقعے سے ثابت ہو رہا ہے کہ اب تمہیں کیلی کی ضرورت نہیں رہی۔ کیا میرا یہ قیاس درست ہے؟“

اس نے قدرے توقف کے بعد پوچھا۔

”فی الحال یہ کہا جاسکتا ہے۔“ میں نے محتاط لب و لہجے میں جواب دیا۔

”میں طویل دفتری کارروائی میں نہیں الجھنا چاہتا۔ مجھے کیلی اور بن کے پاسپورٹ درکار ہیں۔“

”میں کوئی وعدہ نہیں کر رہا۔ شائد کیلی کا پاسپورٹ تم کو واپس کر دیا جائے۔ بن کا پاسپورٹ نہیں لوٹایا جاسکتا۔“

”وہ مجھے کب مل جائے گا۔“ اس نے بن ڈیوڈ کے پاسپورٹ کی واپسی پر اصرار کیے بغیر پوچھا۔

”میں جلال سے بات کیے بغیر اس سلسلے میں کوئی وعدہ نہیں کر سکتا۔“

”ڈونلڈ یہاں سے بدظن ہو چکا ہے اور ایک لمحے کے لیے پاکستان میں رکنے کے لیے آمادہ نہیں ہے۔ میری خواہش ہے کہ کیلی بھی اسی کے ساتھ وطن چلی جائے۔ وہ راستے میں اس کی دیکھ بھال کرتا رہے گا۔“

”تم نے کہا تھا کہ کیلی زخمی ہے اور ابھی سفر کے قابل نہیں ہے۔“ میں نے اس کی بات کو نظر انداز کیا۔

”میں نے اس کی بات کو نظر انداز کیا۔“

مسلل ہوش اور بے ہوشی کی حالت سے گزر رہی تھی۔ اسے کچھ نہیں معلوم کہ وہ کہاں کہاں رہی ہے۔
”تم کسی جھوٹے وکیل کی طرح نکتہ طرازی کر رہے ہو۔ وہ مشکل سے چند گھنٹوں تک تمہاری تحویل میں رہی ہے۔ تم نے اسے کتنی بار بے ہوش کر لیا ہو گا۔ میں ایسی کسی دوا سے واقف نہیں ہوں جو آدی کو بے ہوش کر دے اور اس کا اثر ذرا سی دیر میں زائل ہو جائے۔ مجھ سے کچھ ہوش کی باتیں کرو۔“

”مجھے اندازہ تھا کہ کیلی کی کسی ہوئی باتوں کا دہرانا اس کے حق میں مضرت ثابت ہو گا لیکن مجھے کیلی سے کوئی ہمدردی نہیں تھی۔ وہ مجرمہ نہ رہی ہو تب بھی ایک بڑے مجرم کی دوست اور ساتھی تھی۔ میں اس کے انجام سے بالکل بے پرواہ ہو کر اپنے مفادات حاصل کرنے کے لیے کوشاں تھا۔“
”میں پھر کہہ رہا ہوں کہ کیلی کی کسی بات کا اعتبار مت کرو۔“ وہ تخیل پرست عورت ہے۔ تمہاری نظروں میں اہمیت حاصل کرنے کے لیے اس نے من گھڑت باتیں کی ہیں۔ بن ڈیوڈ سے ہمارا کوئی تعلق نہیں۔ اسے تلاش کرو۔ اگر تم نے... اسے پکڑ لیا تو ہم اسے بچانے کی کوئی کوشش نہیں کریں گے۔ دنیا کے ہر مجرم کو کسی لحاظ کے بغیر اپنے انجام کو پہنچنا چاہیے۔ یہ ہمارا ریاستی اصول ہے اور ہم اس پر سچے دل سے عمل کرتے ہیں۔“

”اس وقت تمہاری ہر بات تضاد پر مبنی ہے۔ تھوڑی دیر پہلے تم نے مجھ سے بن کے پاسپورٹ کی واپسی کا مطالبہ کیا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے بن تمہاری تحویل میں ہو اور تم کیلی کے ساتھ اسے بھی جلد سے جلد پاکستان سے باہر بھیج دینا چاہتے ہو۔“

”یہ تمہارے ذہن کا فنور ہے کہ تم میری ہر بات کا غلط مطلب نکال رہے ہو۔ پاسپورٹ ہماری قومی دستاویز ہے۔ اسے ہمارے قبضے میں آنا چاہیے۔ اس کا بن کے فرار ہونے سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ میں نے تم سے ایک سرسری سا مطالبہ کیا تھا۔ اس پر کوئی اصرار نہیں کیا تھا۔“

”ڈونلڈ نے بتایا ہے کہ کل رات تم دونوں بکتر بند گاڑیوں میں نشین گئے تو بن ڈیوڈ بھی تمہارے ساتھ تھا۔“

”میں نے کب اس بات سے انکار کیا۔ اس کی موجودگی کا ذکر تم نے پہلی بار نکالا ہے۔“ میں اس کی ڈھٹائی پر حیران رہ گیا۔

”کیلی کو تم نے نشین میں چھوڑ دیا۔ وہ کہاں گیا؟“ میں نے پوچھا۔

”واپسی پر اسے راستے میں اتار دیا گیا۔ اس نے کیلی کی خیر و عافیت معلوم کرنے کے لیے ہم سے خود رابطہ کیا تھا۔ وہ دونوں پردیس میں آئے ہوئے امریکی شہری ہیں۔ ہم نے اسے اس شرط پر آنے کی اجازت دے دی تھی کہ وہ کوئی شرارت یا غیر قانونی حرکت نہیں کرے گا۔ کیلی سے مل کر چلا جائے گا۔“ تک نے ایک طویل وضاحت پیش کر دی۔ اسے معلوم تھا کہ قوتل خانے کی ٹکرائی کی جاری بھی پھر کیلی اور ڈونلڈ بازرپس کے حراصل سے گزرے تھے۔ انہوں نے بہت کچھ بتا دیا ہو گا۔ اس نے کیلی کی ایک بات کو جھٹلایا تھا۔ اس کے لیے ہر بات کو جھٹلانا ممکن نہیں تھا۔

”وہ تمہارے قبضے میں آ گیا تھا تو تمہیں اپنے وعدے کے مطابق اس کو ہمارے حوالے کر دینا چاہیے تھا۔“ میں نے عینکھ لہجے میں کہا۔

”ہم نے اپنے طور پر اسے پکڑا ہوتا تو ضرور اسے تمہارے قانون کے حوالے کر دیتے لیکن وہ ہم سے واپسی کا وعدہ لے کر آیا تھا۔ ہم وعدہ شکنی نہیں کر سکتے تھے۔“

”تم ہمیں خبر کر دیتے تو تمہارا وعدہ پورا ہونے کے بعد اسے راہ چلتے پکڑا جاسکتا تھا۔“

”ہنگامی حالات میں کیے جانے والے فیصلوں میں بہت سے پہلو تشنہ رہ جاتے ہیں۔ بروقت فیصلہ کرنا دنیا کا مشکل ترین کام ہے۔ ان فیصلوں پر بعد میں ہزار تنقیدیں کی جاسکتی ہیں۔ تمہارا نکتہ اپنی جگہ پر درست ہے لیکن شاید وقت پر کسی کو اس کا خیال نہیں آیا ہو گا۔“

دل ہی دل میں وہ سب کچھ سمجھ رہا ہو گا لیکن بولنے کے معاملے میں بہت احتیاط سے کام لے رہا تھا۔ میں نے نرمی سے کہا۔ ”شائد تم اپنے منصب کی پابندیوں میں جکڑے ہوئے ہو اس لیے گول مول باتیں کر رہے ہو لیکن اس وقت تم نے اندازہ لگالیا ہو گا کہ تم کہاں کھڑے ہو۔“

”یہی بات میں تمہارے بارے میں بھی کہہ سکتا ہوں۔“ اس نے حاضر دماغی سے کام لیتے ہوئے جواب دیا۔ ”شائد اب تمہیں جلال کی تلاش نہیں رہے گی۔“ میں نے اس کی تصدیق چاہی۔

”نہیں... کچھ باتیں تشنہ تھیں جن کے جواب مل گئے۔ مجھے امید ہے کہ اب تمہاری طرف سے ڈونلڈ اور کیلی کو تنگ نہیں کیا جائے گا۔“

”میں پھر کہہ رہا ہوں کہ بن ڈیوڈ کو وہاں نہ لے جایا گیا ہوتا تو ہم ادھر کا رخ بھی نہ کرتے۔ اس وقت ہم صرف اس کی پوچھ لگے ہوئے ہیں۔ وہ جلد ہی ہمارے جال میں آجائے گا۔“

میں نے کسی بھی مرحلے پر اسے یہ ہوا نہیں لگندہ دی کہ ڈونلڈ نے رازدارانہ طور پر ہمیں سی نائن کے بارے میں بتادیا تھا۔ ”کیلی کا پاسپورٹ مجھے کب مل سکتا ہے؟ اس نے پوچھا۔

”میں کچھ چکا ہوں کہ یہ جلال کی صوابدید کا معاملہ ہے۔ اسے اعتراض نہ ہوا تو شاید ہمیں آج ہی لفافہ مل جائے گا۔“ اس سے خاصی طویل گفتگو ہو چکی تھی۔ کموڈیشن ہراہم نکتے پر تبادلہ خیال ہو چکا تھا۔ میں نے فون بند کر دیا۔ یہ بات روز ازل سے ہی سامنے آ چکی تھی کہ آئی مین کو امریکی حکومت اور ایجنسیوں کی بھرپور سرپرستی میں پاکستان کے میدان میں اتارا گیا تھا۔ ابتدا میں اس کے مقاصد سامنے نہیں تھے کیونکہ اس نے شہر میں شی کے پرانے روابط سے کام لے کر ہیروئن فروشی کا محدود جال پھیلا لیا تھا مگر جلد ہی یہ بات واضح ہو گئی کہ وہ اپنے سارے وسائل بروئے کار لا کر مجھے اور ویراکو گھیر کر مارنے کے لیے پاکستان آیا تھا۔ اس کے خلاف اخبارات میں بہت سا مواد شائع نہ ہوا ہوتا تو شاید امریکی کھل کر اس کی حمایت پر اتر آتے لیکن بی باون والے واقعے کے بعد ہی اول خان نے اپنے دوستوں کے تعاون سے آئی مین کے خلاف اتنی بھرپور اخباری مہم چلائی تھی کہ امریکی سفارت کاروں کو آئی مین کی کھلی حمایت کا ارمان پورا کرنے کا موقع نہیں مل سکا۔

وہ لوگ دنیا کی کسی طاقت سے نہیں ڈرتے تھے لیکن میرا تجربہ اس بات کا شاہد تھا کہ امریکی افسران پریس سے خوف کھاتے تھے۔ شائد واٹر گیٹ اسکینڈل میں صحافت کا بھرپور کردار سامنے آنے کے بعد وہ خوف پوری امریکی حکومت اور انتظامیہ کے دلوں میں سرایت کر گیا تھا۔ مجھے خوشی تھی کہ غیر ملکی دشمنوں کے خلاف اس مہم میں ہمیں اس موثر ذریعے کی پوری تائید و حمایت حاصل تھی۔

میں تیار ہو کر صدف مینشن کے لیے روانہ ہو گیا جہاں جلال میرا منتظر تھا۔ جلال نے صدف مینشن کے مختصر اور سادہ سے دفتر میں میرا استقبال کیا اور میں نے رسمی فقروں کے تبادلے کے بعد اپنی اور نک کی گفتگو کا ذکر چھیڑ دیا۔ وہ درمیان میں تبصرے کرتا جا رہا تھا لیکن اس نے کسی نکتے پر اعتراض نہیں کیا تھا۔ ”کیلی کے پکڑے جانے کے بعد حالات نے ایک دم پلٹا کھایا ہے۔“ میری کہانی ختم ہونے پر اس نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔ ”آئی مین کی ذات جو اسرار کے پردوں میں لپیٹی ہوئی

تھی، تیزی سے بے نقاب ہو چکی ہے۔ اس نے یہاں کافی اٹھ پیر پھیلا لیے ہیں۔“ ”کیا اس کے بارے میں کوئی نئی بات سامنے آئی ہے؟“ میں نے چونک کر پوچھا۔

”چوڑا بہت گہرا آدمی ہے۔ میرا خیال تھا کہ اس سے سب کچھ اگھوایا گیا ہے مگر وہ آئی مین سے اپنے آدمیوں کے براہ راست رابطے کے بارے میں خاموش تھا۔ آج میں نے اسے بہت بری طرح مارا تھا۔ اس کی کم از کم دو پمپلیاں ٹوٹ چکی ہیں۔“

”ایسے مجرموں کو مار مار کر لنگڑا لولا بنادینا ہی سب سے بہتر ہوتا ہے۔ قانونی سزائیں ان کی اصلاح کے لیے ناکافی ثابت ہوتی ہیں۔“ میں نے نفرت سے کہا پھر پوچھا ”میں نے تم سے کسی نئی بات کی دریافت کے بارے میں پوچھا تھا۔“

”ہاں“ وجے نے گرفتاری کا خطرہ اپنے سر پر منڈلاتا ہوا دیکھ کر اپنا تھیلی میں پلٹا ہوا ایم ایف پی فٹسی رولز کے نالے میں پھینک دیا تھا۔ ”اس نے مسکراتے ہوئے بتایا۔

”یعنی تم نے اس پر بھی ہاتھ صاف کر لیا۔“ میں نے منہ بنا کر کہا۔

”خالی بیٹھا ہوا تھا۔ تمہارے آنے میں دیر ہوئی تو میں وجے کے سر پر پتھر پھینک دیا۔ وہ بھی بہت ڈھیٹ آدمی ہے۔“ ”پھر میرے لیے یہاں کیا رہ گیا۔ باتیں بعد میں بھی ہو سکتی تھیں۔“

”بمبوں کے دہرے دھماکے آئی مین کی ہدایت پر کیے گئے تھے۔ وہ خون بھی اس کی گردن پر ہے۔“ اس نے بتایا۔

”اور گولڈن فارمیسی کی آتش زنی کے بارے میں وہ کیا کہتا ہے۔“ میں نے جیس سے پوچھا۔

”وہ دکر آتے ہی اس کا منہ اتر گیا تھا کیونکہ وہاں جلنے والا ایک بچہ ہلاک ہو چکا تھا۔ وہاں ان چاروں نے مل کر آگ لگائی تھی۔ بعد میں گولیاں برساتے ہوئے چلے گئے تھے۔ کسی لاسکی رابطے کے بغیر یہ ناممکن تھا کہ فالکن ہاؤس سے آئی مین کے فرار کے ڈیڑھ دو گھنٹے میں کوئی جوابی واردات کی جاسکتی۔“

جلال میرے جتنے سے پہلے ہر کام سے منٹ چکا تھا مگر اسے اندازہ تھا کہ ان دونوں خبیثوں کی طرف سے میرے دل میں خاصا غبار جمع ہو چکا تھا۔ مجھے مزید جھنجھلاہٹ یہ تھی کہ آئی مین کا نام سامنے آنے کے بعد ہم نے ہر طرف سے اپنی آنکھیں بند کر لی تھیں۔ چوڑا اور وجے کو نظر انداز کر کے اپنی ساری توجہ آئی مین کے تعاقب پر مرکوز کر دی تھی جب کہ وہ

سب ایک تھیلی کے جتے تھے اور پاکستان کے خلاف مثالی
یک جہتی کے ساتھ سرگرم عمل تھے۔

اور وہ بے کی طرف متوجہ ہو گیا۔
وہ میرے تیر بھائی بن گیا اور فتح ہونے والے کسی
بکرے کی طرح حلق پھاڑ کر چیخنے لگا ”مجھے ہاتھ نہ لگانا، مجھے نہ
مارنا۔ اپنے ساتھی سے پوچھ لو۔ میں نے اسے ہر بات بتادی
ہے۔ میں نے کچھ نہیں چھپایا۔ اگر تم کو کچھ پوچھنا ہے تو تم
بھی پوچھ لو۔ جو بات مجھے معلوم ہے وہ میں بتا دوں گا۔ میں
اس کے خلاف کروں تو جو چاہے کر لیٹا۔“

میں نے بڑھ کر اس کی گردن پر جوتے کا تلا رکھ دیا۔ وہ
بے دست و پا ہو کر رہ گیا تھا۔ میں نے جھک کر اس کے چہرے
پر ٹھونسنے نکائے اور الٹ ہو گیا۔ اسے مار کر میری کسی جہلی
خواہش کی تسکین ہو گئی تھی۔

”پہلی فرصت میں وہ ایم ٹی ففٹی حاصل کرنے کی
کوشش کر دے جو وہ نے نالے میں پھینکا ہے۔“ وہاں سے
لوٹنے ہوئے میں نے جلال سے کہا۔

”اس پختہ نالے کا بیشتر حصہ خشک رہتا ہے۔ جہاں
ہیرو نیچوں کی ٹولیوں کا راج رہتا ہے۔ وہ آپریشن اب وہاں
نہیں ہوگا۔ کسی نے موبائل فون سمجھ کر اٹھالیا ہوگا۔“
”تم تو کہہ رہے تھے کہ وہ تھیلی میں لپٹا ہوا تھا۔“ میں
نے اسے یاد دلایا۔

”نشے باز پورے کوڑے کا پوسٹ مارٹم کرتے ہیں۔ وہ
ان کی دست برد سے نہیں بچا ہوگا۔“ جلال مایوسی سے بولا۔

یہ بات وہ بھی جانتا تھا کہ آئی مین کے آئندہ عزائم سے
آگاہ ہونے کے لیے وہ آپریشن کتنا اہم تھا۔ اس پر ہم ان
چاروں کے درمیان ہونے والی گفتگو کا ہر لفظ سن سکتے تھے۔

سب سے اہم بات یہ تھی کہ بموں کے دھماکوں کے
سلسلے میں ایک مشکوک آدمی کا حوالہ اخبارات میں شائع ہوا
تھا لیکن وجہ کو بہت خاموشی سے پکڑا گیا تھا۔ اس کی
گرفتاری کی خبر کسی اخبار میں میری نظروں سے نہیں گزری
تھی۔ اپنے تئوں ساتھیوں اور آئی مین سے اس کا رابطہ ٹوٹ
چکا تھا مگر یہ امکان پھر بھی باقی تھا کہ وہ اس کی گرفتاری سے
بے خبر ہوں۔

میرے اصرار پر جلال برنس روڈ کی طرف دوڑ لگانے کے
لیے آمادہ ہو گیا۔ نیشنل روڈ سے وہاں تک کی مسافت چند منٹ
سے زیادہ نہیں تھی۔

ٹوکیوں کے کالج کے سامنے والی گلی میں گاڑی پارک
کر کے ہم نالے میں اترنے کے بارے میں سوچ رہے تھے کہ
کرکٹ کے شوقین بچوں کی ایک ٹولی نے ہماری رہنمائی کی۔
وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ نالے کی ایک جگہ ٹولی ہوئی

جلال مجھے اپنے ساتھ لے کر اوپر چلا گیا۔ چوڑا اور
وہ بے کو ایک سیل میں یک جا کیا جا چکا تھا۔ وہ ننگے فرش پر بہت
اتر حالت میں لڑے ہوئے گرا رہے تھے۔ ہمارے قدموں کی
چاب سن کر وہ نے اپنی جگہ بدل کر اور جسم کو حرکت دے
کر ہمیں دیکھنے کی کوشش کی تھی مگر چوڑا اس قابل نہیں تھا۔
ٹولی ہوئی پسیلیوں نے اسے ہلنے جلنے سے معذور کر دیا تھا۔

ان دونوں کے چہرے اپنے خون میں نہائے ہوئے تھے۔
مجھے یہ دیکھ کر اطمینان ہوا کہ جلال ان درندوں کو قرا ر واقعی
سزا دے رہا تھا۔ ان دونوں میں چوڑا زیادہ بد نصیب تھا کیونکہ
وہ پاکستانی ہوتے ہوئے سو فیصد بھارتی نمک خوار تھا۔

ایک طرف وہ بھارتی ہائی کمیشن کا ملازم تھا تو دوسری
طرف را کا تنخواہ دار تھا۔ اس کی باضابطہ گرفتاری پر بھارتی
ہائی کمیشن نے خاصے ہاتھ پیر مارے تھے اور متعلقہ جمنسٹریٹ
سے یہ اجازت لے لی تھی کہ ان کا ایک آدمی چوبیس گھنٹے میں
ایک بار اس سے مل کر یہ اطمینان کرنا رہے گا کہ اسے بے جا
تشدید یا بد سلوکی کا نشانہ نہیں بنایا جا رہا۔ وہ احتیاط صرف دو
دنوں کے لیے چوڑا کی جان بچا سکی پھر اسے تفتیش کے بہانے
اندرون سندھ منتقل کر دیا گیا جہاں کسی بھارتی کی رسائی نہیں
تھی۔

را والوں کے لیے اپنے آدمیوں کی اہمیت مشین کے
کسی پرزے سے زیادہ نہیں تھی۔ چلتا رہتا تھا تو اس کی ہر
طرح کو کچھ بھال ہوتی تھی۔ گھس جاتا یا خراب ہو جاتا تو اسے
نکال کر کوڑے دان میں پھینک کر بھلا دیا جاتا ہے۔ اس کی
جگہ کوئی نیا پرزہ لے لیتا ہے۔ دوسری طرف یہ عالم تھا کہ
جلال نے اپنے اصولوں کے برخلاف عبداللہ کے خون کا
انتقام اپنے ہاتھوں سے لیا تھا۔

چوڑا کی اندرون سندھ سے خاموش واپسی کے بعد
انڈین ہائی کمیشن کے کسی رکن نے یہ جاننے کی کوشش نہیں
کی کہ وہ کہاں تھا۔ نتیجے کے طور پر وہ صدف مینشن میں بے
یارودد گار پڑا ہوا اپنے برے بلکہ گھناؤنے اعمال کی سزا
بھگت رہا تھا۔

ان دونوں خطرناک قیدیوں کے ہاتھ پیر ہتھکڑیوں اور
پسیلیوں میں بندھے ہوئے تھے۔ میں نے بڑھ کر اندر چوڑا کی
پسیلیوں پر جوتے سے ہلکی سی ضرب لگائی اور وہ بلبل کر چیخ اٹھا۔
اس کے بارے میں جلال کا یہ اندازہ درست تھا کہ اس کی
پسیلیاں ٹوٹ چکی تھیں۔ میں نے اس کے حال کو سمجھنا

دیوار سے اندر اتر رہے تھے۔
جلال نے مجھے کمنی ماری اور ہم دونوں اسی طرف ہو لیے۔

وسیع و عریض نالے کا بچتہ اور ڈھلان دار فرش خشک تھا۔ درمیان میں بنی ہوئی چوڑی نالی میں گندہ پانی رواں تھا۔ اس وقت نالا خاصا آباد تھا۔ سڑک کے نیچے والے سایہ دار حصے میں بہت سے چری اور ہیرو نیچے لیٹے بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک دو ٹولیاں گندی چادروں میں لپیٹی زہریلے دھویں کے کش لگا رہی تھیں۔ بچتہ فرش پر بہت سے بچے چولی پٹیوں اور دوسری اشیاء کی وکٹیں بنائے، پورے جوش و خروش سے کرکٹ کھیلنے میں مصروف تھے۔

ٹوٹی ہوئی دیوار پار کرتے ہوئے میں بس لمحہ بھر کے لیے ہچکچایا۔ ذہن میں یہ گمان ہوا تھا کہ دو خوش پوش افراد کو اس گندے نالے میں اتار دیکھ کر لوگ کیا سوچیں گے مگر وہ گمان اسی لمحے دم توڑ گیا۔ ہمیں دیکھنے والے ہمارے دوست یا رشتہ دار نہیں تھے جو ہمیں پہچان لیتے۔ انجنیوں کے کچھ بھی سوچنے سے ہمیں کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ میں نے دیوار کا ملبہ پار کر لیا۔

وجہ کی بتائی ہوئی جگہ پر نالے کی دیوار کے ساتھ کوڑے کا ایک بڑا انبار جمع تھا۔ شاید آنے جانے والوں کو وہاں کوڑا پیچھنے میں سہولت رہتی تھی۔ کوڑے کی اس چھوٹی سی ڈھلوان چٹان سے سخت بدبو کے بھلکے اٹھ رہے تھے مگر ہیروئن کے نشے میں دھت لڑکوں اور بوڑھوں کو اس کی پروا نہیں تھی۔

میں نے اس ڈھیر پر چڑھنے کے ارادے سے اپنی رفتار تیز کی تھی کہ جلال نے میرا بازو تھام کر مجھے روک دیا اور خود آگے بڑھ گیا۔

وہ فرض کی لگن تھی کہ اسے کسی چیز کی پروا نہیں رہی تھی۔ میرے دل میں اس اعلیٰ سرکاری افسر کی قدرو منزلت بڑھ گئی۔ پاکستان کی بیوروکریسی کو کونسا ملک میں ایک رواج بن چکا ہے۔ کسی تقریب میں کوئی افسر پھنس جائے تو اس کے آس پاس بیٹھے ہوئے لوگ اپنے اور دوسروں کے حوالے سے ایسے ایسے تجربات دہرانا شروع کر دیتے ہیں کہ وہ بے چارہ شرم سے پانی پانی ہو جائے۔ لوگ ایسی چٹکیاں لیتے ہوئے یہ بھول جاتے ہیں کہ اسی بیوروکریسی میں ایسے فرض شناس اور ایمان دار افسر بھی موجود ہیں جن کے دم قدم سے سارا نظام چل رہا ہے۔

وہاں تھیلوں اور کوڑے کا ایک انبار جمع تھا۔ جلال

اسے جوتوں سے ادھر ادھر کر کے اپنی مطلوبہ چیز کی تلاش میں لگا رہا۔ میں کھڑے کھڑے آگیا۔ اسے کوڑے میں گھسے دس منٹ ہو چکے تھے۔ اچانک وہ دیوار کے ساتھ جھکا اور پھر سیدھا ہوا تو اس کے ہاتھ میں ایک میلی سی خاکی تھیلی موجود تھی۔

اس نے وہیں کھڑے کھڑے تھیلی کا منہ کھول کر اندر جھانکا اور پھر تقریباً دوڑتا ہوا اس متعفن ٹیلے سے اتر آیا۔

اس کا چہرہ مسرت سے دمک رہا تھا۔ اس نے دور ہی سے ہانک لگائی۔ جو کہ وہ قریب آیا ہم دونوں آگے چل دیے۔

اس نے تھیلی کا منہ کھول کر میرے سامنے کر دیا۔ تھیلی اندر سے صاف تھی۔ میں نے وزنی اپریٹس نکال کر اپنی جیب میں ڈال لیا۔ جلال نے تھیلی ہوا میں اڑادی اور برا سامنے بنا کر اپنے دونوں ہاتھ جھاڑنے میں مصروف ہو گیا۔ ”بدو سے حلق تک کڑوا ہو گیا ہے۔ پہلے میں کہیں ہاتھ منہ دھو کر کلیاں کروں گا۔“

”آج تم نے بہت بڑا کام کیا ہے۔“ میں نے اس کی پیٹھ تھپکتے ہوئے کہا ”میں اتنی دیر تک اس غلاظت میں نہیں رک سکتا تھا۔“

”تم دباؤ نہ ڈالتے تو میں ادھر نہ آتا۔ معلوم ہوتا ہے کہ برنس روڈ کے ہیرو نیچے آج کل خوش حال ہو گئے ہیں۔“ اس نے خوش دلی سے کہا ”بہت سا کوڑا جوں کا توں پڑا ہوا ہے۔ ان پر کڑا وقت آتا ہے تو یہ اپنا پیٹ بھرے اور پیچنے والی اشیاء جمع کرنے کے لیے سارے کوڑے کو ٹکٹ کڑا لیتے ہیں۔“

نالے سے نکل کر ہم فریر روڈ کے بجائے تعلق ہاؤس کی طرف چل دیے۔ جلال کے ستارے یاد تھے کہ ہمیں اس سرکاری عمارت کے پچھواڑے ایک سرکاری ٹل نظر آگیا جس سے پانی نپک رہا تھا۔ جلال نے بہت اچھی طرح ہاتھ منہ دھو کر رومال سے چہرہ خشک کیا اور ہم گاڑی کی طرف واپس چل دیے۔

راتے میں مجھے اپریٹس کا خیال آیا۔ میں نے اسے جیب سے نکالا تو وہ آف تھا۔ میں نے اسے آن کر دیا تاکہ کوئی پیغام ضائع نہ ہو سکے۔

”یہ تم رکھو گے یا مجھے دو گے۔“ جلال نے مجھے اپریٹس جیب میں رکھنے کا موقع دیے بغیر پوچھا۔

”تم رکھ لو۔“ میرے پاس اس کے سوا کوئی جواب نہیں تھا۔ ویسے بھی وہ افراڈی قوت اور وسائل تک رسائی رکھتا تھا۔ اپریٹس پر کوئی بھی پیغام سن کر اس کی نزاکت کے مطابق فوری کارروائی کر سکتا تھا۔

ہیں۔ کہیں وہ کسی بس یا ٹرک کے نیچے تو نہیں کچلا گیا۔“ آئی مین کی آواز میں غصہ تھا۔
 ”نہیں سر! ایسا ہوا ہوتا تو اخبار میں خبر ضرور آتی۔ میں اخبار بہت باقاعدگی سے دیکھتا ہوں۔“
 ”دھماکوں کے بعد اخبار میں ایک مشکوک آدمی کی خبر آئی تھی۔ ایسا تو نہیں کہ وہ پکڑ لیا گیا ہو۔“

”ایسا ہونا ممکن نہیں ہے۔ وجہ بہت تیز آدمی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ گرفتاری کا خطرہ بھاپ کر شہر سے کہیں اور نکل گیا ہو۔ فاصلہ بڑھ جانے کی وجہ سے اس کا آپریشن کام نہیں کر رہا ہوگا۔ وہ پکڑا جاتا تو کسی نہ کسی اخبار میں یہ خبر ضرور چھپتی۔“

”وہ اُلٹا پٹھا ہے۔“ آئی مین کا لہجہ مسلسل تضحیک آمیز تھا ”وہ شہر سے بھاگ رہا تھا تو اسے ہم میں سے کسی کو اطلاع دینی چاہیے تھی۔ مجھے ایسے غیر ذمے دار آدمی پسند نہیں ہیں۔ مجھے ہر وقت تم لوگوں کے بارے میں باخبر رہنا چاہیے۔“
 ”ہم احتیاط رکھیں گے۔“ نمبر ٹو کی آواز پر مردنی چھائی۔

”دوسرے کام کا کیا ہو رہا ہے؟“ آئی مین نے پوچھا۔
 بظاہر اس نے وجہ کے بارے میں نمبر ٹو کا نظریہ قبول کر لیا تھا۔ ان کی باتوں سے یہ بتا چل چکا تھا کہ اس ڈسپلن میں وجہ نمبر تھری کے کوڈ سے بچانا جاتا تھا۔ وہ چار کی ٹولی بھی جو راکی طرف سے آئی مین کے لیے کام کر رہی تھی۔ بقیہ کے کوڈ نمبر ون اور نمبر فور ہو سکتے تھے۔

”نمبر ون لگا ہوا ہے۔ آج وہ کسی نہ کسی طرح جہاگیر کے گھر کا کھوج لگالے گا۔“ اس آلے پر جہاگیر کا نام سن کر میرے کان کھڑے ہو گئے۔ جلال بھی چونک پڑا تھا۔ ہم دونوں کی نظریں چار ہوئیں اور جلال معنی خیز انداز میں اپنا سر ہلانے لگا۔

آئی مین نے گولڈن فارمیسی کو پھونک کر ایک بچے کی جان کی سمیٹ لے لی تھی مگر وہ جہاگیر کو نہیں بھولا تھا۔ جس سے اس کا سر سے واسطہ نہیں پڑا تھا۔

”جہاگیر بہت کم آمیز آدمی ہے۔“ نمبر ٹو انک کر جواب دے رہا تھا ”اس پاس کے دکان داروں سے اس کے بارے میں کچھ بتا نہیں چل سکا۔ دکان جل جانے کے بعد سے وہ ادھر نہیں دیکھا گیا۔ شاید ڈر کر گھر میں بیٹھ گیا ہے۔“
 ”یہ چند گھنٹوں کا کام تھا جسے تم لوگ لے کر بیٹھ گئے ہو۔“ آئی مین کی غراہٹ ابھری۔

جلال بھی چاہ رہا تھا۔ اس نے ٹرانسمیٹر میرے ہاتھ سے لے کر اپنی جیب میں ڈال لیا ”شکریہ! دیکھو کہ اب کب ان کی باتیں سننے کا سہلا موقع ملتا ہے۔“
 ”بن ڈیوڈ کی گرفتاری کا معاملہ خاصا طویل پکڑ گیا ہے۔ اب اس قصے کو ختم ہونا چاہیے۔“ واپسی کے سفر میں نے کہا۔

”بڑے مجرموں کے ساتھ عام طور پر یہی ہوتا ہے۔“ جلال نے مجھے دلاسا دیا ”وہ اپنی ذہانت اور مکاری کی وجہ سے ہاتھ نہیں آتے۔ تم دیکھو گے کہ بن کا قصہ بھی اچانک نٹے گا۔“

”سی نائن کی تلاش پر تم نے اپنے آدمی مامور کر دیے ہوں گے۔ ایس ٹی ایف والے بھی لگے ہوئے ہیں۔“ مایوسی کے عالم میں مجھے وہ امید افزا بات یاد آئی۔
 ”سہلا کام وہی تھا۔ آپریشن ہاتھ لگ جانے کے بعد میں انتظار کو کسی اندھا دھند کارروائی پر ترجیح دوں گا۔“ اس نے کچھ سوچتے ہوئے جواب دیا ”اس بار ہمیں پوری تیاری اور منصوبہ بندی کے ساتھ اس پر ہاتھ ڈالنا ہوگا تاکہ وہ بچ کر نہ نکل سکے۔“

بقیہ سفر خاموشی سے طے ہو گیا۔ گلی میں گاڑی پارک کرنے کے بعد ہم صدف مینشن میں داخل ہوئے تھے کہ جلال کی جیب میں بڑے ہوئے آپریشن برکال کا اشارہ موصول ہونے لگا۔ اس نے ایک لمحہ بھی ضائع کیے بغیر ٹرانسمیٹر جیب سے نکال کر اس کی آواز کھول دی۔

”جو بھی لائن پر ہے جواب دے۔“ میں نے پہچان لیا کہ وہ بھاری اور محکم آمیز آواز آئی مین کی تھی۔ وہ امریکی لب و لہجے میں انگریزی بولتا تھا۔

جلال نے مجھے آنکھ ماری اور اپنی رفتار تیز کر دی۔ وہ سیدھا دفتر کی طرف جا رہا تھا۔

”نمبر ٹو سر!“ قدرے خاموشی کے بعد مقامی لب و لہجے میں انگریزی میں جواب آیا۔

”میرے لیے تم سب ایک ہو۔ تمہارے نمبر تھری کی کیا خیر خبر ہے؟“ آئی مین نے پوچھا۔ اس وقت تک ہم دونوں دفتر میں داخل ہو کر کرسیوں پر بیٹھ چکے تھے۔ جلال نے نالے سے حاصل کیا ہوا آپریشن میز پر رکھ دیا تاکہ دونوں کو سننے میں آسانی رہے۔

”کچھ بتا نہیں چل رہا۔ وہ شہر میں کہیں نظر آرہا ہے نہ اس کے آپریشن سے جواب مل رہا ہے۔“
 ”اس شہر میں آدمی کتوں بلیوں کی طرح مرتے رہتے

”سر! آج وہ انٹرنل ایجنٹ بن کر مالک دکان سے ملے گا۔ دکان میں ہونے والے نقصان کا تخمینہ لگانے کا بہانہ کر کے وہ اس سے جمانگیر کے گھر کا پتا معلوم کر لے گا۔“

”دیر ہو چکی ہے۔ اب صرف پتے سے کام نہیں چلے گا۔ مجھے اس کے حکمان کی سروے رپورٹ بھی درکار ہے کیونکہ اسے وہاں سے اٹھانا ہے۔“

”میں اسے بتا دوں گا۔ ہو سکتا ہے کہ اس وقت وہ ہماری باتیں سن رہا ہو۔“

”نمبر فور! کیا تم میری آواز سن رہے ہو؟“ آئی مین نے اسی لمحے سوال نشر کر دیا۔

”لیس سر! میں سن رہا ہوں۔“ اپریٹس پر تیسری توانا آواز ابھری ”نمبر نو کی رپورٹنگ لفظ بہ لفظ درست ہے۔“

”سب کان کھول کر سن لو۔ میں تیزی سے کام کرنے کا عادی ہوں۔ سست روی مجھے پسند نہیں۔ پتا نہیں چوڑا تم سے کیسے کام لیتا ہے۔“

”سر! ہم اپنی کارکردگی بڑھانے کی کوشش کریں گے۔“

اس بار نمبر فور نے ہی جواب دیا تھا۔

”مجھے معلوم ہے کہ چوڑا کے اندر ہو جانے کے بعد سے تم چاروں زیر زمین چلے گئے ہو۔ تمہاری اپنی مجبوریاں ہیں لیکن میں بھی مجبور ہوں۔ مجھے جلد از جلد اپنا کام ختم کر کے واپس لوٹنا ہے۔ جمانگیر ہمارا اصل ہدف نہیں ہے۔ اس کے ذریعے ہم ڈینی کو گھیریں گے۔ اگر تمہارے کام کرنے کی رفتار یہی رہی تو مہینوں کی نوبت آسکتی ہے۔ تم سمجھ میری بات!“

”اب تم کو شکایت نہیں ہوگی۔ دہرے دھماکوں کے بعد یہاں کی پوری انتظامی مشینری حرکت میں آگئی تھی۔ ادھر چوڑا جی اندر ہو چکے تھے۔ ہم بہت مشکل وقت سے گزر رہے ہیں۔ میں اس وقت ایک گد اگر کا روپ دھارے ہوئے ہوں۔ رات ہوتی ہے تو کسی پل پلایا کے نیچے ٹھکانا بنالیتا ہوں۔“

”دھماکوں کا تسلسل برقرار رکھو تاکہ یہاں والے اسی چکر میں الجھے رہیں اور تم کو دوسرے کام نمنانے کا موقع مل جائے۔“ آئی مین کی آواز دھیمی مگر مزید تھکانہ ہو گئی۔

”ہمارے پاس صرف تین بم رہ گئے ہیں!“ گد اگر کے روپ میں پھرنے والے نمبر فور کا وہ انکشاف لرزہ خیز تھا

”اس کے بعد سناٹا ہو جائے گا۔ چوڑا جی کے ہٹ جانے سے ہماری سپلائی لائن کٹ گئی ہے۔ ہم تمہارے محتاج ہو گئے ہیں۔“

”اچھا ہوا کہ تم نے یہ بات واضح کر دی۔ میں تمہیں

ضرورت کی ہر چیز مہیا کروں گا۔ ہو سکے تو تم ایک ہی دن میں تینوں بم استعمال کر ڈالو۔ پورا شہر بل کر رہ جائے گا۔“

”سپلائی لائن کٹ جانے کی وجہ سے ہم تذبذب میں تھے۔ تمہاری یقین دہانی کے بعد ایسا ہی ہو گا۔“

ہم دونوں مسلسل ایک دوسرے کی طرف دیکھ رہے تھے۔ ٹرانسمیٹر ہونے والی وہ خون آشام گفتگو ہمارے لیے خوفناک تھی۔ ہماری مٹی کے دشمن ہمارے لوگوں کے لمو سے ہولی کھیلنے کی باتیں کر رہے تھے اور ہم بے بسی سے وہ سب سننے پر مجبور تھے۔

آئی مین شاید پاکستانیوں کے خون کا پیا ساق تھا۔ وہ شہر میں بموں کے مزید دھماکے کرانا چاہ رہا تھا۔ اسے اس بات سے کوئی غرض نہیں تھی کہ وہ دھماکے کہاں کیسے جائیں۔ اس بارے میں اس نے را کے ایجنٹوں کو کھلی چھوٹ دے دی تھی۔ وہ خود ہم سے بچنے کے لیے بے سروسامانی کے عالم میں شہر میں بھاگا پھرتا تھا مگر را والوں کو اسلحے کی بھرپور فراہمی کی یقین دہانی کر رہا تھا۔ یہ احمدا زہ لگانا دشوار نہیں تھا کہ وہ اپنے پشت پناہوں اور سرپرستوں کے بل بوتے پر وہ ہرزہ سرائی کر رہا تھا۔

اسے پورا یقین تھا کہ اس کے مذموم مقاصد کے لیے پاکستان میں موجود وہ اسلحہ آسانی سے مل جائے گا جو امریکوں کی تحویل میں تھا کیونکہ وہ خود اس پوزیشن میں نہیں رہا تھا کہ اپنی کمین گاہ سے نکل کر کھلے بازار سے ایک نارنگی بھی خرید سکے۔

”یہ کام کب تک ہو جائے گا؟“ آئی مین اپنے غلام سے پوچھ رہا تھا۔

”تم نے حکم دیا ہے۔ یہ کام جلد از جلد ہو جائے گا۔ تم بے فکر رہو۔“ اس بار نمبر فور کی آواز میں خود اعتمادی تھی۔

”یہ کام کسی بارونق اور بھرے رے علاقے میں ہونا چاہیے جہاں دور در دور تک لاشوں کے چپترے بکھرے ہوئے نظر آئیں۔“ آئی مین کے وہ وحشیانہ اور خون آشام الفاظ سن کر میں اندر سے دہل کر رہ گیا۔ اسے بے گناہوں کے خون کی حرمت کا ذرا بھی پاس نہیں تھا۔ وہ یہودی النسل تھا اور پاکستانی مسلمانوں کے خون سے اپنی پیاس بجھانے کے لیے بے چین نظر آ رہا تھا۔

یہودی مسلمان کی جان کا اور عیسائی ایمان کا دشمن ہوتا ہے۔ چند گھنٹوں میں وہ دونوں باتیں درست ثابت ہو چکی تھیں۔ بن ڈیوڈ را کے ایجنٹوں کو ہمارے خون کی ہولی کھیلنے پر اکسا رہا تھا جبکہ تھوڑی دیر پہلے تک پاکستان میں شراب

نکل سکے گا۔“

جذبات کی رو میں اس کا ذہن غلط راہ پر چل نکلا تھا۔ آئی مین کو پکڑنے کے لیے ضروری تھا کہ اسے اس بات کی ہوا بھی نہ لگے کہ ہمیں سی ٹائمن کے بارے میں معلوم ہو چکا تھا۔ ڈیفنس کے کمرشل علاقوں میں دس بیس عمارتوں کی اوپری منزلوں پر رہنے والوں کی چھان بین کا کام زیادہ مشکل نہیں ہونا چاہیے تھا۔ صرف چند گھنٹوں میں پتا چل سکتا تھا کہ آئی مین کس علاقے کے سی ٹائمن میں روپوش ہو سکتا تھا۔ ایک بار اس کا وہ ٹھکانا ہمارے علم میں آجاتا تو اس کے گلے میں طوق ڈال کر اسے مجبور کیا جاسکتا تھا کہ وہ را کے ایجنٹوں کو درندگی سے روکنے کے لیے ٹرانسمیٹر پر ان سے بات کرے۔

جلال ایک نازک اور حساس پیشے سے وابستہ ہونے کے باوجود صاف ستھرے پیشہ ورانہ مقابلے کا قائل تھا۔ را کے دو ایجنٹوں سے بن ڈیوڈ کے خون آشام مذاکرات سننے کے بعد وہ اس قدر مشتعل ہوا کہ دیر تک انتہا پسندناہ باتیں کر کے اپنے دل کی بھڑاس نکالتا رہا اور میں محض اس کی دل جوئی کے لیے اس کی ہاں میں ہاں ملاتا رہا۔ کمال کی بات یہ تھی کہ

شاب اور بے حیائی پر پابندیوں کے خلاف احتجاج کر رہا تھا۔ بن یسودی تھا اور تک عیسائی۔ دونوں کی اپنی اپنی سوچ تھی جو جان و ایمان کی میزان پر پوری اتر رہی تھی۔

”یہ پابندی عائد نہ کرو تو ہمت ہے۔“ نمبر فور کے الفاظ میرے کانوں میں امید کی نوید بن کر گونجے۔ وہ آئی مین سے کہہ رہا تھا ”یاد روق علاقے میں دھماکا کر کے ٹھکانا دشوار ہو جائے گا۔ جہاں بھی موقع ملا ہم اپنی کارروائی کر گزریں گے۔ خون ضرور بنے گا۔ بس ہم اپنی حفاظت کو مقدم رکھیں گے۔“

”اتنی آزادی مانگ رہے ہو تو یہ کام آج ہی ہو جانا چاہیے۔“ اس بار آئی مین کی آواز یوں پر سکون تھی جیسے اسے اس کا پسندیدہ کھلونا ملنے کی خوش خبری سنائی گئی ہو۔ ”ہم تینوں اپنی پوری کوشش کریں گے کہ کراچی کی فضا خون اور بارود کی بو سے بھر جائے۔“ اس بار نمبر فور نے الفاظ سے کھیل کر اپنے آقا کو خوش کرنے کی کوشش کی تھی۔ ”پاکستانی بہت چالاک اور پھر تیلے بنتے ہیں۔ ان کو سبق سکھانا ضروری ہو گیا ہے۔ اب میں کسی اچھی خبر کے بعد تم سے رابطہ کروں گا۔“

ایکایک انسانی آوازیں معدوم ہو گئیں اور ٹرانسمیٹر پر ہلکا ہلکا ریڈیائی شور گو بھناتا رہ گیا۔

”شرمناک۔ اس کا دماغ الٹ چکا ہے۔“ جلال غصے میں میز پر مکا مار کر بولا ”میں اس خونی کھیل کو کامیاب نہیں ہونے دوں گا۔“

”وہ چاروں روپوش ہیں۔ ہم ان کا کیا بگاڑ سکتے ہیں!“ میں نے مایوسی سے کہا۔

”ڈینی! میں تمہارا شکر گزار ہوں کہ تمہارے ایما پر میں نے یہ اپریش حاصل کر لیا اور اس پر بروقت ان کے ناپاک عزائم کی کہانی سن لی۔“ وہ یک بیک جذباتی ہو گیا ”میں ان کے دھماکوں کو روکنے کے لیے اپنے سردھڑکی بازی لگا دوں گا۔ شہر میں آج ریڈ الرٹ ہوگی۔ میں خود سڑکوں کا گشت کروں گا۔“

”ریڈ الرٹ ضرور ہونی چاہیے۔“ میں نے گہری سنجیدگی سے کہا ”باقی باتیں جذباتی ہیں۔ تمہیں کیا پتا کہ وہ درندے کدھر کاربغ کریں گے۔“

”پھر میں اپریش پر بن ڈیوڈ سے خود بات کرتا ہوں۔“ جلال پھرنے لگا ”میں اسے بتا دوں گا کہ آج شہر میں کوئی واردات ہوئی تو رات ڈھلنے سے پہلے اس کا بدلہ لیا جائے گا۔ سی ٹائمن اس کا مقتل بنا دیا جائے گا۔ وہ وہاں سے زندہ نہیں

تحفہ خاص ضروریات مندوں کے لئے

مصر کے قدیم دور سے آزمایا ہوا ملکہ سجو کے عہد میں سہالی لینڈ (افریقہ) سے لایا جانے والا یہ پتھر اور ایک خاص درخت کی گوند جسے امراء اور سلاطین اپنے خزانوں میں رکھتے تھے تاکہ اس کی برکت سے خزانے نہ صرف محفوظ رہیں بلکہ ان میں اضافہ بھی ہو۔ انتہائی محدود تعداد میں دستیاب یہ نایاب تحفہ آپ آج ہی حاصل کر لیں۔ اپنے ساتھ دکان، دفتری مکان پر رکھنے سے انشاء اللہ ہر لحاظ سے محفوظ۔ کاروباری مشکلات دور آمدنی میں اضافہ اور برکت، گھریلو جھگڑوں اور بچوں کا سوتے میں ڈرنے سے نجات دہ یہ معہ محصول خرچ۔ 180/ روپے گھر بیٹھے ایک خط لکھ کر دی پی سے طلب فرمائیں۔

GLP پوسٹ بکس نمبر 2209 کراچی 74600

دفتر میں پہنچنے کے بعد اس نے مسرت آمیز لہجے میں بتایا ”پورے شہر کی پولیس تھانوں کو چھوڑ کر سڑکوں پر آجائے گی۔ ریڈیو اور ٹیلی وژن سے شہریوں کو اگلے چوبیس گھنٹوں میں دہشت گردی کی کسی بڑی واردات سے ہوسیار کرنے کے اعلانات کیے جائیں گے۔ ان تیاریوں کے بعد وہ شاید ہی باہر نکلے گی بہت کر سکیں۔“

”بس یہ ٹانگنک خطرناک ہے۔“ میں نے مسکرا کر کہا ”بن ڈیوڈ ذرا سا بھی ذہن ہے تو سمجھ لے گا کہ اس کی گفتگو کہیں سنی گئی ہے جس کے نتیجے میں یہ تیاریاں کی گئی ہیں۔“ ”سمجھ لے۔ اس سے ہمیں کیا فرق پڑے گا۔ اس وقت میں ہر قیمت پر راولوں کو روکنا چاہتا ہوں۔“

”وہ رک جائیں گے۔ اگر بن نے یہ اندازہ لگالیا کہ وہ بے کے ساتھ اس کا آپریشن بھی مقامی حکام کے قبضے میں آچکا ہے تو وہ ٹرانسٹر کا استعمال ترک کر دے گا۔“ ”ہر ایک تمہاری طرح شاطر نہیں ہوتا جو اتنی آسانی سے صحیح اندازے لگا لے۔“ وہ ہنس کر بولا ”میرا خیال ہے کہ ہم نے اس کی بہت کھلی کھلی گفتگو سنی ہے۔ نشین سے بھاگنے کے بعد وہ پہلی بار راولوں سے بات کر رہا تھا۔ آئندہ ہم اس سے زیادہ بھرپور گفتگو نہیں سن سکیں گے۔“

”اپنی کئی ناکامیوں کی وجہ سے اس کے دل میں ہمارے لیے نفرت پیدا ہوئی ہے۔ اس سے پہلے شاید اس نے اتنی بڑی تباہی پھیلانے کے بارے میں نہیں سوچا ہوگا۔“ ”میرا دل مطمئن ہے کہ میں نے تمہارے مشورے پر صحیح ترین قدم اٹھایا ہے۔ اب جو ہوتا ہے وہ ہوتا رہے۔ میرے دل پر کوئی بوجھ نہیں رہے گا۔“

”بس یہ یاد رکھنا کہ تم نے اپنے کانوں سے آج جو ہولناک گفتگو سنی ہے اس کا بیج چوڑا کا بویا ہوا ہے اور وہ اس ٹولی کا آدمی ہے۔“

”چوڑا ایک باضابطہ قیدی ہے۔ چار دن بعد اس کا ریمانڈ ختم ہونے والا ہے۔ شاید اس میں ایک تو بیع اور مل جائے۔ اس دوران میں اسے مزید سزا دینے کے بجائے مجھے اس کی ٹولی ہونی پسلیوں پر توجہ دینی پڑے گی۔“

”وہ بے کے بارے میں تم نے کچھ نہیں کہا۔“ اسے خاموش پاکر میں نے ٹوکا۔

”وہ!“ وہ آنکھیں چڑھا کر خطرناک انداز میں مسکرایا ”اس سے پھیلے گے۔ وہ مہربانی تو فرق نہیں پڑے گا۔ اس کی گرفتاری کا کہیں کوئی ریکارڈ نہیں ہے۔“

”حیرت ہے کہ تم اس وقت اپنے ڈپکن کے خلاف بول

جلال کی انتہا پسندی میں بھی کھلی خوں ریزی کا کوئی تذکرہ نہیں تھا۔

شاید یہ آئی بی کی پالیسی نہ ہوتی لیکن غصے میں وہ یہ کہہ سکتا تھا کہ کراچی میں کچھ ہوا تو اس کے آدمی دہلی یا کول کتا کے شہریوں سے اس کا انتقام لیں گے لیکن ایسی کوئی بات اس کی زبان پر نہیں آئی۔ وہ آئی مین اور را کے ایجنٹوں کے سر کچلنے کی بات بار بار دہراتا رہا۔

وقت غصے کو بہت آرام سے پی جاتا ہے۔ آخر کار جلال کا غصہ بھی تشویش میں ڈھل گیا۔

”تم اتنی دیر سے بیٹھے ہوں ہاں کر رہے ہو۔ انہیں روکنے کے لیے تمہاری کیا رائے ہے!“ آخر اس نے پُر تشویش آواز میں مجھے ٹوکا۔

”نمبر فور نے آئی مین کو خوش کرنے کے لیے وہ ساری باتیں کی ہیں۔ دشمن کی سر زمین پر کوئی بڑی واردات کرنے کے لیے جس دل اور جگر کی ضرورت ہوتی ہے وہ ان کے پاس نہیں ہے۔“ میں نے کہا۔

”دل گردہ نہ ہونے کے باوجود وہ شہر میں دو دھماکے کر چکے ہیں۔“ جلال بولا۔

”ان کا نتیجہ وہ بے کی صورت میں اوپر قید ہے۔ اس میں ہمت اور حوصلہ نام کو نہیں ہے۔ رستے ہاتھوں پکڑے جانے کا خوف آسان کام کو بھی مشکل بناتا ہے۔ تم شہر میں صرف ریڈ الرٹ ڈکلیئر کر دو۔ ریڈیو اور ٹیلی وژن سے چند اعلانات جاری کر دو۔ مجھے یقین ہے کہ را کے وہ تینوں چوہے اپنے بلوں سے باہر آنے کی ہمت نہیں کریں گے۔“

جلال نے چند ثانیوں کے لیے میری بات پر غور کیا پھر سر ہلاتے ہوئے فون کی طرف متوجہ ہو گیا۔ لائن ملنے پر پتا چلا کہ وہ سندھ کے ہوم سیکریٹری سے بات کرنے والا تھا۔

وہ اپنی کسی بات میں مجھ سے کوئی پردہ داری نہیں کرتا تھا لیکن وہ اس کی سرکاری فون کال تھی جس میں منصب کے تقاضوں کے مطابق کچھ اونچ نیچ ہو سکتی تھی۔ میں اپنی جگہ چھوڑ کر ٹھٹھا ہوا باہر نکل گیا۔ اس وقت صدف میٹشن کا گراؤنڈ فلور قیدیوں سے خالی تھا۔

میں سگریٹ سلگا کر ٹھٹھا ہوا محافظوں تک جا پہنچا۔ وہ دونوں مذہب ہو کر اپنی جگہوں سے کھڑے ہو گئے۔ میں نے ان کی مزاج پر سی کی ابتدا سے بات شروع کر دی۔

شاید وہ گفتگو زیادہ طویل پکڑائی کیونکہ جلال اونچی آواز میں مجھے پکار رہا تھا۔

”ایک سے دو گھنٹے میں کام مکمل ہو جائے گا۔“ میرے

ہے۔“ میں نے اٹھتے ہوئے سوال کیا۔

”تازہ ترین حالات کی روشنی میں وہ ادھر کا رخ نہیں کریں گے مگر میں پھر بھی پوری تیاری کے ساتھ وہاں جاؤں گا۔ ان تینوں خونی درندوں کی شناخت کے لیے وجہ میرے ساتھ ہوگا۔ چاہو تو تم اور اول خان بھی دور رہ کر مشاہدہ کر سکتے ہو۔ مجھے وہاں کسی کامیابی کی امید نہیں ہے۔“

کھڑے کھڑے میں نے ایک قوری خیال کے تحت کہا ”جب ان کے پاس آئی مین کے دلے ہوئے اربیس موجود ہیں تو انہیں فریر ہال میں ملنے کا پروگرام طے کرنے کی کیا ضرورت تھی؟“

”تمہیں یہ خیال خاصی دیر سے آیا۔“ اس نے مسکراتے ہوئے جواب دیا ”ایم ٹی فکٹی خاص ٹرانسپورٹ ہیں جو امریکی افواج کے کمانڈر اینڈ کنٹرول سسٹم کے لیے خاص طور پر بنائے گئے ہیں۔ وہ براہ راست بن ڈیوڈ سے ہر وقت بات کر سکتے ہیں۔ اس کے ذریعے آپس میں بات بھی ہو سکتی ہے لیکن بن ڈیوڈ کے درمیان میں آئے بغیر براہ راست ایک دوسرے سے بات نہیں کر سکتے۔“

”یعنی وجہ کے اربیس پر بن سے بات کی جاسکتی ہے۔ تپاٹھی وغیرہ سے رابطہ کرنا ممکن نہیں ہے۔“

”بالکل یہی بات ہے۔ میں یہ بات جانتا تھا اس لیے میں نے اس بارے میں وجہ سے کوئی سوال کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی۔“

”یہ بہت عجیب سی بات ہے۔ اس سسٹم کی کیا افادیت ہو سکتی ہے۔“

”جب ان میں آپس میں رابطے کی کوئی صورت نہیں ہے تو پھر نمبر فور کو یہ کیسے معلوم ہوا کہ نمبرون جہاں گئے گھر کا سراغ لگانے کے لیے نکلا ہوا ہے۔“ میرے پاس اگلا سوال تیار تھا۔

”اس وقت تم ہال کی کھال نکال رہے ہو۔“ جلال پھکی سی ہنسی کے ساتھ بولا ”ہو سکتا ہے کہ وہ دونوں ایک ساتھ ہی ہوں۔ بہر حال ایم ٹی فکٹی کا سسٹم یہی ہے جو میں نے بتایا ہے۔“

”فرصت کے اوقات میں وائرلیس ٹرانسپورٹ پر اپنے دور افتادہ دوستوں سے گپ شپ لڑانا فوجیوں کا ایک معمول ہوتا ہے۔ ایم ٹی فکٹی سیریز میں ایسی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ ہر متعلقہ شخص ہر لمحے اپنے کمانڈر کی براہ راست دسترس میں رہتا ہے۔ جدید فوجی نظام میں ایک سیکنڈ کی تاخیر بھی بعض بھیانک نتائج پیدا کر سکتی ہے۔ یہ سسٹم اس سے خالی ہے۔“

ہے۔“

بات واضح ہو گئی کہ ان لوگوں نے پاکستان میں اپنی ترین سہولتوں کا استعمال شروع کر دیا تھا۔

میں نے جلال سے اندر ہی ہاتھ ملانا چاہا لیکن وہ ہاتھ تھا صدف مینشن کے صدر دروازے تک آیا۔ مجھ سے الوداعی مصافحہ کرتے ہوئے ایک مرتبہ اعتراف کیا کہ محض میری موجودگی کی وجہ سے وہ وہے کا ٹی فکٹی حاصل کرنے میں کامیاب ہوا تھا ورنہ وہ آگہ بر روڈ کے گندے نالے کے کنارے پڑا پڑا تباہ ہو جاتا۔ اس وجہ سے اسے بہت مدد ملی تھی۔

جب تک میں جلال کے ساتھ بیٹھا رہا، میرا ذہن سمتوں میں الجھا ہوا تھا۔ ہر مسئلہ مجھے اپنا مسئلہ نظر آرہا لیکن صدف مینشن کی آئینی عمارت سے باہر نکلنے ہی میرا ذہن سے ہر بات محو ہوتی چلی گئی۔ دماغ میں صرف جہانگیر نام ایک بہت بڑا سوالیہ نشان بن کر چکرا رہا تھا۔

میرے ذہن پر جہانگیر کو درپیش خطرے کا باواؤ اتنا شدید تھا کہ میں نے گھر واپس جانے کے بجائے گاڑی کلفٹن راستے پر ڈال دی۔

عمارت میں قدم رکھتے ہی میں نے ایس ٹی ایف۔ باوردی اور مسیح جوان کو پہچان لیا جو سیکورٹی ڈیسک۔ قریب ایک کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ وہ مجھے اول خان کے دوسرے کی حیثیت سے اچھی طرح پہچانتا تھا لیکن اس موقع کے لحاظ سے اس نے کوئی غیر معمولی تباہ دکھانے کے بجائے سر ہلکی سی جنبش سے سلام کرنے پر اکتفا کیا۔

سیکورٹی ڈیسک والے محافظ نے میرا نام پوچھ کر انٹرکس پر جہانگیر کے فلیٹ سے رابطہ کیا۔ میرے لیے ڈینی کا نام معروف ہو چکا تھا کہ اپنا اصل نام مجھے اجنبی سا لگتا تھا مگر جہانگیر کی عمارت میں داخلے کے لیے ہوش اپنا نام تو یہی بتاتا تھا۔ اوپر سے اجازت پا کر سیکورٹی افسر نے لفٹ کی طرف ہاتھ اٹھا دیا۔

اول خان سے ملے ہوا تھا کہ اس کا آدمی عمارت کے باہر رہ کر نگرانی کرے گا۔ وہ کوئی معقول بندوبست نہیں تھا۔ باہر کھڑے ہوئے گاڑی کو دہنریشوں کی دیوار کے پیچھے روک دینے والی صورت حال کا صحیح اندازہ نہیں ہو سکتا تھا۔ مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ اول خان نے کوئی جوڑوڑ کر کے اپنے آدمی کو صحیح ترین مقام پر مامور کر دیا تھا۔

لفٹ کے بجائے میں مختصر سے زینے طے کر کے اوپر پہنچا تو سڑکی میں بلیوس سلکی اسٹے فلیٹ کا دروازہ کھولے میری

منتظر تھی۔

”پوری تیاری میں ہو۔ کیا کہیں جانے کا ارادہ ہے؟“
میں نے اس کا سر تاپا ناند نہ جائزہ لیتے ہوئے کہا۔
”اندر آ جاؤ! آج کل ایک نئی کہانی چل پڑی ہے۔ مجھے
ہر وقت پورا بناؤ سنگھار کر کے تیار رہنے کا حکم ملا ہوا ہے۔“
اس نے ہنستے ہوئے بتایا۔

سلمیٰ کی زبانی اس سے زیادہ جاننے کی نوبت نہیں آسکی
کیونکہ جہانگیر ڈرائنگ روم سے برآمد ہو کر مجھ سے راہ داری
میں ہی اچانک بغل گیر ہو گیا۔ ”یار آج تو کوئی بوا دن ہے کہ
تم یہاں نظر آرہے ہو۔ مجھے معلوم ہوتا کہ یہ دعا کی قبولیت کا
وقت ہے تو کوئی ڈھنگ کی دعا مانگنا۔ سوچا بھی تو کیا سوچا کہ
کاش تم آ جاؤ اور تم آ گئے۔“

”برا لگ رہا ہوں تو میں واپس چلا جاتا ہوں۔ کوئی
دوسری دعا مانگ لو۔ شاید کوئی خوب صورت، بخاران
آجائے۔“ میں نے اس کے کان میں سرگوشی کی۔ اس وقت
سلمیٰ ہمیں معافہ میں مصروف چھوڑ کر آگے نکل چکی تھی۔
”سبحان اللہ۔ کیسی اچھی بات کسی ہے تم نے۔“ وہ
جھوم کر بولا ”تم غائب ہو جاتے ہو تو میں ایسی دعاؤں کو ترس
جاتا ہوں۔“ وہ مجھے گرم جوشی کے ساتھ اپنے ڈرائنگ روم
میں لے گیا۔

”سب سے پہلے تو میں ہاتھ جوڑ کر معافی چاہتا ہوں کہ
میری وجہ سے تمہاری دکان کو آگ لگی۔“
”اے بھول جاؤ۔ مجھے اس بچے کا قلق ہے جو اس آگ
میں جل کر مر گیا۔ وہ کون ظالم لوگ تھے جنہوں نے کسی کی
جان کی پروا کیے بغیر دکان کو آگ لگا دی۔“
”ان ہی کی تلاش میں لگا ہوا ہوں۔ تم گئے تھے اپنی جلی
ہوئی دکان کا ملبہ دیکھنے۔“
”جو جل گیا اسے کیا رونا۔“ اس نے برجستہ اپنا ایک
معاورہ ایجاد کر لیا ”وہاں جا کر بلا وجہ دل خراب کرنے سے کیا
فائدہ ہوتا۔“

”دکان تمہاری اپنی تھی یا کرائے پر لی ہوئی تھی۔“ موقع
مناسب دیکھ کر میں نے وہ سوال داغ دیا ”اس کے منہ سے

الکل کی بوجھ ضرور آ رہی تھی مگر خوشی کی بات یہ تھی کہ وہ نشے
میں بے خود نہیں تھا۔ سلمیٰ سے صلح ہو جانے کے بعد اس کے
بچنے کی رفتار میں نمایاں کمی آئی تھی۔

”چوکی پر لی تھی۔ چار سو روپے مہینہ کرایہ ہے اس
کا۔“ اس نے فخریہ لہجے میں بتایا۔
”مالک دکان کو تمہارے گھر کا پتا تو معلوم نہیں ہے۔“

میں نے اس سے تصدیق چاہی۔

”نہیں۔ اس کو رسید بدلی کے بیس ہزار دے کر دکان
اپنے نام کر لی تھی۔ گھر سے اسے کیا لینا تھا۔“

”ویری گڈ۔ پھر بھی کسی اجنبی کو اوپر اپنے فلیٹ میں نہ
آنے دینا۔ نیچے سیکورٹی ڈیسک کے ساتھ اول خان کا ایک
مسلح آدمی بیٹھا ہوا ہے۔ ضرورت پیش آنے پر اسے تمہاری
مدد کر کے دلی خوشی حاصل ہوگی۔“ میں نے کہا۔

”یہ سالے کون لوگ ہیں جو میرے پیچھے لگ گئے
ہیں۔“ اس نے برا سامنے بنا کر بر تشویش لہجے میں پوچھا۔

”دکان کو آگ لگانے کے بعد اب وہ تمہارے گھر کی
تلاش میں ہیں۔ تمہیں کسی نئے آدمی سے ملنے کی ضرورت
ہے نہ باہر جانے کی۔“

”باہر تو خیر میں جاتا ہی نہیں۔ شراب سے سبزی تک ہر
چیز سلمیٰ لے آتی ہے۔“ اس نے بے پروائی سے بتایا۔

”خدا اتم کو غارت کرے۔ تمہارے لیے شراب بھی وہ
خرید کر لاتا ہے۔“ میں نے ملامت آمیز لہجے میں کہا۔

”اسے زیادہ دور نہیں جانا پڑتا۔“ جہانگیر نے اپنی صفائی
پیش کی ”قریب ہی کی ایک بلڈنگ میں کوئی میڈم رہتی ہے۔
بہت نیک عورت ہے۔ سلمیٰ فون کر کے جاتی ہے۔ اس کا
آدمی گاڑی میں بولن پینچا کر پیسے لے جاتا ہے۔ اس کی وجہ
سے مجھے آرام ہو گیا ہے۔“

اس کی زبان سے میڈم کا لفظ سنتے ہی میرے ذہن میں
ایک جھماکا ہوا اور میں نے پوچھا ”اس کا نام فرزانہ تو نہیں
ہے؟“

”فرزانہ اور دیوانہ معلوم نہیں۔ سب اسے میڈم کہتے
ہیں۔“ وہ بائیں آنکھ دبا کے بولا ”سننا ہے کہ وہ حلقی عمر کی زور

سپنس ڈائجسٹ میں شائع ہونے والی ہر تحریر کے حقوق طبع و نقل بحق ادارہ محفوظ ہیں۔ کسی بھی فرد یا ادارے
کے لیے اس کے کسی بھی حصے کی اشاعت یا کسی بھی طرح کے استعمال سے پہلے تحریری اجازت لینا ضروری
ہے۔ بصورت دیگر ادارہ قانونی چارہ جوئی کا حق رکھتا ہے۔
تمام اشتہارات نیک نیتی کی بنیاد پر شائع کئے جاتے ہیں۔ اس سلسلے میں ادارہ کسی بھی طرح ڈٹے دار نہ ہوگا۔

انتباہ

دار عورت ہے۔“

وہ اپنی دنیا میں مگن رہنے والا آدمی تھا۔ اسے کچھ سمجھانا لا حاصل تھا۔ اگر وہ اپنی بیوی سے شراب منگو کر خوش ہوتا تھا تو مجھے کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔ میں بس دعا کر سکتا تھا کہ میڈم رسم و راہ بڑھا کر کہیں سسلی کو اپنی راہ پر نہ لگالے۔ میں نے اپنے لیے سگریٹ سلگائی پھر اس سے پوچھا۔ ”سسلی کے بناؤ سنگھار کا کیا چکر ہے؟ اسے دلن بنا کر اپنے ہنی مون کی یاد تازہ نہیں کر رہے۔“

”بیچ پوچھو تو اپنا ہنی مون عظمت ماموں کی گرفتاری کے بعد اب شروع ہوا ہے۔ اصل ہنی مون تو لڑائی جھگڑے کی نذر ہو گیا تھا۔“ اس نے اپنی پتا شروع کر دی۔ ”ان عورتوں کا باوا آدم نرالا ہے۔ گھر میں اپنے مردوں کے سامنے سر جھاڑ منہ بہاڑ بنائے رہتی ہیں۔ باہر نامردوں میں جانے لگتی ہیں تو سولہ سنگھار کر کے، چھک چھلون کر جاتی ہیں۔ میں نے سسلی سے کہہ دیا ہے کہ گھر میں بن سنور کر رہا کرے۔ باہر جاتے ہوئے میک اپ بگاڑ لیا کرے۔ اب وہ اسی ٹھٹھا سے کھانا پکاتی اور برتن دھوتی ہے۔“

”اپنی پوری زندگی میں آج تم نے عقل کی بات کی ہے۔“ میں نے اس کی تائید کی۔ ”عورت کو صرف اپنے مرد کے سامنے بن سنور کر رہنا چاہیے۔ دوسروں سے اسے کیا لینا۔“

اس نے بروہاری سے اثبات میں اپنا سر ہلایا اور جھک کر صوفے کے نیچے سے اپنا گلاس نکال لیا جو آدھا خالی تھا۔ ”تم اپنی حرکتوں سے باز نہیں آئے۔ پھر دن دہاڑے اسکاچ چڑھا رہے ہو۔“ میں نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔ ”کچھ کر دیکھ لو۔“ اس نے اپنا گلاس میری طرف بڑھا دیا۔ ”اسکاچ برائے نام ہے۔ پورا گلاس زرا پانی ہے۔“

”اس کے بعد تم نے دوسرا گلاس بنایا تو میں یہاں سے اٹھ کر چلا جاؤں گا۔“ میں نے غراتے ہوئے اسے دھمکی دی۔ ”دور ہٹاؤ اس گلاس کو۔“

”یہ اسی قابل ہیں۔“ سسلی نے کچن سے میری تائید کی۔ ”میں کہتی ہوں کہ تم ہفتے عشرے کے لیے یہاں آ جاؤ تو یہ بالکل سدرہ جابیں گے۔“

”تم کھانا پکا رہی ہو یا ہماری باتیں سن رہی ہو!“ وہ کھڑا ہو کر خفگی سے دھاڑا۔

”دونوں کام کر رہی ہوں۔ چاہو تو آ کر دیکھ سکتے ہو۔“ سسلی کا لہجہ سلگنے والا تھا مگر جتاگیر اس کا خاطر خواہ اثر نہیں ہوا۔ وہ خاموشی سے صوبے پر بیٹھا اور گلاس اپنے

ہونٹوں سے لگا لیا۔

”تم صبح اٹھنے کے بعد شراب نوشی کرتے ہو تو کسی نذیرے کی طرح سونے تک پیتے رہتے ہو۔ یہ بہت بری عادت ہے۔“

”تم وقت اور پینے کو دیکھ رہے ہو۔ مقدار کو دیکھو۔ میں تمہیں بیچ رہا ہوں کہ میں شراب کم اور پانی زیادہ پیتا ہوں۔ تم دیکھ نہیں رہے کہ میرے گلاس کا رنگ کتنا لپکا ہے۔ اچھا یہ ہٹاؤ کہ تمہاری دانست میں میں دن بھر میں کتنی پی لیتا ہوں گا۔“

”تمہارا ایک بوتل سے زیادہ کا یومیہ اوسط ہو گا۔“ میں نے محتاط تخمینہ لگا کر بتایا۔

”ایک لیٹر کی بوتل پورے دو دن چلتی ہے۔“ اس نے فاتحانہ انداز سے بتایا۔ ”یقین نہ ہو تو سسلی سے پوچھ لو۔ ساری خریداری اسی کے ہاتھ میں ہے۔“

سسلی میرے لیے چائے اور کچھ گرم اسٹیکس کی ٹرے لے کر آئی۔ اس نے جاگیر کی بات سن لی تھی۔ میرے سامنے والے صوفے پر بیٹھتے ہوئی بولی۔ ”یہ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ ان کی مقدار کم ہوئی ہے مگر میں کہتی ہوں کہ یہ دن بھر کا سلسلہ ٹھیک نہیں ہے۔ لت پڑی گئی ہے تو شام کو اپنا شوق پورا کر لیا کریں۔“

”بس، اپنے مشورے اپنے پاس رکھو۔“ جاگیر نے بے رخی سے کہا۔ ”میں اپنے مسئلے خود جانتا ہوں۔ مجھے معلوم ہے کہ تمہیں یہ غم کھائے جا رہا ہے کہ لاہور سے تمہارے میکے کا کوئی مہمان یہاں آ گیا تو مجھے دیکھ کر کیا سوچے گا۔ کان کھول کر سن لو مجھے اپنے بارے میں چرس اور ہیروئن بیچنے والوں کی رائے کی کوئی پروا نہیں ہے۔“

”دیکھ لیا۔“ سسلی نے بے بسی سے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”زیادہ سمجھاتی ہوں تو یہ ایسی گھٹیا باتوں پر از آتے ہیں جن کا کوئی سر پیر نہیں ہوتا۔“

”سر پیر کیوں نہیں ہوتا۔ کیا لاہور میں تمہارے عظمت ماموں ہیروئن کی اسمگلنگ کے چکر میں نہیں پکڑے گئے۔ بے چارے ابھی تک اندر ہیں۔“ جاگیر کے آخری فقرے میں ہمدردی سے کہیں زیادہ تضحیک کا پہلو نمایاں تھا۔

سسلی رو بائیں ہو کر اٹھ گئی۔ ”بھئی کبھی تم بہت سنگ دل ہو جاتے ہو۔ تمہیں میری خوشی ایک آنکھ نہیں بھاتی۔ یہاں میری موجودگی پسند نہیں ہے تو میں کچن میں اپنا منہ جھونکنے جا رہی ہوں۔“

”منہ نہ جھونکتا۔ ہانڈی چڑھا رہا۔ ڈینی کو ڈیڑھ بجے

موت و حیات

گھنٹی بجی تو مبین صاحب گھر سے نکلے۔ انہوں نے چند باریش حضرات کو دروازے پر کھڑے پایا۔ ایک صاحب نے بات شروع کی ”جناب! آپ نے کبھی سوچا کہ زندگی کتنی ناپائیدار چیز ہے اور موت ایک اٹل حقیقت ہے جس سے فرار ممکن نہیں۔“

”جی ہاں... میں تو سارا دن یہی سوچتا رہتا ہوں کیونکہ میں ایک انشورنس ایجنٹ ہوں“ نین صاحب نے جواب دیا۔

کھانا تیار ملنا چاہیے۔ یہ ہمارے ساتھ کھانا کھا کر جائے گا۔“ اس نے سسکی گئی۔ پیچھے ہانک لگائی۔

”میں کھانے کے لیے نہیں رکوں گا۔“ میں نے سختی سے انکار کر دیا۔ ”میں بہت مشکل سے وقت نکال کر تمہارے پاس آیا ہوں۔ میں تمہیں ذاتی طور پر فضا میں منڈلانے والے خطرات سے آگاہ کرنا چاہ رہا تھا۔ میں چائے پیتے ہی چلا جاؤں گا۔ مجھے دوسرے کام بھی منٹانے ہیں۔“

اس نے اپنی تجویز پر اصرار نہیں کیا۔ نرمی سے بولا۔

”یہ شی کا چکر کب تک چلتا رہے گا؟“

”نئے آئی مین کا وقت پورا ہو چکا ہے۔ اس کے بارے میں تم کسی بھی وقت اچھی خبر سن لو گے۔“

”اچھی خبر کیا خاک سن لوں گا۔“ وہ منہ بنا کر بولا۔

”تین چار دن تک اس کے بارے میں اخباروں میں دھواں دار خبریں آتی رہیں۔ اب ایک لفظ بھی نہیں آ رہا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اخبار والے اس سے ڈرتے ہیں یا پھر انہوں نے مال بورڈ کراپنا منہ بند کر لیا ہے۔“

”ان دونوں میں سے کوئی بات نہیں ہے۔“ میں نے اسے سمجھایا۔ ”اے بھڑکانے اور اشتعال دلانے کے لیے خبروں کا سلسلہ شروع کرایا گیا تھا۔ اب ہم نے جان بوجھ کر خاموشی اختیار کر لی ہے۔ اخبار والوں کی اس تک کوئی رسائی نہیں ہے۔ ان کو جو مواد مل جاتا ہے تمک مرچ لگا کر چھاپ دیتے ہیں۔“

”تم کہتے ہو تو میں مانے لیتا ہوں۔“ اس نے سر ہچکا کر کہا۔

چائے نوشی کے دوران میں نے دیکھا کہ اپنے ہلکے گلاس سے وہ لمبے وقفوں سے چھوٹی چھوٹی چسکیاں لے رہا تھا۔ اس کے پینے کا دورانیہ پورے دن پر محیط تھا لیکن اس کے معدے میں اترنے والی خراب کی مقدار میں نمایاں کمی آچکی تھی۔ شاید نصف لیٹر یومیہ کے بارے میں اس نے غلط بیانی نہیں کی تھی۔

چائے ختم کرتے ہی میں اٹھ گیا۔ گھر پہنچ کر مجھے اول خان کو تلاش کرنا تھا۔ اس سے جملہ مسائل پر تبادلہ خیال کرنے کے ساتھ شام پانچ بجے کا پروگرام بھی طے کرنا تھا۔ وہ دونوں میاں بیوی مجھے روکتے رہ گئے مگر میں وہاں سے روانہ ہو گیا۔

گھر پر وہ بیویاں چائے کا دور چلا رہے تھے۔ انہوں نے جس انداز میں میرا استقبال کیا اس سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں تھا کہ میری ذات ان کے درمیان موضوعِ سخن بنی ہوئی

تھی۔

”جلال کو اتنے سویرے تمہاری کیا ضرورت پڑ گئی تھی۔“ ویرا نے تھکے لہجے میں پوچھا ”معلوم ہوتا ہے کہ گھر میں اس کا دل نہیں لگتا۔“

”کیسے لگے گا۔ اس کی گھر والی اسلام آباد میں ہے۔ یہاں وہ خود لے گھر ہے۔ اپنا کام جلد از جلد ختم کر کے واپس جانا چاہ رہا ہے مگر ہر بار کوئی نہ کوئی ایسی بات ہو جاتی ہے کہ اسے رکنا پڑ جاتا ہے۔ تم لوگ بے خبری کے بازار میں بیٹھے ہوئے ہو۔ ذرا ٹیلی وژن آن رکھو۔ اس پر کوئی اہم اعلان آسکتا ہے۔“

سلطان شاہ نے فوری طور پر ٹیلی وژن آن کر دیا۔ ویرا اس اعلان کے بارے میں جاننا چاہ رہی تھی۔ میں اسے نظر انداز کر کے فون کی طرف متوجہ ہو گیا۔

اول خان اسٹیشن فور پر نہیں تھا۔ کسی گشت پر نکلا ہوا تھا۔ میں نے موبائل پر اسے پوچھا۔

”اس وقت گشت پر کیسے نکل کھڑے ہوئے؟“ رابطہ ہونے پر میں نے سوال کیا۔

”تھوڑی دیر پہلے فون آیا تھا۔ شہر میں ریڈ الرٹ ڈکلیئر کر دی گئی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ کچھ ہونے والا ہے۔“ اس نے بتایا ”وہ پیغام سننے کے بعد سے میری طبیعت مضطرب ہے۔ پتا نہیں روشنیوں کا یہ شہر خطروں کی دلدل سے کب نکلے گا۔“

”یہاں آجاؤ۔ میں اسی بارے میں کچھ تبادلہ خیال کرنا چاہتا ہوں۔ اس ریڈ الرٹ کا محرک جلال ہے۔ میں ابھی ابھی اسی سے مل کر آ رہا ہوں۔“

قدم باہر نکالتے ہی اندازہ لگالیں گے کہ ان کے لیے موسم ساز گار نہیں ہے۔“

”اب میں گھر پر ہی ہوں۔ کہیں سے کوئی خبر ملے تو مجھ سے یہیں رابطہ کر لیتا۔“

”تم فکر نہ کرو۔ موبائل فون کا رواج ہو جانے کے بعد باہمی رابطے آسان ہو گئے ہیں۔ ضرورت پڑی تو میں تم کو پکڑ لوں گا۔“

دیرا میرے فارغ ہونے کے انتظار میں بے چینی سے بار بار پسلو بدل رہی تھی۔ جلال سے میری گفتگو ختم ہوتے ہی بول پڑی ”چنانچہ اس وقت خان قلعہ میں آئے۔ تم اپنی کہانی شروع کرو۔ میں اب زیادہ دیر تک صبر نہیں کر سکتی۔“

”میں ایک شرط پر یہ دہری مشقت برداشت کر سکتا ہوں کہ تم اپنے ہاتھ سے مجھے عہدہ چائے بنا کر بلاؤ۔“ میں نے کچھ وقت گزارنے کے لیے وہ شرط عائد کر دی ورنہ مجھے مزید چائے پینے کی کوئی خواہش نہیں تھی۔ میں جھانگیر کے گھر سے چائے پی کر ہی ادھر آیا تھا۔

”میں چائے بنا دوں گی۔ تم شروع ہو جاؤ۔“ وہ بولی۔
”پہلے چائے۔ اس کے بعد باتیں ہوں گی۔“ میں دو ٹوک لہجے میں یہ کہہ کر اٹھ گیا۔

میں غسل خانے سے نمٹ کر آیا تو میرے لیے چائے تیار تھی اور دیرا منہ پھلّائے میرا انتظار کر رہی تھی۔
”ابھی تک ہم بن ڈیوڈ کے گرد گھوم رہے تھے۔“ میں نے چائے کا پہلا گھونٹ لے کر بات شروع کی ”اب کہانی خاصی پھیل چکی ہے۔“

اچانک ڈور بیل دو تین مرتبہ بج اٹھی اور ہم سب چونک کر ایک دوسرے کی شکل دیکھنے لگے۔ ہمارے پاس آنے والوں میں سے کوئی اتنا بد تمیز یا بجلت پسند نہیں تھا کہ اس طرح بار بار گھنٹی بجانا شروع کر دے میں نے تیزی سے اپنی جگہ چھوڑ دی۔ سلطان شاہ میرے ساتھ تھا۔

میں نے خود کو کسی ناگہانی آفت سے محفوظ رکھنے کے لیے بہت احتیاط سے دروازہ کھولا اور پھر اول خان کو دیکھ کر بھونچکا رہ گیا۔ اس کا دہانا شانہ زخمی تھا جس سے رسنے والے خون نے اس کی پوری آستین کو سرخ کر دیا تھا۔ اس نے بائیں ہاتھ سے زخم کو دبا دیا ہوا تھا۔ دروازہ کھلتے ہی وہ ہم دونوں کو دھکیل کر اندر گھس آیا۔

”ایسی بات ہے تو میں دس پندرہ منٹ میں پہنچ رہا ہوں۔“ اس کا وہ پیغام سن کر میں نے فون بند کر دیا۔

”تم اس سے کس ریڈارلٹ کی بات کر رہے تھے۔“
دیرا نے میری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے احتیاب آمیز لہجے میں پوچھا۔

”بات ذرا لمبی ہے۔ چھری کے نیچے دم لو۔ اول خان آجائے تو ایک بار ہی سب کچھ بتا دوں گا۔“

”کیا یہ بن ڈیوڈ کا کوئی چکر ہے؟“ اس نے سوال کیا۔
”ہاں۔۔۔ اس کے سر پر جنون سوار ہو چکا ہے۔ کاش ہم اسے روکنے میں کامیاب ہو سکیں۔“

ٹیلی فون کی گھنٹی بجتے لگی۔ اس بار جلال سے بات ہوئی۔

”ریڈارلٹ کے آرڈرز کا اجرا ہو چکا ہے۔ مگر ریڈیو اور ٹی وی سے کوئی اعلان نہیں ہو سکے گا۔“ وہ بتا رہا تھا۔

”شہریوں کو جلد از جلد ہوشیار کرنے کے لیے یہ ضروری ہے۔“ میں نے زور دے کر کہا۔

”ہم معاملے کا صرف ایک رخ دیکھ رہے ہیں۔ وزارت داخلہ والے ایسے معاملات کو ہم سے بہتر سمجھتے ہیں۔ وہ کہہ رہے ہیں کہ ایسے اعلانات کے بہت منفی اثرات ہوں گے۔ شہر میں خوف و ہراس پھیل جائے گا۔ افزائش پمپے کی لوگ دفاتر اور دکانیں بند کر کے گھروں کو چلے جائیں گے۔ پوری شہری زندگی درہم برہم ہو کر رہ جائے گی جس کے معاشرتی اثرات پر کئی روز تک قابو نہیں پایا جاسکے گا۔ ہم نے ردِ عمل کے اس پہلو کے بارے میں نہیں سوچا تھا۔“

مجھے خوشی ہوئی کہ اعلیٰ انتظامی عہدوں پر کہیں کہیں عہدہ سوجھ بوجھ رکھنے والے ذہن افسر مامور تھے جو لکیر کے فقیر نہیں تھے۔ کوئی بھی فیصلہ کرنے سے پہلے اس کی اونچ نیچ پر اچھی طرح غور کر لیتے تھے۔ میں نے کہا ”ایسا ہونا عین ممکن ہے بلکہ یہی ہوگا۔ سراپا سبکی اور خوف و ہراس پھیلنے لگے تو پھر کچھ بھی ہو سکتا ہے۔“

”بس میں نے تم کو یہی بتانے کے لیے فون کیا تھا کہ ہمارے آدھے فیصلے پر عمل ہوا ہے۔“

”ریڈیو اور ٹی وی کے اعلانات را والوں کو روکنے کے لیے تھے۔“ میں نے کن آنکھوں سے دیرا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا ”ان کو خوف زدہ کرنا بھی ضروری ہے۔“

”اس کی تم فکر نہ کرو۔ جب شہر کی سڑکوں پر باوردی پولیس کی کثرت نظر آتی ہے تو ہر جرائم پیشہ شخص گڑبڑ کا اندازہ لگاتا ہے۔ وہ تینوں تربیت یافتہ اور تجربے کار ہیں۔“

انسانیت کے دشمنوں کے خلاف جاری اس جنگ کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں

سمجھی۔ گولی کا وہ زخم معمولی ہو تا تو وہ اضطراب کے عالم میں بار بار ہماری ڈور بیل ہرگز نہ بجاتا۔ سکون سے ایک بار بیٹن دبا کر جواب کا انتظار کرتا۔

اپنے دشمنوں کے خلاف سمات میں کسی بار ہم لوگوں نے زخم کھائے تھے اور اپنا خون بہایا تھا۔ یہ ہم یا انچوں کے مقدر کی یادری تھی کہ اپنے خون آشام اور درندہ صفت دشمنوں کی تمام ترکوشوں کے باوجود ہم سب نہ صرف زندہ تھے بلکہ کسی تکلیف دہ معذوری کے شکار بھی نہیں ہوئے تھے۔ اول خان کا وہ خون آلود زخم تازہ تھا اس لیے سب کی توجہ اسی پر مرکوز ہو گئی۔ دیرانے کسی پیشہ ور اور جاہل نرس کے سے انداز میں اول خان کی ہر بات سنی ان سنی کر کے اسے زبردستی ڈرائنگ روم کے ایک صوفے پر لٹا دیا۔

اول خان پر پہلی نظر پڑتے ہی میرے ذہن میں یہ سوال ابھرا تھا کہ اسے وہ زخم کیسے آیا، وہ کسی کی چلائی ہوئی گولی کا شکار ہوا تھا مگر وہ اس وقت ان سوالات کا نہیں تھا۔ اس وقت اول خان کے بازو کے زخم کی دیکھ بھال اور فوری طبی امداد کی فراہمی ہر سوال پر مقدم تھی۔

دیرانے آستین اتارنے کے چکر میں پڑے بغیر خون آلود کپڑا کاٹ کر اول خان کا دھانپا بازو برہنہ کر دیا۔ گولی اس کے بازو کی جلد اور گوشت کو بھاڑی ہوئی گزری تھی۔ گولی ذرا اوپر لگی ہوئی تو اس کے شانے اور بازو کے جوڑی ہڈی کو ناقابل تلافی نقصان پہنچ سکتا تھا۔

زخم کے ارد گرد جگہ کو انگلیوں سے اچھی طرح دبانے اور ٹٹولنے کے بعد جب دیرا اور غزالہ کو اطمینان ہو گیا کہ گولی زخم میں موجود نہیں تھی تو انہوں نے ڈینیل کی مدد سے زخم کی صفائی کر کے اس کی ڈرینک کردی اور اول خان صوفے پر سیدھا ہوا کر بیٹھ گیا۔

”میں اس ہمدردی کے لیے تمہارا ممنون ہوں۔“ اس نے ہنستے ہوئے کہا ”لیکن اس چکر میں تم نے مجھے کارٹون بنا دیا۔“ اس نے بائیں ہاتھ سے اپنے برہنہ ہاتھ اور ڈرینک کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ”اس حالت میں لی ہوئی میری سادہ سی تصویر بھی بہترین کارٹون کا انعام جیت سکتی ہے۔“ ”یہ ہوا کیسے؟ تم پر گولی کس نے چلائی؟“ دیر سے انکا ہوا سوال آخربان پر آیا۔

”میں سڑک پر اپنی توجہ مرکوز کیے، ڈرائیونگ کر رہا تھا کہ اچانک میرے اس بازو میں آگ سی بھر گئی۔ وہ بے آواز فائر تھا۔ بوکھلاہٹ کی وجہ سے میں کسی طرف دھیان نہیں دے سکا۔ بس اتنا دیکھ سکا کہ گہرے نیلے رنگ کی ایک کار

بست تیزی کے ساتھ میرے برابر سے گزر کر آگے نکلتی چلی گئی۔ اس وقت آغا خان اسپتال والی سڑک خالی تھی۔ مجھے شبہ ہے کہ مجھ پر اسی نیلی کار سے گولی چلائی گئی تھی۔“ اول خان نے مزے لے لے کر مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

”ہنسو نہیں، یہ بہت سنگین واقعہ ہے۔“ دیرا تشویش سے بولی ”نامعلوم حملہ آور نے تمہارے بازو کا نہیں کھوڑی یا گردن کا نشانہ لیا ہو گا۔ یہ تمہاری خوش قسمتی تھی کہ تم بال بال بچ گئے۔ تم نے بوکھلاہٹ کے باوجود کار چلانے والے کو تو دیکھا ہو گا۔“

”مہلت ہی نہیں ملی اس کی رفتار بہت تیز تھی میں ناگمانی طور پر اسٹیرنگ پر اپنا توازن برقرار نہیں رکھ سکا۔ مجھے بھلکت میں بریک لگا کر اپنی گاڑی کی رفتار کم کرنا پڑی۔ اتنی دیر میں وہ گاڑی بہت تیزی سے دور نکل چکی تھی۔“ اس نے بتایا۔

”تم نے کچھ تو دیکھا ہو گا وہ کون تھا۔ کوئی مقامی تھا یا میرا کوئی ہم وطن کار چلا رہا تھا۔“ دیرانے اصرار کیا۔

”وہ کوئی مقامی ہی رہا ہو گا۔“ اول خان نے سوچتے ہوئے جواب دیا ”اس کی چیزی سفید ہوتی تو یہ بات لا شعوری طور پر میرے ذہن میں کہیں نہ کہیں اٹک جاتی۔“

”مقامی کون ہو سکتا ہے؟“ غزالہ خود کلامی کے انداز میں بڑبڑائی ”اس وقت ہمارے سارے حریف غیر ملکی بلکہ امریکی ہیں۔“

”تم را والوں کو فراموش کر رہی ہو۔“ دیرانے یاد دلایا ”ان دنوں وہ بھی امریکیوں کی مدد کر رہے ہیں۔“

”آپ ذرا سی دیر پہلے کہانی کے پھیل جانے کی بات کر رہے تھے۔“ غزالہ کو اچانک بھولی ہوئی بات یاد آگئی۔

”ہاں۔۔۔ اب تو تم میرے ہاتھ کی بنی ہوئی چائے بھی پی چکے ہو۔“ دیرانے اس کا ساتھ دیا ”اپنی کھانا سناؤ تاکہ ساری

کڑیاں یک جا ہو سکیں۔ واقعات نے پھیلاؤ اختیار کیا ہے تو پھر کہیں سے کوئی نہ کوئی سراغ بھی مل سکتا ہے۔“

”دیرا صحیح کہہ رہی ہے۔ یہ ریڈ الرٹ کا کیا چکر چل پڑا ہے؟“ اول خان نے اپنی تکلیف کو بھول کر پوچھا۔

میں نے اپنی کہانی چھیڑ دی۔ اس کی ابتدا معمولی سی تھی۔ میری اور جلال کی ملاقاتیں ہوتی رہتی تھیں۔ ان میں کوئی نئی بات ضرور سامنے آتی تھی اور جب اس روز کے واقعات سامنے آنے شروع ہوئے تو حیرت سے ان چابروں کی آنکھیں پھیلنے چلی گئیں۔

وہ سب اس قدر چڑچڑستے تھے کہ ان لوگوں کے لیے

وہاں نالے میں پھینکا ہوا قیمتی ٹرانسمٹر کیسے مل سکتا تھا؟“ ویرا بولی۔

”یہ تمہارا دوسرا سوال ہے۔ ٹرانسمٹر کا ملنا یا نہ ملنا بعد کی بات ہے۔ تمہارا پہلا سوال یہ تھا کہ جلال نے اس ٹرانسمٹر کو اہمیت کیوں نہیں دی۔“ سلطان کا لہجہ قدرے جارحانہ اور اشتعال انگیز تھا۔ وہ ویرا سے پوچھ رہا تھا ”تمہیں پہلے کس سوال کا جواب درکار ہے۔“

”تم جو چاہو،“ جلتے رہو۔ میرے لیے یہ دونوں باتیں ناقابل فہم ہیں۔“

”کھوپڑی پر بالوں کا غیر ضروری بوجھ عقل کو کند کر دیتا ہے۔“ وہ غزالہ کو آنکھ مار کر بولا ”عورتوں کے بال بڑے ہوتے ہیں اسی لیے وہ کم عقل قرار دی جاتی ہیں۔ سر پر استرا چلو۔ الو۔ ہر بات خود بخود تمہارے سامنے واضح ہو جائے گی۔“

”زیادہ بک بک کرو گے تو میں ہاتھ مار دوں گی۔“ ویرا غرائی ”میں تم سے بات نہیں کر رہی۔ تم خاموش رہو۔“

”بات حیرت ناک ضرور ہے مگر خوش کن ہے۔“ اول خان نے معاملے کی نزاکت کا اندازہ لگاتے ہوئے دخل اندازی کی ”ہر بات پر ہر شخص کا رد عمل مختلف ہوتا ہے اور نتائج کا انحصار اسی رد عمل پر ہوتا ہے۔ جلال نے وجہ سے ایک بات سنی اور اسے نظر انداز کر دیا۔ ڈینی نے اسی بات کی اہمیت کا اندازہ لگایا اور پیش قدمی کر کے حیران کن نتائج حاصل کر لیے۔ یہ بنیادی نکتہ ہے مگر اس سے زیادہ اہمیت بعد کے حقائق کی ہے۔ آئی مین سے راکے آدمیوں کا براہ راست رابطہ تشویشناک ہے۔“

”ہمیں چوڑا کا سر پکچل دینا چاہیے۔ راکے چاروں ایجنٹ اسی کے پیالے ہوئے ہیں۔“ ویرا پھلتو بدل کر بولی۔

”تم جذباتی ہو رہی ہو۔“ اول خان نے دھیمی آواز میں کہا۔ ”یہ سارے ناگ اسی کے پیالے ہوئے ہیں۔ جب تک

وہ زندہ ہے، زندگی کی امید میں کچھ نہ کچھ اگلتا رہے گا۔ اسے مار کر ہم اپنی معلومات کے ایک اہم ذریعے سے ہاتھ دھو بیٹھیں گے۔ تمہاری سوچ غلط ہے۔“

”اگر انہوں نے کراچی میں تین دھماکے کرنے میں کامیابی حاصل کر لی تو کیا ہو گا؟“ ویرا نے بے ساختہ پوچھا۔

”ان کی کارکردگی کا چوڑا کی زندگی یا موت سے کوئی تعلق نہیں۔ وہ براہ راست بن ڈیوڈ کے لیے کام کر رہے ہیں۔ ان کو روکنے کے لیے شرمیں ریڈارٹ کا نفاذ کیا جا چکا ہے۔ یہاں آتے ہوئے میں نے اپنی آنکھوں سے پولیس والوں کی گاڑیوں کی غیر معمولی تعدادیں سڑک پر دیکھی ہے۔

خاموش رہنا محال تھا مگر میں نے سختی کے ساتھ انہیں اپنی گفتگو میں مداخلت سے روک دیا۔

میں نے شرمیں بنگالی حالات کے اعلان سے محکمہ داخلہ کے انکار کی تفصیل بتاتے ہوئے اپنی بات ختم کی تو ویرا نے پوچھا ”شاید تمہاری بات مکمل ہو چکی ہے۔ اب ہمیں سوالات کرنے کی اجازت مل جانی چاہیے۔ حیرت ہے کہ اتنا کچھ ہو گیا اور ہم بے خبر بیٹھے ہوئے ہیں۔“

میں نے مسکراتے ہوئے سگریٹ سلگائی اور اپنے سر کی خفیف سی جنبش سے اسے مزید بولنے کی اجازت دے دی۔

”چوڑا اور وجے، دونوں جلال کی قید میں ہیں۔ وہ ان سے باز پرس بھی کر چکا تھا پھر اس نے ایم ففٹی کی تلاش کی ضرورت کیوں محسوس نہیں کی؟“ ویرا نے ترشی سے پوچھا۔

”تمہارا یہ سوال نہایت احمقانہ ہے۔ اس کا جواب جلال دے سکتا ہے۔“

”اس سوال کا جواب کوئی نہیں دے سکے گا۔“ اول خان نے میری بات کاٹ کر وضاحت کی ”وجے نے جلال کو اپنے ایم ففٹی کی تعلق کے بارے میں بتایا اور جلال نے فرض کر لیا کہ وہ حساس مواصلاتی آلہ تیار یا غائب ہو چکا ہو گا۔ اس نے یہ نتیجہ اخذ کرنے میں کوئی غلطی نہیں کی۔ اس کی جگہ میں ہوتا تو شاید میں بھی یہی رائے قائم کر تا کہ ایم ففٹی میرے ہاتھ نہیں آ سکے گا۔“

”میرا خیال ہے یہ بالکل غیر متعلقہ سوال ہے۔“ غزالہ بولی۔

”میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ ہر ٹیڑھی بات ڈینی کو ہی کیوں سوجھتی ہے۔“ ویرا کی آواز پر بد مزگی کا عنصر غالب تھا ”یوں محسوس ہوتا ہے جیسے ہر شخص اپنی دکان سچائے صرف ڈینی کی آمد کا منتظر رہتا ہے۔ یہ وہاں جاتا ہے اور اپنی پسند کی چیز چن لیتا ہے جو اتفاق سے اہم ترین ہوتی ہے۔“

”اس بارے میں کیا کہا جا سکتا ہے۔“ سلطان شاہ نے اپنے شانے اچکا کے جواب دیا ”سراغ موجود تھا۔ جلال نے اسے نظر انداز کر دیا۔ ڈینی نے وہاں پہنچنے کے بعد کام کو آگے بڑھایا اور کامیابی حاصل کر لی۔ تم کو اس سے حسد کرنے کے بجائے اس کی کامیابی اور حاضردماغی پر رشک کرنا چاہیے۔“

”برٹس روڈ کا علاقہ میرا دیکھا ہوا ہے۔ وہاں ہر وقت میلے اور گندے ہیروینچوں کی بھمارا رہتی ہے۔ دکانوں کے باہر رکھا ہوا سامان تک ان کی دست برد سے محفوظ نہیں رہتا۔ نظر پھرتی ہے اور وہ کوئی نہ کوئی چڑھا کر لے بھاگتے ہیں اور اپنا شہ پورا کرنے کے لیے اسے اونے پونے بیچ دیتے ہیں۔“

یہاں آنے کے بعد پتا چلا کہ ان کی نقل و حرکت کا سبب ریڈ الارٹ کا نفاذ ہے۔

”وہ راکے گھاگ، دہشت گرد ہیں۔ نامساعد حالات میں بھی اپنا کام کر سکتے ہیں۔ اگر ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر ہنگامی حالات کے نفاذ کا کھلا اعلان کر دیا جاتا تو وہ تینوں چڑے جانے کے خوف سے اپنی کمین گاہوں سے نکلنے کی ہمت نہ کر پاتے۔“

”ڈینی نے تمہارے سامنے محکمہ داخلہ والوں کی سوچ بتا دی ہے۔ ان کا فیصلہ صحیح ہے۔“

”شہری افزا تفری ایک دو روز میں معمول پر آ سکتی ہے لیکن دشمنوں کا نشانہ بننے والے بھی واپس نہیں آ سکیں گے۔“ ویرا بولی۔

”تم اس وقت ابھی ہوئی ہو اس لیے ایسا سوچ رہی ہو۔ اس وقت بھی ان کا باہر نکلنا مشکل ہے۔“ اول خان نے کہا۔

”تم کیوں کہنے بنے بیٹھے ہو؟ بولتے کیوں نہیں؟“ ویرا لاجواب ہو کر میرے اوپر سر پڑی۔

”جو کچھ ہوا“ صحیح ہوا ہے۔“ میں نے اسے چزانے کے بجائے سنجیدگی سے جواب دیا ”اب ہمیں بہتری کی امید کے ساتھ انتظار کرنا چاہیے۔“

میں نے اسے مطمئن کرنے کی پوری اور مخلصانہ کوشش کی تھی مگر اندر سے میں خود مضطرب تھا۔ میرے ذہن میں یہ اندیشہ بچوکے لگا رہا تھا کہ راکے ایجنٹ عام آدمی نہیں تھے۔ حالات کی غیر معمولی تبدیلی سے ایک عام آدمی ڈر کر اپنی راہ تبدیل کر سکتا ہے لیکن راکے تجربے کار ایجنٹوں کو محض پولیس کے اضافی گشت سے خوف زدہ کر کے دشمن کی انجام دہی سے نہیں روکا جاسکتا تھا۔ وہ پاکستان کی سرزمین پر بھارتی عوام کے حصول کے لیے بھیجے گئے تھے تو ان کا دلیر ذہن اور سفاک ہونا ضروری تھا۔ ایسے لوگ معمولی رکاوٹوں کی پروا کیے بغیر اپنا کام کر گزرنے کے عادی ہوتے ہیں۔ میں ایک عام سا شہری تھا۔ یعنی شاید ہونے کی بنا پر میں ایسے معاملات پر اپنی کوئی بھی رائے قائم کرنے کے لیے آزاد تھا مگر اپنی رائے کے نفاذ کی قانونی طاقت سے یکسر محروم تھا۔ مجھے اندازہ تھا کہ محکمہ داخلہ والوں نے جلال کے ذریعے بھیجی جانے والی میری

تجویز پر اپنی جس سوچی سمجھی رائے کا اظہار کیا تھا، وہ اپنی جگہ اصل تھی۔ وہ شہری یا شاید صوبائی انتظامیہ کے سرکردہ افسر تھے، شہری نظم و نسق کو چلانے کا وسیع تجربہ رکھتے تھے۔ ان کو اپنی رائے تبدیل کرنے پر آمادہ کرنا آسان کام نہیں تھا۔ مگر یہی تھا کہ میں دیر کی ہم توانی کرنے کے بجائے اسے ٹھنڈا کرنے کی کوشش کرتا۔

میں نے ایم فٹنی آپریشن پر راکے ایجنٹ اور آئی مین کی جو گفتگو سنی تھی اس سے بہر حال یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ راکے والے اپنے تحفظ کے معاملے میں بہت محتاط تھے۔ وہ پھونک پھونک کر ہر قدم اٹھا رہے تھے۔ ان میں سے کسی سے یہ توقع عیب تھی کہ وہ شہر میں دن دسواڑے کوئی واردات کرنے کی کوشش کرے گا۔

میرا خیال تھا کہ ان لوگوں نے آئی مین سے اسی دن تینوں بم استعمال کرنے کا وعدہ کر لیا تھا تو وہ اپنا دامن بچا کر ان بموں کو کہیں نہ کہیں چلا دیتے۔ راکے والے نے ہرجومعلا سے فرار میں مشکل کا ذکر کر کے پہلے ہی پیش بندی کر لی تھی۔ ان سب نکات کی روشنی میں کچھ یوں نظر آ رہا تھا کہ سورج غروب ہونے کے بعد راکے والے کسی بھی سنسان علاقے میں کسی آگاہ کا گاڑی یا راہ گیر پر بم پھینک کر آئی مین کے حکم کی تعمیل کرنے کی کوشش کر سکتے تھے۔ معاملہ ان کے تحفظ کے ساتھ حکم کی تعمیل کا بھی تھا۔

رات ہونے میں خاصی دیر باقی تھی۔ اس سے پہلے پانچ بجے والا مرحلہ درپیش تھا۔ جب وجے کے بیان کے مطابق اس کے بقیہ تینوں ساتھیوں کو باہمی مشاورت کے لیے فریئر ہال کے لان پر بلانا تھا۔ چوڑا کی گرفتاری کے نتیجے میں ہوٹل سے فرار ہونے کے بعد وہ چاروں شہریں آزادانہ بھٹکتے پھر رہے تھے۔ ان کا باہمی رابطہ منقطع تھا۔ یہ وجے کی بد قسمتی تھی کہ وہ آئی ٹی والوں کے ہاتھ آ چکا تھا۔ بظاہر یہ امکان غالب تھا کہ راکے بقیہ تین ایجنٹ نئے حالات کی روشنی میں اپنی حکمت عملی طے کرنے کے لیے اس شام فریئر ہال میں ضرور آئیں گے۔

پانچ بجے کے لیے جلال پوری طرح تیار تھا۔ میں صرف امید ہی کر سکتا تھا کہ راکے تینوں ایجنٹ شہر میں کوئی کارروائی

سپیس ڈائجسٹ میں شائع ہونے والی ہر تحریر کے حقوق طبع و نقل بحق ادارہ محفوظ ہیں۔ کسی بھی فرد یا ادارے کے لیے اس کے کسی بھی حصے کی اشاعت یا کسی بھی طرح کے استعمال سے پہلے تحریری اجازت لینا ضروری ہے۔ بصورت دیگر ادارہ قانونی چارہ جوئی کا حق رکھتا ہے۔ تمام اشتہارات نیک نیتی کی بنیاد پر شائع کئے جاتے ہیں۔ اس سلسلے میں ادارہ کسی بھی طرح ذمے دار نہ ہوگا۔



”کو ششیں جاری ہیں۔ آئی بی والے بھی اس کام میں لگے ہوئے ہیں۔ شام تک کوئی نہ کوئی نتیجہ سامنے آ جاتا چاہیے۔“

میں بے اختیار ہنس پڑا۔ ”سب کچھ شام کے لیے جمع ہوتا جا رہا ہے۔ میرے لیے آج کا دن گزارنا مشکل ہو جائے گا۔“

”اول خان اچانک اٹھ گیا“ میں چلتا ہوں۔ چار بجے تک واپس لوٹ آؤں گا۔“

”تھوڑی دیر کے لیے جا کر کیا کرو گے۔ یہیں میرے کمرے میں لیٹ کر آرام کر لو!“ سلطان شاہ نے اسے پیش کش کی۔

”ہاؤ کا ذمہ سنبھال رہا ہوں اب اس میں درود شروع ہو گیا ہے۔“ اول خان نے مسکراتے ہوئے بتایا ”میں ابھی جا کر درود کو ناف کرنے والا کوئی انجکشن لگواؤں گا تاکہ پانچ بجے کی مہم میں آسانی سے شریک ہو سکوں۔“

”پھر تم کیلئے نہیں جاؤ گے۔“ میں نے اپنا فیصلہ صادر کر دیا ”ڈرائیونگ سے زخم میں شروع ہونے والا درد بڑھے گا۔ سلطان شاہ تمہیں لے جائے گا۔“

”بچوں جیسی بات نہ کرو۔ درد بہت زیادہ نہیں ہے۔ میں بس احتیاط کرنا چاہ رہا ہوں۔“

شاید اس کی بات درست رہی ہو۔ وہ اکیلا جانے پر مصر تھا مگر اس کی ایک نہ چلی اور میں نے اسے سلطان شاہ کے ساتھ روانہ کر دیا۔

چاروں طرف سے مکمل فرصت میسر آنے پر میں صوفے پر ہی دراز ہو گیا۔

آئی مین، سی ٹائمن، ڈونلڈ اور را کے تین ایجنٹوں کے بارے میں سوچتے سوچتے میرا ذہن جمائیکر کی طرف بھٹک گیا۔ اپنے بھلے دنوں میں وہ بہت چست و چالاک اور حاضر جواب ہوا کرتا تھا لیکن پھر میری وجہ سے شی کے خون آشام شکاری اس کی بو پر لگ گئے۔ ان کے خوف سے جمائیکر نے کافی عرصہ روپوشی کی زندگی بسر کی اور دنیا سے کٹ کر رہ گیا۔ رفتہ رفتہ اس کی کل کائنات اس کے گھر اور اس کی بیوی کی ذات تک سمٹ کر رہ گئی۔

اس گوشہ نشینی نے جمائیکر کو ذہنی اور اعصابی طور پر بڑی حد تک ناکارہ کر دیا تھا۔ وہ صبح و وقت پر صحیح فیصلہ کرنے کی اپنی فطری صلاحیت کھو چکا تھا۔ اس کے اعصاب اتنے کمزور ہو گئے تھے کہ وہ حالات کی ذرا سی گڑبڑ سے بُری طرح بوکھلا جاتا تھا۔ رہی سہی کسر اس کی شراب نوشی کی عادت نے پوری کر دی تھی۔

کرنے سے پہلے آئی بی کی ٹیم کے ہاتھوں پکڑے جائیں گے۔ وہ چاروں آپس میں بائیں کرتے رہے اور میں خاموش بیٹھا رہا۔ آخر کار ویرا نے مجھے ٹوکا ”کیا بات ہے۔ تم کس سوچ میں کھوئے ہوئے ہو؟“

”اندیشہ ستر رہے ہیں۔ دل ہی دل میں دعا مانگ رہا تھا کہ شرمیں آج کی رات کوئی گڑبڑ نہ ہو۔“ میں نے جواب دیا۔

”میرا دل کہہ رہا ہے کہ یہ رات خیریت سے گزرے گی۔“ اول خان نے کہا ”اور را کے پانی تینوں ایجنٹوں کا انجام برا ہو گا۔ ایم ففٹی ان کی شامت بن کر تمہارے ہاتھ آیا ہے۔ ہم لوگ ان کی ہر سازش سے پیشگی آگاہی حاصل کر سکیں گے۔“

”یہ سب کیا دھرا تمہارا تھا پھر وہ اپریش جلال کے پاس کیوں ہے؟“ ویرا نے پوچھا۔

”وہ ان کی گفتگو سن کر اپنے اختیار سے اہم فیصلے کر سکتا ہے۔ وہ اسی کی تحویل میں بہتر ہے۔“

”یہ ضروری نہیں کہ وہ اپریش پر سنی جانے والی ہریات سے تمہیں مطلع کرتا رہے۔“

”قطعی ضروری نہیں۔ پھر بھی وہ اہم باتیں ضرور بتائے گا۔“

”آئی مین نے گپ شپ لڑانے کے لیے وہ فوجی اپریش انہیں نہیں بانٹے ہوں گے۔“ ویرا منہ بنا کر بولی ”اس پر صرف اہم باتیں ہی کی جاتی ہوں گی۔“

اس بار میں نے خاموشی اختیار کر لی۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے اس وقت ویرا اچڑ چڑی ہو رہی ہو۔

کچھ دیر تک ڈرائنگ روم میں خاموشی رہی۔ ہر ایک اپنے اپنے خیال میں کھویا ہوا تھا۔ پہلے غزالہ اٹھ کر گئی پھر ویرا ابھی کسی سے کچھ کہنے بغیر اپنے کمرے کی طرف چل دی۔ اس کا موڈ خراب ہو رہا تھا۔ آثار بتا رہے تھے کہ اپنے مزاج کی بحالی کے لیے اسے الکحل کی خوراک کی ضرورت تھی۔

”ابھی تک سی ٹائمن کے بارے میں کوئی رپورٹ نہیں آئی۔“ حویل توقف کے بعد میں نے اول خان سے پوچھا۔

”میرے آدمی ڈیفنس کے مختلف علاقوں میں اس نمبر کی سات عمارتوں کی دیکھ بھال کر چکے ہیں۔ کہیں سے کوئی مشتبہ رپورٹ نہیں ملی۔“ اس نے بتایا۔

”اس بارے میں ڈونلڈ کا بیان غلط نہیں ہو سکتا۔ جلدیا بدیر بن اسی نمبر کی کسی عمارت سے ملے گا۔“

خطرہ بن سکتی تھی۔

سوا چار بجے وہ دونوں واپس لوٹ آئے۔ اہل خانہ کے بشرے برصمحوال کے بجائے نازکی نظر آ رہی تھی۔ گفتگو کے دوران میں ہر ایک کو اندازہ ہو چکا تھا کہ فریہ ہال کے لیے صرف مولوہ اہل خانہ کا جانا کافی تھا۔ ہمیں دور رہ کر تماشا دیکھنا تھا۔ باقی کام آئی بی والوں کے ذمے تھا۔ ہم چار بجے گھر سے روانہ ہوئے تو دیر اسمیت، تینوں نے ہمیں خوش دلی سے رخصت کیا۔ کسی کی پیشانی پر کوئی شکن نہیں تھی۔

شعرے آنے والے راستوں پر اس وقت بہت بھڑبھڑ تھی لیکن اس طرف جانے والی سڑکوں پر ٹریفک کا رش نہیں تھا۔ اول خان مہارت اور تیز رفتاری سے گاڑی دوڑاتا ہوا، مقررہ وقت سے پہلے فریہ ہال پہنچنے میں کامیاب ہو گیا۔ انجکشن لینے کے بعد اس کے بازو کا درد بہت کم ہو چکا تھا۔ وہ خودی گاڑی چلانے پر مصہر تھا۔

گاڑی سے اترتے ہی میری نظر غیر ارادی طور پر امریکی قنصل خانے کی طرف اٹھ گئی۔ اس وقت تک حفاظتی وجوہ کی بنا پر احاطے کے آہنی جنگلے کو کنکریٹ کی اوپن دیوار سے تبدیل کیا جا چکا تھا۔ بظاہر وہ وسیع و عریض عمارت سکون اور سناٹے میں ڈوبی ہوئی تھی۔ دیوار کے ساتھ 'فٹ پاتھ پرست کی بوریوں سے بنے ہوئے مورچوں کے قریب پولیس کے مسلح جوان مستعدی سے کھڑے ہوئے تھے۔ باہر سے یہ اندازہ لگانا دشوار تھا کہ باہر کی نگرانی کے لیے عمارت کے کن حصوں میں خفیہ کیمرے نصب کیے گئے تھے یا مسلح کمانڈوز کو کہاں مامور کیا گیا تھا۔

اگر اس وقت بھی کمانڈوز اپنی ڈیوٹی پر تھے تو وہ چھت پر بنی ہوئی دیوار کے پیچھے پوشیدہ تھے۔ سڑک یا سبزہ زار سے ان کو دیکھنا ممکن نہیں تھا۔

”کہاں کھو گئے؟“ اول خان نے میرے پہلو میں کہنی مار کر مجھے چونکا دیا ”اتنے غور سے ادھر مت دیکھو۔ ایسا نہ ہو کہ کوئی کیمرا تم کو ڈوم این کر لے۔“

میں فوراً اس کے ساتھ ہو گیا۔ چند ثانیوں بعد ہم دونوں فریہ ہال کے سبز لان میں داخل ہو چکے تھے۔

وہ لان بہت خوبصورت اور وسیع و عریض تھا۔ وہاں لوگوں کی خاصی تعداد تھی لیکن خانہ دار لوگوں کے ساتھ آنے والی خواتین اور بچوں کی گھماگھی شروع نہیں ہوئی تھی۔ پیش قدمی کے ساتھ نظر دوڑاتے ہوئے میں نے دور سے جلال کو دیکھ لیا۔

میری اور اس کی دوستی ہمیشہ سے اتنی مثالی رہی تھی کہ میرے دوستوں اور دشمنوں تک کو اس کا علم تھا۔ جن دنوں شی اور دیر اسے میرا تصادم چل رہا تھا، دیر اور اس کے نمک خوروں نے مجھ تک رسائی کے چکر میں کئی بار اسے اذیتوں سے دوچار کیا تھا۔ تازہ ترین صورت احوال یہ تھی کہ بن ڈیوڈ نے میرے ہاتھوں پر درے زک اٹھانے کے بعد جھلا کر اس کے ایک آدمی کو جہانگیر کے گھر کا سراغ لگانے پر مامور کر دیا تھا۔ یہ غنیمت تھا کہ گولڈن فارمیسی کے مالک جانیہ او سے بڑی دکان داروں تک کسی کو جہانگیر کے گھر کا علم نہیں تھا۔ راکا آدمی آسانی سے اس تک نہیں پہنچ سکتا تھا مگر پھر بھی مجھے اس کی طرف سے ڈبا لگا ہوا تھا کہ کہیں وہ اپنی کسی غلطی سے کوئی مصیبت مول نہ لے بیٹھے۔

گھر کے لیے عورتوں کی خریداری کوئی نئی بات نہیں ہے۔ بہت سے گھروں کا سودا سلف عورتیں ہی لاتی ہیں مگر اس روز مجھے جہانگیر کی زبانی یہ سن کر حیرانی ہوئی تھی کہ اس کے لیے شراب بھی سہلی خرید کر لانے لگی تھی۔ اس کے ساتھ یہ بات پھر ثابت ہوئی کہ دنیا کتنی ہی وسیع کیوں نہ ہو، بہت مختصر سی ہے۔

بن ڈیوڈ آئی مین نے مقامی طور پر جن لوگوں کی خدمات حاصل کی ہوئی تھیں، ان میں خالد کا نام سرفہرست تھا۔ بن ڈیوڈ اسی کو ساتھ لے کر مجھ سے ملنے کے لیے گولڈن فارمیسی کے نواح میں آیا تھا۔ خالد ہی نے اس روز کے لیے کانفرنس کی میڈیم فرزانہ کو اپنے جال میں پھانسا تھا۔ اس کا کام بہت محدود اور مختصر سا تھا لیکن بعد میں اس کا روار بہت اہم ثابت ہوا تھا۔ وہ میڈیم فرزانہ ہی تھی جس کے ذریعے ہم خالد اور پھر اس کی نشان دہی پر فالکن ہاؤس پہنچے تھے۔

یہ عجیب حسن اتفاق تھا کہ غلطی اسی میڈیم فرزانہ کے اذ سے سے جہانگیر کے لیے شراب لاتی تھی۔

اول خان اسٹیشن فور کو شیم خانہ نہیں بنا سکتا تھا۔ اس نے خالد اور فرزانہ کو وہاں سے روانہ کر دیا تھا۔ ان دونوں کی اس قدر سخت گوشمالی کی گئی تھی کہ ان کے دوبارہ کسی چکر میں ملوث ہونے کے بہت کم امکانات رہ گئے تھے۔

خالد اپنی جان کے بارے میں بدترین خوف میں مبتلا تھا۔ وہ آئی مین کا قصہ تمام ہونے تک اول خان کی محفوظ تحویل میں رہنے پر مصہر تھا۔ مجھے یقین تھا کہ اسٹیشن فور سے رہائی پانے کے بعد اس نے بھول کر بھی اپنے گھر کا رخ نہیں کیا ہو گا بلکہ آئی مین کی دسترس سے بچنے کے لیے کہیں روپوش ہو گیا ہو گا۔ وہ منظر عام پر ہوتا تو میڈیم فرزانہ جہانگیر کے لیے

تھا۔ دور سے دیکھنے پر قطعی یہ اندازہ نہیں ہو رہا تھا کہ اسے کسی کی آمد کا انتظار تھا۔ جلال اپنے دونوں ساتھیوں کے ہمراہ بدستور سرسبز گھاس پر بیٹھا ہوا تھا۔

بمبھل چند ٹائے گزرے ہوں گے کہ کسی سمت سے قمیص چٹون میں ملبوس، چمیرے بدن والا ایک چاقو وچوہند شخص تیزی سے بڑھتا ہوا وچے کی طرف آیا۔ دونوں نے سرسری انداز میں ہاتھ ملائے اور کھڑے کھڑے باتوں میں مصروف ہو گئے۔ ان دونوں کے انداز میں ایسی کوئی بات نہیں تھی جس کی بنا پر ان پر کسی قسم کا شبہ کیا جاتا۔

ان دونوں کے یک جا ہوتے میرے دل کی دھڑکنیں یکایک تیز ہو چکی تھیں آئی بی والوں نے را کے ایک ایجنٹ کو پکڑا ہوا تھا۔ اس وقت دوسرا خود ہی سامنے آچکا تھا۔

”یہ بالکل عام سا آدمی ہے۔“ میرے کانوں میں اول خان کی دھیمی آواز آئی ”خدا خال اور چال ڈھال سے بیس کا شری معلوم ہوتا ہے۔ یہ لوگوں میں کھل مل جائے تو کسی کو شبہ نہیں ہو سکتا کہ یہ کسی غیر ملکی ایجنسی کا ایجنٹ ہے۔“

”پانچ بجے اس کا وچے سے ملنا اس بات کا پکا ثبوت ہے کہ یہ را کا آدمی ہے۔“ میں نے اسے یقین دلایا۔

”مجھے معلوم ہے۔“ وہ جلدی سے بولا ”یہ ہمارے شکار کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ ابھی تک ان کے بقیہ دو ساتھی نہیں آئے۔“

”ابھی وقت ہے۔ دعا کرو کہ وہ بھی آجائیں تو ان چاروں کا قصہ نمٹ جائے گا۔“

”تم نے بتایا تھا کہ جسے خورہ در پیش ہوا، وہ غائب ہو جائے گا۔“ اس نے مجھ سے تصدیق چاہی۔

”وچے نے یہی بتایا تھا۔ اپنے اس پروگرام کے مطابق وہ پہلے یہاں مل چکے ہیں۔“

”دونوں اتنے اطمینان سے کھڑے باتیں کر رہے ہیں، جیسے انہیں کسی اور کی فکر نہ ہو۔ یہ کب تک یوں کھڑے رہیں گے؟“

”شاید تم بھول گئے کہ ان لوگوں نے اتفاقات اور حادثات کی رعایت رکھتے ہوئے پانچ سے ساڑھے پانچ بجے تک کا وقت مقرر کیا ہوا ہے۔ یہ دونوں کم از کم ساڑھے پانچ بجے تک یوں ہی وقت گزارنے کی کوشش کریں گے۔ تھک گئے تو خود ہی گھاس پر بیٹھ جائیں گے۔“

”اوه۔ اوه۔۔۔ دیکھو! وہ کیا ہو رہا ہے!“ اچانک اول خان کے ہونٹوں سے اضطرابی آواز برآمد ہوئی۔

وہ اول خان کا اضطرابی اور بے ساختہ ردِ عمل تھا ورنہ

وہ دو آدمیوں کے ساتھ پھولوں کی ایک کیماری کے قریب بیٹھا ہوا تھا۔ اس شام معاملہ را کے تین ایجنٹوں کو گھیرنے کا تھا۔ اس لیے یہ بات یقینی تھی کہ آئی بی کی مزید نفری وہیں کہیں موجود ہوگی۔ پھر جلال نے بھی مجھے دیکھ لیا۔ ہمارے درمیان دور ہی سے نظروں کا تبادلہ ہوا اور پھر مجھے وچے نظر آگیا۔ وہ جلال کی ٹولی سے دس گیارہ گز دور، گھاس پر اکیلا لیٹا ہوا تھا۔

تپاٹھی، راجو اور سیٹھی۔ یہ را کے ان تینوں ایجنٹوں کے نام تھے جو اس وقت شہر میں آزاد پھر رہے تھے اور آئی مین کے ایما پر اسی رات شہر میں دہشت گردی کی کوئی کارروائی کر گزرنے کا ارادہ رکھتے تھے۔ ان کو گھیرنے کے لیے جلال نے راجو کو چارہ بنایا تھا۔

اول خان نے بھی جلال کو تازی لیا تھا، اس نے راجو کو سرے سے نہیں دیکھا تھا۔ میں نے دھیمی آواز میں اسے راجو کے بارے میں بتا دیا پھر ہم دونوں ایک ایسی جگہ جم گئے جہاں سے ہمیں دونوں حریف صاف نظر آ رہے تھے۔ میں نے یہ احتیاط بہر حال ملحوظ رکھی تھی کہ راجو کی نظر مجھ پر نہ پڑنے پائے۔

گھڑی کی سوئیاں دھیرے دھیرے اپنا سفر طے کرتی رہیں۔ درمیان میں خاصا فاصلہ حائل ہونے کے باوجود میں جلال کی بے چینی محسوس کر رہا تھا۔

”یہاں رفتہ رفتہ لوگوں کی تعداد بڑھ رہی ہے۔“ اول خان ہیرتوش لہجے میں بولا ”اگر آپس میں مقابلے کی نوبت آگئی تو یہاں خاصا جانی نقصان ہو گا۔“

”مجبوری تھی۔“ میں نے کہا ”اس مقام کا انتخاب جلال نے نہیں کیا۔ انہوں نے یہاں ملنے کا پروگرام پہلے سے طے کیا ہوا تھا۔“

”تمہارے درمیان کوئی بات تو ہوئی ہوگی کہ مقابلے سے بچ کر انہیں کیسے پکڑا جائے گا۔“ اول خان بے چین ہوا جا رہا تھا۔

”میں اس سے ایسی کوئی بات نہیں کر سکتا تھا۔ وہ ایک تجربہ کار افسر ہے اور اپنے سینے میں مجھ سے زیادہ دردمند دل رکھتا ہے۔ میں اس کی حکمت عملی میں غیر ضروری طور پر دخل انداز ہونے کی کوشش کرتا تو ہمارے درمیان بد مزگی پیدا ہو سکتی تھی۔ اس نے یہاں آنے سے پہلے ہر پہلو پر غور کر لیا ہو گا۔“

ٹھیک پانچ بجے وچے گھاس پر سے اٹھا اور پھرتی سے اپنے قدموں پر سیدھا کھڑا ہو گیا۔ اس کا انداز بالکل نارمل

پھر ان دونوں نے ایک طرف چلنا شروع کر دیا۔ یہ بات میرے مشاہدے سے نہیں بچ سکی کہ نووارد وہے کو اپنی مرضی کی سمت میں لے جا رہا تھا۔
 ”شاید ان دونوں کے درمیان تکرار بڑھ گئی ہے۔ اجنبی بھیڑ بھاڑ سے نکل جانے کی کوشش کر رہا ہے۔“
 ”اور دیکھو، جلال نے بھی اپنی جگہ چھوڑ دی ہے۔“
 اول خان نے تجلّت سے کہا۔

میری چھٹی حس کہہ رہی تھی کہ نووارد کو وہے پر شبہ ہو چکا تھا۔ وہ وہے سے زیادہ چالاک تھا۔ یہ بات سمجھ گیا تھا کہ وہے کو مار کر زخمی کرنے والے، اسے چارہ بنا کر اس کے ساتھیوں پر ہاتھ ڈالنے کے لیے اسے وہاں لائے تھے۔ ایک بار وہے سے ملنے کے بعد وہ اس جال میں پھنس چکا تھا۔ اگر وہ وہے کو چھوڑ کر فرار کی راہ اختیار کرتا تو کسی صورت میں کامیاب نہیں ہو سکتا تھا۔ اس کے لیے بس ایک ہی راستہ رہ گیا تھا کہ وہ وہے کو اپنا پر غلامی بنا کر ساڑھے پانچ سے پہلے وہاں سے نکل جائے۔ اگر کوئی اس کی راہ روکنے کی کوشش کرتا تو وہے کو جان سے مارنے کی دھمکی دے کر اپنا بچاؤ کر سکتا تھا۔

یہ حالات کی ستم ظریفی تھی کہ جلال کی حکمت عملی کے نتیجے میں را کے دو ایجنٹ آپس میں ٹکرا گئے تھے۔ ان کے درمیان محاذ آرائی کی جو صورت حال رونما ہو چکی تھی اسے دیکھ لینے کے بعد را کا تیسرا اور چوتھا ایجنٹ ان دونوں کے سایوں کے قریب بھی نہ پھٹکتا۔

لان کے قدرے سنان حصے میں پہنچنے کے بعد ان دونوں کے درمیان کشمکش تیز ہو گئی۔ وہے باقاعدہ مزاحمت پر مل گیا تھا۔ اچانک نووارد نے وہے کا ہاتھ پھوڑا۔ اور پوری قوت سے اس کے منہ پر مکارسید کر دیا۔ وہے ایک کربہ چیخ مار کر پیچھے الٹ گیا۔ فضا میں وہ چیخ دور تک گونجی اور ہر طرف بھگدڑ مچ گئی۔

پھر جلال نے یکایک اپنا پستول نکال لیا اور دوڑتے ہوئے نووارد کو لٹا کر بیٹھا۔

نووارد اپنے گرد کتے ہوئے جس جال کو توڑنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس کا آخری پھندا اس کی شہ رگ تک پہنچ چکا تھا۔ بس اس کے ہاتھوں نے جنبش کی اور پوری فضا ایک ہولناک بارودی دھماکے سے لرز اٹھی۔

ہر طرف قیامت کا سماں برپا ہو گیا۔ جائے واردات سیاہ اور کثیف دھوئیں میں گھر گئی ہر شخص اس سے دور بھاگ رہا تھا مگر میں نے اول خان کے ساتھ اس طرف دوڑ لگادی۔

میں اس وقت ہمہ تن ان ہی دونوں کی طرف متوجہ تھا۔ آپس میں باتیں کرتے کرتے اچانک وہے نے وہاں چلنے کی کوشش کی تھی لیکن نووارد نے لپک کر مضبوطی سے اس کا ہاتھ تھام لیا تھا جسے وہے کو زبردستی وہاں روکنا چاہ رہا ہو۔

ہم ان کی آوازیں سننے سے قاصر تھے لیکن ان کی حرکات و سکنات سے یہ ظاہر ہو رہا تھا کہ کسی بات پر ان کے درمیان تلخ کلامی کا آغاز ہو چکا تھا۔ وہے اس ملاقات کو اسی وقت ختم کرنا چاہ رہا تھا مگر اس کا ساتھی اسے اپنے پاس روکنے پر تلا ہوا تھا۔

وہ عجیب و غریب صورت حال تھی۔ واقعہ اس کے الٹ ہوا ہوتا تو ضرور قابل فہم ہوتا۔ وہے کو ہر حال میں ساڑھے پانچ بجے تک وہیں رکنا چاہیے تھا تاکہ آخری لمحات پر وہاں پہنچنے والا اس کا کوئی ساتھی بھی آسانی سے اس تک پہنچ سکے۔ ٹھیک ساڑھے پانچ بجے آئی کی والے انہیں گھیرے میں لے کر پکڑ لیتے اور کھیل ختم ہو جاتا۔

”مجھے شبہ ہو رہا ہے کہ بات کچھ بگڑ گئی ہے۔“ اول خان نے اشتباہ آمیز لہجے میں بات شروع کی ”وہے زخمی ہے۔ شاید وہ اپنے ساتھی کو مطمئن نہیں کر سکا کہ وہ کیسے زخمی ہوا۔ ان دونوں کے درمیان شبہات جنم لے چکے ہیں اور وہے اپنے ساتھی کی کسی بات پر ناراض ہو کر وہاں سے بھاگنا چاہ رہا ہے مگر ساتھی نے اسے روک لیا ہے۔“

”تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ اس نے ابھی تک وہے کا ہاتھ پکڑا ہوا ہے۔ وہے اس سے زبردستی ہاتھ چھڑا کر بھاگا تو تماشاً بن جائے گا۔“

”معلوم ہوتا ہے کہ وہے سنک گیا ہے جب اسے ساڑھے پانچ بجے تک وہاں رکنے کا حکم دیا گیا ہے تو وہ بھاگنے پر کیوں تلا ہوا ہے۔ اسے اندازہ نہیں ہے کہ جلال کی حکم عدولی کی صورت میں اسے کیسے عذاب سے گزرنا پڑے گا۔ مجھے دال میں کچھ کالا نظر آ رہا ہے۔“ اول خان بدلتی ہوئی صورت حال سے خاصا ناخوش تھا۔

”بظاہر وہے نے ہتھیار ڈالے ہوئے ہیں۔ نووارد نے اس کا ہاتھ بدستور پکڑا ہوا ہے۔ وہے نے ابھی تک اپنا ہاتھ چھڑانے کے لیے زور نہیں لگایا۔“

”اجنبی بھاگتا اور وہے کا ہاتھ پکڑ کر اسے روک لیتا تو یہ بات سمجھ میں آ جاتی۔ یہاں تو معاملہ الٹا ہے۔ آخر کیوں؟“

”یہ لاکھ روپے کا سوال ہے۔“ میرے پاس اس کے سوا کوئی جواب نہیں تھا۔ درپیش حالات نے مجھے چلا کر رکھ دیا تھا۔

دونوں کو جلال کی فکر تھی جو دھماکے کے وقت را کے دونوں ایکٹوں سے خاصا قریب تھا۔

دھوس کاہل کھانا ہوا آسپی بادل، انگڑائیاں لپٹا ہوا فضا میں پھیل رہا تھا۔ پھر دھوس سے پہلے ہمیں جلال نظر آگیا۔ دھماکے کے نتیجے میں پیدا ہونے والے ہوا کے شدید جھونکے نے اس کے بال منتشر کر دیے تھے۔ وہ اپنا پستول والا ہاتھ اپنے پلوں پر لٹکائے، حسرت بھری نظروں سے دھوس کے بادل کو دیکھ رہا تھا۔

ہمارے ساتھ آئی لی کے کم و بیش آٹھ دس آدمی مختلف سمتوں سے دوڑتے ہوئے وہاں پہنچ گئے۔ وہ سب مسلح تھے۔ ”مجھے یہی ڈر تھا۔“ میری صورت پر نظر پڑتی ہی جلال مایوسانہ آواز میں بولا ”ان کی نگاہیں دیکھ کر میں نے اندازہ لگایا تھا کہ وہ اپنے ساتھ وجے کو بھی لے مرے گا۔“

ہمارے سامنے نووارد کا کوئی وجود نہیں تھا۔ وہ شاید شہر میں دھماکا کرنے کے لیے اپنے لباس میں بم چھپا کر لایا تھا جسے اس نے نکالے بغیر چلا دیا۔ اس کے بدن کے پچھترے اڑ گئے تھے۔ اس کی قمیص ایک قریبی جھاڑی پر جمول رہی تھی جس میں اس کا ایک لمبوان بازو پھنسا رہا تھا۔ وہ دھماکا اس قدر شدید تھا کہ وجے بھی اس کی زد میں آگیا تھا۔ اس کی سالم لاش گھاس پر پڑی ہوئی تھی مگر جگہ جگہ سے داغ دار ہو چکی تھی۔ بم سے اڑنے والے مسلک گولوں نے اس کے پورے بدن میں گہرے زخم ڈال دیے تھے۔

مجھے محسوس ہو رہا تھا کہ ہم ناکام ہو گئے تھے۔ بہت سی پیش بندیوں کے باوجود شہر میں بم کا ایک دھماکا ہو چکا تھا۔ را کے دو ہشت گرد اپنے مزید بموں کے ساتھ شہر میں آزاد گھوم رہے تھے اور ہم ان کے نام و نشان تک سے بے خبر تھے۔

ذرا سی دیر میں فریر ہال خالی ہو چکا تھا۔ وہ حساس علاقہ تھا اس لیے آٹا ٹافٹا میں پولیس کی نفری بھی جائے واردات پر پہنچنا شروع ہو گئی۔

”خدا کا شکر ہے کہ ہمارا کوئی شہری اس دھماکے کی زد میں نہیں آیا۔“ جلال نے ارد گرد کا جائزہ لیتے ہوئے افسردہ لہجے میں کہا۔ ”افسوس یہ ہے کہ وہ دونوں ہمارے ساتھ آتے آتے رہ گئے۔“

”سرا! انہیں وقت مل گیا۔“ اس کے ماتحتوں میں سے کسی نے کہا ”ہم ان پر ذرا پہلے ہاتھ ڈال دیتے تو وہ پکڑے جاتے!“

”نووہ! باری صاحب نو!“ جلال نے سختی سے اس کی

تردید کی ”بھانگنے سے پہلے وہ بھیڑ میں تھے۔ آپ نے سنا نہیں کہ دھماکا کتنا شدید تھا۔ خطرہ سر پر دیکھ کر اسے یہی کرنا تھا۔ اپنے ساتھ وہ نہ جانے اور کتنے لوگوں کو اڑا دیتا۔“

”تم روکے یا گئے ہمارے ساتھ چلو گے؟“ میں نے ایک فوری خیال کے تحت، دھیمی آواز میں جلال سے پوچھا۔

”یہ میرا آپریشن تھا، مجھے رکتا ہو گا۔“ اس کی مستفسرانہ نگاہیں میرے چہرے کی طرف اٹھ گئیں۔

”ایم ففٹی مجھے دے دو۔ شاید میں بقیہ دو دھماکے ٹال سکوں۔“ میں نے سرگوشی کی۔

اس نے بس لمحہ بھر کے لیے میری آنکھوں میں جھانکا اور پھر اپنی جیب سے راولوں کا ٹرا نمبر نکال کر میری طرف بڑھایا۔

اس کے ماتحتوں میں چند چہرے میرے شناسا تھے، بیشتر اجنبی تھے۔ وہ سب رشک اور حیرت بھری نظروں سے میری طرف دیکھ رہے تھے۔

ہم دونوں جلال سے ہاتھ ملا کر رخصت ہوئے تو پولیس سمیت کسی نے ہمیں روکنے کی کوشش نہیں کی۔ شہر کے ہر سطح کے انتظامی حلقوں میں جلال کی ذات معروف تھی۔

بم دھماکے کی وجہ سے اس پورے علاقے میں بھگدڑ اور افراقی کے بعد سناٹا چھا گیا تھا۔ دفاتر اور دکانوں کو تالے لگ گئے تھے۔ دھماکے کا اصل مجرم خود موت کی آغوش میں پہنچ چکا تھا جس کا جلال یعنی شاہد تھا اس لیے کہیں کسی کو روکنے یا ناکا بندی کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی تھی۔

اول خان نے اپنی گاڑی فریر پارک کے پارکنگ ایریا سے نکالی اور تیزی سے واپس گلشن اقبال کی طرف روانہ ہو گیا۔

”ایم ففٹی، تم کس لیے لائے ہو؟“ سڑک پر نکل آنے کے بعد اول خان نے پوچھا۔

”اس پر صرف ایک آدمی سے براہ راست بات کی جاسکتی ہے۔ میں بن ڈیوڈ سے بات کروں گا۔“

میرا جواب سن کر اول خان خاموش ہو گیا۔ اس کی نظریں سڑک پر جمی ہوئی تھیں۔

بم دھماکے کی آواز شہر کے بارونق مرکزی علاقے میں بہت دور تک سنی گئی تھی جس کے نتیجے میں ہر طرف افراقی اور سراسیمگی پھیلی ہوئی تھی۔ جانجا لوگ ٹولیوں کی صورت میں جمع تھے اور ایک دوسرے سے استفسار کے ساتھ شاید رائے زنی بھی کرتے جا رہے تھے۔ ہم کہیں رکے بغیر



سیدھے نکلے جلے گئے۔

”میں پھر کہہ رہا ہوں کہ لمبی ڈرائیو لگ سے تمہارے بازو میں دوبارہ درد شروع ہو جائے گا۔ گاڑی مجھے دے دو۔“ میں نے ایک مرتبہ پھر اسے ٹوکا۔

”مجھے بار بار یاد نہ دلاؤ کہ میرا بازو زخمی ہے۔ اب میں اس زخم کو بھول چکا ہوں اور بہت بہتر محسوس کر رہا ہوں۔“ اس نے ٹکا سا جواب دے کر مجھے خاموش کر دیا۔

اس وقت جو کچھ رونما ہوا وہ اس لحاظ سے بہتر تھا کہ حادثے میں کوئی مقامی ہلاک یا زخمی نہیں ہوا۔ مارے جانے والے دونوں افراد راکے چھپے ہوئے ایجنٹ تھے۔ مجھے قلع صرف اس بات کا تھا کہ ہمیں دوسرے ایجنٹ پر اپنی طبع آزمائی کا کوئی موقع نہیں مل سکا۔ حد یہ تھی کہ ہمیں اس کا نام تک نہیں معلوم ہو سکا تھا۔

اول خان نے مجھ سے کوئی سوال کیے بغیر گاڑی حسن اسکو اترے واپسی طرف موڑ لی۔

میرے لیے اول خان کی ذات مثالی تھی۔ وہ اپنی ذات، گھر بار اور بال بچوں کی پروا کیے بغیر دن رات کام میں لگا رہتا تھا۔ شاید اس کی بیوی بھی حالات سے یہ سوچ کر سمجھو تاکر چلی تھی کہ وہ قوم کی خدمت کے مشن میں مصروف تھا۔ اس کے ہاتھ ان گردنوں تک پہنچ جاتے تھے جہاں قانون کی سولی نہیں پہنچ سکتی تھی۔

گھر کے آخری موڑ پر گاڑی گھومنے کے بعد میں نے اول خان نے پوچھا ”تم نے اپنی گھر والی کو زخم کے بارے میں بتادیا ہے۔“

وہ فراخ دلی سے ہنسا پھر بولا ”میں نے اس بے چاری پر پہلے ہی گھر کے سارے کام کاج لادے ہوئے ہیں۔ بچوں کے اسکول کے مسائل سے بھی اسی کو نمٹنا پڑتا ہے۔ پھر میں اس کی پریشانیوں میں ملا جہ کیوں اضافہ کروں۔ کوئی بڈی وڈی ٹوٹ گئی ہوتی تو مجبور ہو کر اسے بتانا پڑتا۔ اب کیا ضرورت ہے۔“ وہ پھر ہنسا اور اپنی بات دوبارہ جوڑتے ہوئے بولا۔ ”میری تو پوری کوشش ہو گئی کہ اسے زخم کی ہوا تک نہ لگے۔ وہ شوہر کی ذرا سی پریشانی پر بہت زیادہ پریشان ہو جانے والی بہترین بیوی ہے۔“

”یہ اچھی بات نہیں ہے۔ آخر کو وہ تمہاری بیوی ہے اسے کسی طرح پتہ چل گیا کہ تمہارے بازو میں گولی لگی ہے تو وہ تم سے ناراض ہو جائے گی۔ ایسی رازداریاں آپہنیں میں بے اعتمادی کو جنم دیتی ہیں اور گھریلو زندگی خراب ہونی شروع ہو جاتی ہے۔“

ثبوت

پسلوان جی چھٹی منزل سے گرنے کے بعد اسپتال میں تھے۔ ان کا ایک پڑوسی عیادت کے لیے پہنچا۔ انہیں سر سے پاؤں تک پیٹوں میں لپٹا اور بے حس و حرکت لیٹا دیکھ کر پڑوسی نے ہچکچاتے ہوئے پوچھا ”پسلوان جی! کیا آپ مر چکے ہیں؟“

”ہاں“ پیٹوں میں سے آواز آئی۔

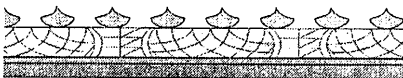
پڑوسی گھبراہٹ سے کہنے لگا ”پسلوان جی! آپ تو بڑے جھوٹے آدمی ہیں... بول رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ میں مر چکا ہوں۔“

”میرے مرنے کا اس سے برا ثبوت کیا ہو گا کہ تم مجھے جھوٹا کہہ رہے ہو... اگر میں زندہ ہوتا تو تم میرے منہ پر مجھے جھوٹا کہہ سکتے تھے؟“ پسلوان جی کی تکلیف زدہ آواز سنائی دی۔

تعاقب

انپکنڈ کرم داد ایک روز ڈیوٹی پر روانہ ہونے کے لیے تھانے سے نکلے تو ان کے سامنے سے ایک ٹیکسی سست رفتار سے گزر رہی تھی۔ وہ اچھل کر اس کا دروازہ کھول کر بیٹھے ہوئے ڈرائیور سے بولے ”یہ جو تمہارے آگے آگے دوسری ٹیکسی جا رہی ہے اس کا پیچھا کرو... یہ مجھے مشکوک لگتی ہے۔“

”مجھے تو ہر حال میں اس کا پیچھا ہی کرتا ہے صاحب جی!“ ڈرائیور نے عاجزی سے کہا ”وہی ٹیکسی تو میری ٹیکسی کو ٹوک کر لے جا رہی ہے۔“



اور ہم نے محض ایک امید میں وجہ کو وہاں لے جانے کا فیصلہ کر لیا۔“ میں نے کہا۔

”ان دونوں سے کوئی چوک نہیں ہوئی جو کچھ ہوا، بہت اچھا ہوا۔“ اول خان نے میری بات آگے بڑھائی ”پہلے راکا ایک ایجنٹ آئی بی کی تحویل میں تھا آج دو مارے گئے ان کا خون کسی کی گردن پر نہیں ہے۔ وہ آپس کی باتوں کی بنا پر خود کشی کا شکار ہوئے ہیں۔ یہ کامی نہیں، بہت بڑی کامیابی ہے کہ ایک وقت میں دو قتلوں کا صفایا ہو گیا۔“

”ہاں۔ آں! ویرا نے سوچتے ہوئے ہنکارا بھرا ”یہ بھی کہا جاسکتا ہے۔ اب ان میں سے صرف دو درندے آزاد رہ گئے ہیں۔“

”اس وقت کا تجربہ یہ تیار ہا ہے کہ ریڈ الارٹ کا اعلان ان کے عزائم پر اثر انداز نہیں ہو سکا۔“ میں نے قدرے سکوت کے بعد کہا ”آئی مین کی ہدایت کے مطابق آج بقیہ دو دھماکے ہونے کا قوی امکان نظر آ رہا ہے۔ میں اس وقت یہ سوچ کر لرز رہا ہوں کہ نووارد ایجنٹ کو دے پر شہ نہ ہوا ہوتا تو کیا ہوتا۔ اگر وہ ہم اس پارک میں ناک کر استعمال کیا گیا ہوتا تو نہ جانے کتنے معصوم اور بے گناہ شہری خاک اور خون میں نہا گئے ہوتے۔“

”یہ تصور ہی لرزہ خیز ہے۔“ ویرا پھیری لے کر بولی۔ ”اس لحاظ سے تو جو کچھ ہوا، اچھا ہی ہوا۔“

”میں نے اختصار کے ساتھ یہی بات کہنے کی کوشش کی تھی۔“ اول خان نے وضاحت کی ”جو کچھ ہوا، بہت اچھا ہوا۔ اس پر بیچھڑانا بے سود ہے۔“

”بقیہ دو ایجنٹوں کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟“ ویرا نے اس بار براہ راست مجھ سے سوال کیا۔

”میرا خیال ہے کہ وہ دونوں بھی فریر ہال پہنچے ہوں گے۔ انہوں نے اپنے ساتھیوں کے ملنے کا منظر دیکھا اور وہی نتائج اخذ کیے جو ہم اخذ کر رہے تھے۔ ان کے پاس ساڑھے پانچ بجے تک کا وقت تھا۔ انہوں نے فوری طور پر یکجا ہونے کے بجائے کچھ انتظار کرنے کا فیصلہ کیا ہوگا۔ یوں وہ رہ گئے۔“

”ہو سکتا ہے کہ وہ چاروں اکٹھے ہو جاتے تو صورت حال مختلف ہوتی۔“

”کچھ کہا نہیں جاسکتا۔“ میں نے سوچتے ہوئے جواب دیا۔

”ان باتوں پر مجھے سبق نہ پڑھاؤ۔ میں تم سے سینئر ہوں اور ازدواجی زندگی کے سارے رموز سے اچھی طرح واقف ہوں۔“

گاڑی گھر کے سامنے رک چکی تھی۔ وہ انجین بند کر کے نیچے اتر گیا۔

وہ را کے ایجنٹوں کو گھیرنے کا معاملہ تھا۔ کسی کو امید نہیں تھی کہ ہم اتنی جلدی گھروٹ آئیں گے۔ اس لیے تینوں بے فکری سے ڈرائنگ روم میں ناش کی بازی جمائے بیٹھے تھے۔ ویرا شاید بارہری بھی ہمیں دیکھتے ہی اس نے پتے ملا دیے اور سلطان شاہ دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام کر رہ گیا۔

”کتنے آدمی ہاتھ آئے۔“ ویرا نے شوخی سے سوال کیا۔

”ایک بھی نہیں۔“ اول خان نے منہ ہنکار مایوسی سے جواب دیا ”جو ہاتھ آیا ہوا تھا وہ بھی صاف نکل گیا۔“

”نہیں۔“ ویرا نے بے اعتباری سے کہا اور اس کی نظریں میرے چہرے پر جم گئیں۔

”اول خان کو تم سے مذاق کرنے کی عادت نہیں ہے۔“ میں نے سنجیدگی سے کہا اور کرسی پر بیٹھ گیا۔

”یہ کیا ہوا۔۔۔ کیسے ہوا؟“ ویرا نے تحیر زدہ لہجے میں پوچھا۔

”آپ بتا کیوں نہیں دیتے۔“ غزالہ نے مجھ سے فرمائش کی ”کچھ نہ کچھ ہوا ضرور ہے مگر آپ دونوں اسے گھما پھرا کر بتا رہے ہیں۔“

”تین میں سے صرف ایک شکار آیا تھا۔ شہہ ہو جانے پر اس نے اپنے لباس میں موجود ہم سے اپنے ساتھ وجہ کو بھی اڑا دیا۔“ اول خان نے بتایا۔

”اوہ! یہ تو بہت برا ہوا۔“ ویرا اپنے دونوں ہاتھ ملنے ہوئے بولی ”جو ہاتھ آیا ہوا تھا وہ بھی مارا گیا۔ ان دونوں کے ساتھ کوئی اور تو زخمی نہیں ہوا۔“

ہم دونوں نے دور سے جو مشاہدہ کیا تھا وہ دہرایا۔ اس سے زیادہ کوئی بھی نہیں بتا سکتا کیونکہ ان دونوں کے درمیان ہونے والی باتیں سننے والا کوئی تیرا نہیں تھا۔ اپنی باتیں اپنے سینے میں لے کر وہ دونوں جنم واصل ہو چکے تھے۔

”یہ واقعی چوک ہو گئی۔ اگر تشدد سے اس کا چہرہ بگڑا ہوا تھا تو یہ بات سوچنے والی تھی۔“ ویرا بولی۔

”پہلے سے یہ بات ہمارے سامنے نہیں تھی کہ اسے کسی اور کے سامنے جانا پڑے گا۔“ اس کی تواضع فراخ دلی سے کی گئی تھی۔ ایم فٹنی والی گفتگو آج اچانک سامنے آئی

پھنکار سے مشابہ تھی۔
 ”ابھی کچھ پتا نہیں چل سکا۔ شاید کچھ لوگ زخمی ہوئے ہوں۔“

”تم ان دونوں کی موت کے بارے میں اسے پریقین کیوں ہو؟“ بن ڈیوڈ اس اطلاع پر بری طرح بھٹایا ہوا تھا۔
 ”میں نے وہ افسوس ناک منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔“ نمبرو کی آواز میں مردنی رچی ہوئی تھی۔
 ”تم ڈر ہو۔ جب چاروں الگ الگ روپوش ہو تو پھر سب کو ایک جگہ جمع ہونے کی کیا ضرورت تھی۔“ وہ براہم ہو گیا۔

”بس اتفاق تھا۔ وہ دونوں کسی ضرورت کے تحت ایک دوسرے سے ملے تھے، میں ان سے دور تھا۔“
 ”میں نے کہا تھا کہ ایک دوسرے سے دور اور بے خبر رہو۔“ بن ڈیوڈ غصے سے پیچ و تاب کھا رہا تھا ”کوئی ایک مصیبت میں پڑے تو اپنے ساتھ دوسروں کو بھی نہ لے ڈوبے۔ اس وقت ایک دوسرے سے دوری تمہارے اپنے مفاد میں تھی۔ تم نے دیکھ لیا کہ وہ دونوں یک جا ہوئے اور موت انہیں نگل گئی۔ پتا نہیں تم انڈینز اتنے بے وقوف کیوں ہوتے ہو۔“

مجھے خوشی ہوئی کہ اس نے بھارتیوں کے لیے اجتماعی طور پر ایک ناروا لفظ استعمال کیا تھا۔ وہ ایک متعصب گورا تھا۔ اس کے دل میں ایشیائیوں کے خلاف عناد ہونا تعجب انگیز نہیں تھا۔

”ہم دورہ گئے ہیں۔ اب پوری احتیاط کریں گے۔ وہ نمبر ٹوکا جواب تھا۔ اس نے یہ بات سب سے گول کر دی تھی کہ روزانہ شام پانچ اور ساڑھے پانچ بجے کے درمیان فریڈ پارک میں ملنا ان کا پہلے سے طے شدہ پروگرام تھا۔ اسی کے تحت نمبروں اور تھری وہاں اکٹھے ہوئے تھے۔
 ”اب تمہارا کیا پروگرام ہے؟“ بن ڈیوڈ کی آواز سے برہمی اور بیزارگی متحرج تھی۔

”شرمیں ریڈ الارٹ ہے۔ پولیس کا گشت بڑھا ہوا ہے پھر بھی ہم اپنا کام کریں گے۔“
 ”نمبر فور! کیا تم سن رہے ہو؟“ بن نے تیسرے آدمی کو پہل پار مخاطب کیا۔
 ”میں سراسر! تمہاری ہدایت کے مطابق میرا آپریشن ہر وقت فعال رہتا ہے۔ میں اپنا کام پورا کرنے کی کوشش کروں گا۔“

ان کے درمیان گفتگو سسٹنی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔ میرا دل چاہا کہ اسی وقت ان کی گفتگو میں مداخلت کر کے نمبر ٹوکا اور فور کی مکاری کا بھانڈا پھوڑ دوں مگر میں نے وہ ارادہ ملتوی کر دیا۔

کم از کم خود کش بم دھماکا نہ ہوا۔ ویرانے اپنی رائے دی ”وہ صرف دو تھے اس لیے نئے آنے والے کو اپنے فیصلے پر عمل کر گزرنے کی آزادی حاصل تھی۔ ان کی تعداد زیادہ ہوتی تو شدید ترین اختلافات رائے پیدا ہونے کے باوجود بم دھماکے کی نوبت نہ آتی۔“

”ابنی مرضی سے مرنا بہت مشکل کام ہے۔“ غزالہ بولی۔
 ”آج دھماکا کرنے والا کچھ زیادہ ہی مڈر تھا جو متوقع گرفتاری سے بچنے کے لیے اپنی جان پر کھیل گیا ورنہ اب تک کے تجربات یہی بتاتے ہیں کہ بھارتیوں کو اپنی زندگی سے بہت زیادہ پیار ہوتا ہے۔ وہ موت سے ڈرتے ہیں، زندہ رہنے کے لیے ہر سودے بازی کر گزرتے ہیں۔“

”چاروں کے یک جا ہونے کی صورت میں یہی ذہنیت کام دکھائی۔“ میں نے اس کی تائید کی ”ہو سکتا ہے کہ وہ آپس میں لڑتے۔“
 ”وہ اکٹھے نہیں ہوئے۔ دو بم کے ساتھ اڑ گئے۔ دو آزاد ہیں۔ اب تمہیں کیا صورت بنتی ہوئی نظر آ رہی ہے؟“
 سلطان شاہ نے پوچھا۔

”بمگدڑ کی آڑ لے کر وہ نکل بھاگے میں کامیاب ہو گئے ہوں گے۔ اس وقت وہ آئی مین کے چنگل میں پھنسے ہوئے ہیں۔ فریڈ پارک کا دھماکا آئی مین کی مرضی کے مطابق نہیں تھا۔ وہ بڑے پیمانے پر پاکستانیوں کا خون بہانا چاہتا ہے۔ اس دھماکے سے یہ مقصد حاصل نہیں ہوا، ہو سکتا ہے کہ وہ بقیہ دونوں ایجنٹ اس کا ازالہ کرنے کی کوشش کریں۔“ میں نے اپنا تجزیہ ان چاروں کے سامنے پیش کر دیا۔

”کیا ہم ان کی راہ روک سکتے ہیں؟“ ویرانے کاٹ دار لہجے میں پوچھا۔

”یقین سے کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ ہم۔“ میری بات ادھوری رہ گئی کیونکہ میری جیب میں پڑے ہوئے ایم ففٹی آپریشن پر کال سنکل آ رہا تھا۔
 ”میں نے پھر سے تھر تھراتا ہوا آپریشن جیب سے نکال کر آن کر دیا۔

”سراسر! میں نمبر ٹوکا رہا ہوں۔“ آپریشن آن ہوتے ہی فضا میں ایک شناسا آواز گونجنے لگی۔ اول خان کے سوا بقیہ تینوں کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ اس وقت تک انہیں یہ بتانے کی نوبت نہیں آئی تھی کہ ہم جلال سے ایم ففٹی آپریشن لے آئے تھے۔

”ابھی سوا پانچ بجے دن اور تھری اپنے ہی کئے ہوئے دھماکے میں مارے گئے۔“ نمبر ٹوکا نے اپنی بات مکمل کی۔
 ”میں نے یہ نہیں کہا تھا۔ ان کے ساتھ اور کتنے لوگ مارے گئے؟“ بن ڈیوڈ کی آواز زخم کھائے ہوئے سانپ کی

”اگر میں اس کے ذریعے میں ہر وقت دخل اندازی کر سکتا ہوں۔ مجھے یہ خیال آگیا کہ آج کے پلڑے میں پلڑے کا ہم لبی مصیبت اپنے گلے میں ڈال لیں گے۔ بن سفید فام امریکی ہے۔ وہ اپنے ممکن سے نکل کر میدان میں نہیں اتر سکتا۔ راولے اس کے دست دباؤ بنے ہوئے ہیں۔ انہیں کاٹنا ضروری ہے۔“

”کانٹے کے بجائے تم انہیں ایک دوسرے سے بدظن بھی کر سکتے ہو۔ بن ڈیوڈ ان سے بھڑک جائے تو ان کے درمیان خلیج پیدا ہو جائے گی۔“

”خفی پیدا ہو سکتی ہے، خلیج پیدا نہیں ہوگی۔“ ویرا نے اس سے اختلاف کرتے ہوئے کہا، ”بن اچھی طرح جانتا ہے کہ مقامیوں یا بھارتیوں کی مدد کے بغیر اپنے پاؤں نہیں جما سکتا۔“

”میری دانست میں اس وقت میرا دخل انداز نہ ہونا ہی سب سے بہتر تھا۔“ میں نے جواب دیا، ”را کے باقی رہ جانے والے دونوں آدمی صرف بن کے معاون نہیں۔ ہمارے بڑے مجرم ہیں۔ ان کا پکڑا جانا ضروری ہے۔ جب تک وہ آزاد رہیں گے، کوئی نہ کوئی سازش کرتے رہیں گے۔“

”اس وقت دخل انداز نہ ہو کر تم نے کون سا مقصد حاصل کر لیا؟“ ویرا نے منہ بنا کر مجھ سے پوچھا۔

”ابھی تک ہم سبوں کے پیچھے بھاگ رہے ہیں۔ ہمیں ان کی صورتوں سے شناسائی ہے نہ ہم ان کے ٹھکانے سے واقف ہیں۔ میں دخل اندازی کرتا تو وہ باہمی رابطوں کے لیے امریش کا استعمال ترک کر دیتے۔“

”جکڑ دیتے۔ اس سے بن کو بڑا نقصان ہوتا۔ پہلے وہ چوڑا کو استعمال کر رہا تھا۔ اب چوڑا اندر ہے۔ وہ بھرے شریں ان دونوں کو کہاں تلاش کرے۔“ ویرا میری بات کاٹ کر بولی۔

”یہ صورت چند دنوں سے زیادہ برقرار نہ رہتی۔ وہ شہر کے آوارہ گرد یا جرائم پیشہ نہیں ہیں جو زمین چلے جائیں تو ان تک رسائی ناممکن ہو جائے گی۔ وہ را کے ایجنٹ ہیں۔ چوڑا کے بعد اپنے قوہل خانے میں کسی نہ کسی کو جواب دہ ہوں گے۔ بن زیادہ دیر تک پریشان نہیں رہے گا۔ اس درمیانی رابطے کے ذریعے وہ دوبارہ راولوں تک رسائی حاصل کر لے گا۔ ہم سراسر خسارے میں رہیں گے۔“

”پھر تم اب کیا کرو گے؟“ میرا جواب سن کر ویرا نے پوچھا۔

”یہ اتفاق ہے کہ ابھی ابھی بن نے ان دونوں کو کسی نئی کھپ کے بارے میں بتایا ہے۔“ میں نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

”تم بالکل صحیح خطوط پر سوچ رہے ہو۔“ سلطان شاہ نے

کہا۔ باہمی مشورے کے بغیر اب کوئی قدم اٹھانا مناسب نہیں تھا۔ ایم فقی کے ذریعے میں جب چاہتا ہوں سے رابطہ کر سکتا تھا۔

”یہ پتا چلا کہ نمبر تفری مرنے سے پہلے کہاں مرا ہوا تھا؟“

”نوسرا میں نے بتایا تاکہ میں دور تھا۔ نمبروں نے اس بارے میں ضرور اس سے کچھ نہ کچھ پوچھا ہو گا۔ وہ میرے علم میں نہیں ہے۔“

”یہ کیسے ہوا کہ ان دونوں نے خود کو ڈالیا۔ صرف نمبر ون، ہم سے لیس تھا۔ یہ کام وہی کر سکتا تھا۔“

”ہو سکتا ہے اس نے کوئی سنگین خطرہ بھانپ لیا ہو۔ وہ بہت بڑے دل گردے کا مالک تھا۔ اس نے موت کو اپنی گرفتاری پر ترجیح دی۔“

”تو کیا کچھ لوگوں نے ان دونوں کو گھیرنے کی کوشش کی تھی؟“ بن نے تعجب سے پوچھا۔

”میں دور کا تماشا ہی تھا۔ میرے مشاہدے میں ایسی کوئی بات نہیں آئی۔“ نمبر نو کی آواز سے بے بسی عیاں تھی۔

”بات کچھ کچھ صاف ہو رہی ہے۔“ بن کی خیال انگیز آواز ابھری، ”نمبر تفری غائب تھا۔ شاید نمبر ون کو شہ ہوا ہو گا کہ وہ پلڑے جانے کے بعد کسی پاکستانی انجینی کا ٹاؤٹ بن چکا ہے اور اسے بھی مروا دے گا۔ پاکستان والے را کے ایجنٹوں کا بہت برا حشر کرتے ہیں۔ اس نے اپنے ساتھ نمبر تفری کو بھی اڑا دیا۔“

”ہو سکتا ہے کہ یہی ہوا ہو۔“ نمبر نو کی آواز محتاط تھی اس نے آئی مین کو یہ بتانے کی ضرورت نہیں سمجھی کہ دھماکے سے پہلے وہاں کیا ہوتا رہا تھا۔

”میں خطرہ لگا سکتا ہوں کہ یہی ہوا ہو گا۔ کوئی بھی آسانی سے موت کو گلے نہیں لگاتا۔“ اس بار بن کا لہجہ پر لیس تھا۔

”اب تم دونوں بہت محتاط رہو۔ پورے شہر کا بوجھ تمہارے کندھوں پر آچکا ہے۔ کل میں تمہیں نئی کھپ کے بارے میں بتاؤں گا کہ وہ کہاں اور کیسے ملے گی۔“

”تم مطمئن رہو۔ میں نے آج کے واقعے سے بہت بڑا سبق سیکھا ہے۔“

”اوکے اور ایڈ آل۔“ بن ڈیوڈ کی طرف سے گفتگو کے خاتمے کا اعلان کر دیا گیا۔

میں نے امریش کی آواز بند کر دی اور اس پر رہ جانے والا ہلکا سا ریڈیائی شور معدوم ہو گیا۔

”نمبر نو غلط بیانی کر رہا تھا۔ تم کو دخل انداز ہونے کا بہترین موقع حاصل تھا۔“ اول خان بولا، ”حیرت ہے کہ تم خاموش رہے۔“

اول خان کے ہاتھوں پہنے ہوئے ایسے کسی شخص کا سراغ لگانا آسان نہیں تھا۔

”شہر میں میرے پیچاس دشمن ہوں گے۔“ اول خان نے ہنستے ہوئے بہت سرسری انداز میں وہی بات کہہ دی جو میرے دل میں تھی ”ان میں سے کوئی بھی گیدڑ ایسا اوجھا وار کر سکتا ہے۔“ میں تو بس اس بات پر اپنے رب کا شکر گزار ہوں کہ وہ شخص اپنے ارادے میں ناگام رہا اور مجھے اپنی قوم کی خدمت کے لیے مزید زندگی مل گئی۔“

”عام طور پر چور کے پاؤں نہیں ہوتے۔ نہ جانے کتنے لوگ پولیس والوں کے ذریعے مجرموں کے کمرے میں جاتے ہیں اور عدالتوں سے سزا یاب ہوتے ہیں۔ ان میں بہت سے مغلوب الغضب لوگ بھی ہوتے ہیں جو فیصلے سن کر لمبے چوڑے دعوے کرتے ہیں مگر قید میں گزارا ہوا وقت ان کے سارے کس بل نکال دیتا ہے۔ اگر بدلہ لینے کے لیے ایسا جنگل کا قانون چل پڑے تو پولیس افسروں اور منصفوں کے لیے معاشرے میں اپنا وجود برقرار رکھنا مشکل ہو جائے۔“ اول خان کا جواب سن کر غزالہ نے ایک لمبی چوڑی جذباتی تقریر کر ڈالی۔

”تم مذہب معاشروں کی بات کر رہے ہو۔ ہم نیم مذہب معاشرے میں رہ رہے ہیں۔“ سلطان شاہ نے ٹکڑا لگایا۔

”کو لیبیا اور جنوبی امریکا کے کئی اور ملک مذہب گئے جاتے ہیں لیکن وہاں بچوں اور پولیس والوں کی زندگیاں ہر وقت خطرے میں رہتی ہیں۔“ دیرانے سگریٹ کا کش لے کر کہا ”ج آئے دن مارے جاتے ہیں۔ مجرم کبھی ہاتھوں میں نہیں آتے، شاید اب یہاں بھی یہی ہوئے والا ہے۔“

”وہ ملک مذہب ضرور ہیں مگر وہاں ڈرگ مافیا راج کرتی ہے۔ ان کا بجٹ قومی بجٹ سے بڑا ہوتا ہے۔ پیسے کے بل پر وہ ہر ایک کو خریدنے کی کوشش کرتے ہیں جو ان کے ہاتھوں بلنے سے انکار کر دے، بے رحمی سے مار دیا جاتا ہے۔ ہمارے یہاں یہ صورت حال نہیں ہے۔“ اول خان نے نرمی سے اس کی تردید کی۔

”تم جو چاہو کہہ لو مگر اس بات سے انکار نہیں کر سکتے کہ امریکی ایجنسیاں ڈرگ مافیا سے کم نہیں ہیں۔“ سلطان شاہ نے اول خان سے کہا ”یہ جس ملک میں اپنے بچے کا ڈوبتی ہیں وہاں امن و امان کے سنگین مسائل پیدا ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔“

”یہ صرف ان ملکوں میں ہوتا ہے جہاں ان کو حسبِ فضا سرکاری تعاون نہیں ملتا۔“ دیرابولی۔

بے ساختہ میری تائید کرتے ہوئے کہا ”اس نے انہیں آج اپنے ایم استعمال کرنے کا حکم دیا ہے۔ اس کے بعد ان کے ہاتھ کن ہتھیار ختم ہو جائیں گے۔ کل وہ یقیناً انہیں نئے ہتھیاروں کے بارے میں کچھ بتائے گا۔“

”ہدایات فون یا ابریش پر دی جاسکتی ہیں۔ ہتھیاروں کی وصولی کے لیے دونوں طرف کے کچھ افراد کو موجود ہونا ہوگا۔ ہم نے مناسب منصوبہ بندی اور تیاری کے ساتھ اس وقت کارروائی کی تو ہم نسبتاً بڑی کامیابی حاصل کر سکیں گے۔ آج کے لیے بس دعا کی جاسکتی ہے کہ وہ اپنے ارادوں میں کامیاب نہ ہوں۔“ میں نے کہا۔

”غیر ٹوٹے پہلے ہی اپنی کمزوری ظاہر کر دی ہے کہ شہر میں ریڈ الارٹ ہے۔ موت دنیا کی بہت بھیاں ک حقیقت ہے۔ اس نے اپنی آنکھوں سے اپنے دو ساتھیوں کے چیتھڑے اڑتے دیکھے ہیں۔ وہ کوئی بہت بڑا خطرہ مول نہیں لے گا۔ دھاکے ہوئے بھی تو زیادہ تباہ کن نہیں ہوں گے۔“ دیرابھی میری ہم خیال ہو گئی۔

”میں اپنا تبصرہ واپس لیتا ہوں۔“ اول خان مسکراتے ہوئے بولا ”تمہارے فیصلے دور رس اور درست ہوتے ہیں۔“ ”ابھی تک یہ عقدہ نہیں کھل سکا کہ اول خان پر کوئی کس نے چلائی تھی۔“ غزالہ نے ایک اہم سوال اٹھایا۔

وہ واقعی ایک متما تھا۔ ایک بات بہر حال صاف ہو چکی تھی کہ اول خان پر کئے جانے والے ناکام قاتلانہ حملے میں آئی مین اور اس کے چاروں بھارتی معاونوں میں سے کسی کا ہاتھ نہیں تھا۔ وجہ ہماری قید میں تھاٹیم کے بقید ارکان میں سے کوئی اس حملے میں ملوث ہوتا تو ابریش میں ہونے والی گفتگو میں اس کا کوئی نہ کوئی ذکر ضرور ہوتا۔

”اس وقت میدان میں ہمارا وہی ایک حریف تھا۔ جس نے دو چرے اپنا ہوئے تھے۔ ایک چہرہ بن ڈیوڈ کا تھا دو سرا نک اور ٹام کی ٹیم کا تھا۔ اندر سے وہ سب آپس میں ملے ہوئے تھے مگر ظاہری طور پر نک نے بن سے اپنی لا تعلقی کا اعلان کیا ہوا تھا۔“

ہم چاروں پس پردہ رہ کر ایک مدت سے کام کرتے چلے آ رہے تھے۔ ہمارے بارے میں صرف ہمارے دشمن ہی کچھ نہ کچھ جانتے تھے۔ عام لوگوں کو ہمارے بارے میں کوئی علم نہیں تھا لیکن جلال اور اول خان کی بات بہت مختلف تھی۔ وہ دونوں ایک تسلسل کے ساتھ اپنی ذمے داریاں نبھا رہے تھے۔ ان کے ہاتھوں بہت سے لوگ اپنے کفر کردار کو پہنچے تھے۔ ان ہی میں کوئی ایسا کینہ پرور شخص بھی ہو سکتا تھا جس نے کبھی اول خان کے ہاتھوں کوئی دک اٹھائی ہو اور بدلہ لینے کے لیے اسی روز اول خان حملہ کر دیا ہو۔

”تم غلط کام کر رہے ہو۔“ ان سے پورا پورا

تھی۔ وہ نمبروں کی جگہ کسی اور کو مقرر نہیں کر سکتا تھا۔
وقت گزاری کے لیے میں نے تک کو چھیڑنے کا ارادہ
کر لیا۔

”تم کھر کا نمبر مل جانے پر فون اسی نے اٹھایا تھا۔
”میں کرنل داور بول رہا ہوں۔“ اس کی آواز پہچان کر
میں نے اپنی پچھلی گفتگو کا تسلسل برقرار رکھتے ہوئے کہا۔
”ابتدائی پسندیدگی کے بعد سے میں تمہیں پسند کرنے
لگا ہوں۔ سرکاری دفتر میں، میں جس سے بات کرتا ہوں وہ
بے خبر نکلتا ہے۔ تمہارے ساتھ ایسی کوئی مجبوری نہیں
ہوتی۔ تم اپنے ساتھ دوسروں کی سرگرمیوں پر بھی گہری نظر
رکھتے ہو۔ یہ اچھا ہے کہ تم مجھے فون کر لیتے ہو۔“ اس کی
طرف سے ایک طویل جواب ملا۔

”میں کچھ میرا بھی حال ہے۔ میں جانتا ہوں کہ تم مجھے
چکر دینے کی کوشش کرتے ہو پھر بھی تم سے بات کر کے مجھے
سکون ملتا ہے کیونکہ تم ذہن آدمی ہو۔“

”سب سے پہلے جلال کا شکریہ ادا کر دینا۔ آج مجھے کبلی
کا پاسپورٹ واپس مل گیا۔ کل وہ پروفیسر دو نلڈ کے ساتھ
امریکا چلے گئے۔“

”شاید امریکا میں ڈو نلڈ کی درگت بنائی جائے گی کہ اس
نے آئی بی والوں کے سامنے خفیہ باتیں کیوں اگل دیں۔“

”یہ ہمارا تیرہ نہیں ہے۔ ہم اپنے بڑھے گئے شریوں
سے کام لیتے ہیں تو ان کی عزت اور حکم ہم بھی کرتے ہیں۔ ان
کو ذیل نہیں کرتے۔ اس نے اپنی زبان بند کی ہوئی ہے۔
کوئی شکایت نہیں کی مگر میں سمجھ چکا ہوں کہ تم نے اسے
ہراساں کیا ہو گا۔“

”مائی ڈیر نک! تم یہ بات بھول رہے ہو کہ وہ ہمارا نہیں،
تمہارا شری ہے۔ ہم نے اس کے ساتھ وہی سلوک کیا ہے جو
تم امریکا میں موجود اس قماش کے کسی پاکستانی شری کے
ساتھ کرتے۔ تمہوڑے سے تشدد کے بغیر شرفا بھی اپنی زبان
نہیں کھولتے۔“

”جب اسے تم سے شکایت نہیں ہے تو میں کچھ
نہیں کہہ سکتا۔ یہ بتاؤ کہ اس وقت تم نے کیوں فون کیا
ہے۔“

”تم کو معلوم ہو چکا ہو گا کہ تمہارے تو فصل خانے کے
سامنے والے پارک میں کچھ دیر قبل ایک بم پٹا ہے۔“

”مجھے خبر مل چکی ہے۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ اس
واقعے میں صرف دو افراد مارے گئے ہیں اور کوئی زخمی نہیں
ہوا۔“ اس نے میری معلومات میں اضافہ کیا ”بھیڑ بھاڑ
والے مقامات پر رونما ہونے والے واقعات میں لوگوں کی کثیر
تعداد ہلاک اور زخمی ہوتی ہے۔“

تعاون کرتے ہیں مگر وہ چاہتے ہیں کہ ان کے لیے یہاں قانون
کی بساط لیٹ دی جائے تو یہ کیسے ہو سکتا ہے۔“ غزالہ نے
اعتراض کیا۔

”تم لوگ بلاوجہ بحث کر رہے ہو۔ ساری لڑائی ڈینی اور
ویرا کے لیے ہے۔“ اول خان نے بات سمیٹنے کی کوشش
کرتے ہوئے کہا ”وہ سمجھتے ہیں کہ پاکستان کی انتظامیہ تم
دونوں کی بھرپور پشت پناہی کرتی ہے جس دن تم دونوں کو پابند
سلاسل کر کے ان کے حضور پیش کر دیا گیا۔ سارے تازعات
ختم ہو جائیں گے۔“

”یہ بات اتنی سی ہے تو میں اسی وقت خود کو ان کے
حوالے کرنے کے لیے تیار ہوں۔“ ویرا نے پیش کش کی
”اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ مجھے امریکا لے جانے کے بعد
وہ یہاں اپنی سازشوں اور ریشہ دوانیوں کا سلسلہ ختم کر دیں
گے۔“

”تمہیں اچھی طرح معلوم ہے کہ ایسا ہونا ممکن نہیں
ہے۔ وہ بھارت کے ساتھ اپنی دہشتی نبھانے کے لیے ہمارے
خلاف نئی محاذ آرائیاں کرتے رہتے ہیں۔ جب کچھ بھی نہیں
رہتا تو ہماری ایسی استعداد اور تنصیبات کا تقارہ پیشا شروع
کر دیتے ہیں۔ اندیشا ہے اڑائی جانے والی راکی فالکون کی
کمانیاں ہوش رہیں۔“ اول خان بولا۔

”کیا ان فالکون کے اندراجات سامنے آگئے ہیں۔“
میں نے حیرت سے پوچھا۔

”وہ بھی سامنے نہیں آئیں گے۔ سینہ بہ سینہ چلنے والی
کمانیوں میں بہت سی سچائیاں پنہاں ہوتی ہیں۔ وہ کچھ تم نہیں
ہیں۔“

”ہم کہاں سے کہاں پہنچ گئے۔ بات تمہارے اوپر ہونے
والے فائر کی ہو رہی ہے۔“ سلطان شاہ نے کہا۔

”فی الحال اسے بھول جاؤ۔ مناسب وقت آنے پر یہ
عقدہ بھی کھل جائے گا۔“ اول خان کو اس موضوع میں زیادہ
دلچسپی نہیں تھی ”اس وقت ہمارا ہدف آئی مین ہے۔ ہماری
پوری توجہ اس پر مرکوز رہنی چاہیے۔“

چائے وغیرہ پینے کے بعد اول خان چلا گیا۔ مجھے یہ دیکھ
کر تسلی ہوئی تھی کہ اس کے بازو کا زخم اسے زیادہ نہیں ستا
رہا تھا۔

فرصت میسر آئی تو انتظار کی کوفت شروع ہو گئی۔ میرا
اندازہ تھا کہ جلال فریر پارک والے قہقے سے نمٹتی ہی مجھ
سے رابطہ کرے گا۔ جہانگیر کے بارے میں میری تشویش کم
ہو چکی تھی۔ آئی مین نے را کے جس آدمی کو جہانگیر کے گھر کا
سراخ لگانے پر مامور کیا تھا، وہ اپنے ہی چلائے ہوئے بم کا
نشانہ بن چکا تھا۔ فوری طور پر آئی مین کی ففری نصف رہ گئی

”مرنے والوں میں سے ایک کے لباس میں بم پوشیدہ تھا۔“ میں نے اسے بتایا کیونکہ یہ چھپنے والی بات نہیں تھی۔
”تو کیا اس وقت تم وہیں موجود تھے؟“ اس کی تیز دزدہ آواز ابھری۔

”میرے اپنے وسائل ہیں۔“ میں نے اسے گول مول سا جواب دیا۔ ”یہ اطلاع مصدقہ ہے۔“
”خود کش بم دھماکے زیادہ جان لیوا ہوتے ہیں۔ اسرائیل میں ایسے حملوں میں مرنے اور زخمی ہونے والوں کی تعداد دو ہندسوں سے کبھی کم نہیں ہوتی۔“
”اسرائیل کا درد ہر امریکی اپنے دل میں محسوس کرتا ہے۔“

”طنز کرنے کی ضرورت نہیں۔ میں نے صرف موازنے کے لیے یہ مثال دی تھی۔“

”میں یہی تو کہہ رہا ہوں کہ تم امریکیوں کو مظلومیت کی ہر مثال بھی اسرائیل میں ملتی ہے۔“
”اسرائیل خود کش حملوں کا بہترین نشانہ ہے۔ وہاں آئے دن ایسا کوئی نہ کوئی واقعہ ہوتا رہتا ہے۔ تم بلاوجہ میری بات کو بد مزگی کی راہ پر لے جا رہے ہو۔“

”اسرائیل پر تحقیق سے تمہاری طبیعت بد مزہ ہو رہی ہے تو کچھ اور بات کرتے ہیں۔“

”میں نہیں مان سکتا کہ اس وقت تم نے مجھے بلا سبب فون کیا ہو گا۔“ اس کی آواز سے بے اعتباری مترشح تھی۔

”تم نے کہا تھا کہ مقابلہ جاری رہنا چاہیے۔ تم دیر اور ڈبئی کی تلاش میں لگے رہو گے۔ ہم بن ڈیوڈ کو ڈھونڈتے رہیں۔“

”تو کیا تم نے اس کے ٹھکانے کا سراغ لگالیا؟“ اس نے سوال کیا۔

”ہم کسی بھی وقت اس تک پہنچ جائیں گے۔ اگر تم نے اسے جعلی پاسبورٹ پر یہاں سے نہ نکالا تو وہ پکڑا جائے گا۔“
”وہ اپنے طور پر کچھ بھی کر سکتا ہے۔ میں جعل سازی میں اس کی مدد نہیں کروں گا۔“

”تمہیں معلوم ہے کہ اس کے چکر میں اب تک کئی مقامی پکڑے جا چکے ہیں۔“

”اس حد تک باخبر رہنا میرا فرض ہے۔ ان میں تمہارا اہم ترین ملزم کوئی چوڑا ہے جو یسعی کا شری ہے مگر بد قسمتی سے ہندو اور مزید بد قسمتی سے بھارتی قونصل خانے کا ملازم ہے۔ اسے وحشیانہ تشدد کا نشانہ بنانے کے لیے تم کراچی سے نکال کر اندرون سندھ لے گئے ہو۔“

”تمہاری معلومات قابل رشک ہیں۔ تمہیں یہ جان کر خوشی نہیں ہوگی کہ اس گونگے نے اب ہونا شروع کر دیا۔“

”ہے۔“

”پھر تو تمہیں بہت کچھ معلوم ہو چکا ہو گا۔“ اس کی طنزیہ آواز ابھری۔

”اسے نہیں معلوم کہ آئی مین کا اصل نام کیا ہے مگر اس نے یہ بتایا ہے کہ را کے آدمی آئی مین کے لیے کام کرتے رہے ہیں۔“

”اگر تمہیں اس کی بکو اس پر یقین ہے تو سب کو پکڑو اور ان کی گردنیں اڑا دو۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں ہو گا۔ یہاں کا قانون ویسے ہی ایجنٹل ٹانک فورس والوں پر کوئی پابندی نہیں لگاتا۔ تم ہر طرف سے پوری طرح آزاد ہو۔ اچھا ہے کہ تمہارے بیشتر مسائل منٹ جائیں گے۔“

”آئی مین یہاں یہ گند پھیلا رہا ہے تو تمہیں ضرور اس کا علم ہو گا۔“

”میں تم کو پہلے ہی بتا چکا ہوں کہ آئی مین یا بن ڈیوڈ سے ہمارا کوئی واسطہ نہیں ہے۔ اگر وہ یہاں جرم میں ملوث ہے تو اسے تلاش کرنا تمہاری ذمہ داری ہے۔ ہم کہیں آڑے نہیں آئیں گے۔ اپنی ان کوششوں میں بھول کر بھی ہماری سفارتی عمارت کا رخ نہ کرنا۔ تم کو معلوم ہے کہ اب وہاں حفاظتی انتظامات کا کیا کیل ہے۔“

”تم اقرار کر چکے ہو کہ پچھلی رات بن تمہارے قونصل خانے میں تھا اور بکتر بند گاڑی میں تمہارے ساتھ وہاں سے نکلا تھا۔“ زنج ہو کر میں ایک پرانی بات دہرانے پر مجبور ہو گیا۔

”اسی کے ساتھ یہ بھی بتا دیا تھا کہ میں نے اسے راستے میں اتار دیا تھا۔ میں پھر کہہ رہا ہوں کہ مفروضوں اور غلط سمت میں اپنا رن نہ کیاؤ۔ تھک جاؤ گے۔“

”شاید تم ہماری فورس کے اول خان سے واقف ہو!“
”میرے لیے یہ نام نیا نہیں ہے۔ اکثر سنتا رہتا ہوں اور شاید اس سے مل بھی چکا ہوں۔“ اس کی آواز میں بے نیازی رچی ہوئی تھی۔

”آج سہ پہر اس پر ایک چلتی کار سے قاتلانہ حملہ کیا گیا ہے۔“

”تو یہ کہو کہ تمہیں اس حملہ آور کی تلاش ہے۔ میں اس سلسلے میں کیا کر سکتا ہوں۔ یہاں اس کے پچاسیوں دشمن ہوں گے۔“

”وہ کہیں راہ دیتا نظر نہیں آ رہا تھا۔ میں نے تھک ہار کر کہا ”ٹھیک ہے نک!“ پھر کسی وقت بات ہوگی۔“

میں نے اسے یہ بتانا ضروری نہیں سمجھا کہ فریڈ پارک میں مرنے والے آدمی را کے ایجنٹ تھے۔ مناسب وقت پر اسے وہ بات اخذات سے معلوم ہو سکتی تھی اور اس خبر کی

”یہ بات ہر شک و شبہ سے بالا ہے کہ مارے جانے والے دونوں آدمی را کے ایجنٹ تھے۔ فی الحال میرا اسٹاف ہی کیس پر کام کر رہا ہے۔ مناسب مرحلے پر اسے پولیس کے حوالے کر دیا جائے گا۔“

”وہ مناسب مرحلہ شاید نمبروں کے نام کی تصدیق کا ہو گا۔“

”تم بار بار دو سرے آدمی کو نمبروں کیوں قرار دے رہے ہو۔ وہ نمبر نو یا نو چھ بھی ہو سکتا تھا۔ مجھے یاد ہے کہ ایم فٹسی پر سنی جانے والی گفتگو میں وجہ کے لیے نمبر تھری کے الفاظ استعمال کیے گئے تھے۔“

”میں نے ایم فٹسی پر ان لوگوں کی تازہ ترین باتیں سنی ہیں۔ مرنے والے دن اور تھری تھے۔“

جلال بے اختیار آگے جھک آیا ”کمال ہے۔ تم نے ان کی باتیں سنی ہیں اور انہیں اپنے دل میں لیے بیٹھے ہو۔ اس وقت میں صرف ایش لینے کے لیے آیا تھا تاکہ ان کے درمیان ہونے والی گفتگو سن کر اندازہ لگا سکوں کہ وہاں کیا ہوا تھا اور اس بارے میں بن کا کیا رد عمل ہے۔“

”میری غلطی تھی۔ میں معذرت چاہتا ہوں۔“

”غلطی نہیں، یہ تمہاری شرارت تھی۔“ دیرانے جلال کو اس نے کی کوشش کی۔

میں نے اپنی یادداشت کے مطابق ہر بات حرف بحرف دہرانے کی کوشش کی اور جلال کے ساتھ تبادلہ خیال شروع کر دیا۔ وہ باتیں بہت سیدھی اور واضح تھیں۔ ان سے اخذ کیے ہوئے نتائج کے بارے میں دو رائے نہیں ہو سکتی تھیں۔

”ایش تم کھو گے یا مجھے دو گے؟“ جلال نے پوری بات سن لینے کے بعد پوچھا۔

”اصلی طور پر اب اسے تمہارے پاس رہنا چاہیے تاکہ تم اس پر ملنے والی اطلاعات کی روشنی میں ہر وقت کوئی فیصلہ کر سکو۔ میں اس خیال سے یہ آلہ مانگ لایا تھا کہ تمہارے لیے وہاں اس پر دھیان دینا ممکن نہیں تھا۔ مجھے یکایک تمہاری مصروفیات بڑھنے کا اندازہ ہو گیا تھا۔“

”مجھے ذرا تھکا کہ میں تم ایش پر بن سے کوئی چھیڑ چھاڑ نہ کر بیٹھوں۔“ وہ ہنس کر بولا۔

”میرا ارادہ یہی تھا کہ میں نے نئی کھپ کا ذکر سننے ہی اپنا ارادہ ملتوی کر دیا۔“ میں نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

”قدرت بھی ہمارا ساتھ دے رہی ہے۔ اچھا ہوا کہ ابھی تک سی ٹائمن کا پتا نہیں چل سکا۔“ ویرا سوکھا سامنے بنا کے بولی۔

دیرا کی اس بات پر جلال چونک پڑا ”کیا تم کسی قسم کا فطرت کرنے کی کوشش کر رہی ہو؟“

اشاعت کے لیے انٹیلی جنس بیورو والوں کی کلینر ضروری تھی۔ جلال کی رضامندی کے بغیر وہ خبر اخبارات میں نہیں آ سکتی تھی۔

فون بند کر کے میں نے اپنا داہنا بازو پیشانی پر رکھا اور آنکھیں موند لیں۔

کافی دیر بعد میں اپنے ہاتھ پر کسی کالس محسوس کر کے ہڑبوا یا تو دیرا میرے سر پہ لکڑی ہوئی تھی۔

”معلوم ہوتا ہے کہ خاصے ٹکے ہوئے تھے جو صوفے پر آنکھ لگ گئی۔“ اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

میں نے آنکھیں مل کر رسٹ واپس نگاہ ڈالی تو یہ جان کر خوشی ہوئی کہ میں صرف آدھے ٹکے کے لیے سوچا تھا۔

”فرصت اور بے کاری سے طبیعت کچھ بیزار سی ہو رہی تھی۔“ میں نے صوفہ چھو کر جواب دیا ”سب اپنے اپنے کمروں میں جا گئے تھے۔ میں بھی سو گیا۔“

”تم اسے فرصت اور بیکاری کہہ رہے ہو۔ صبح سے تم مسلسل مصروف تھے۔“ اس نے حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر کہا۔

”وہ صبح اور شام کی باتیں تھیں۔ اس وقت تو میں بیکار ہی تھا۔“ میں اسے ٹالنا ہوا اپنے کمرے کی طرف ہولیا۔



سات بجے جلال آیا تو خاصا خوش تھا۔ اس کا یہ لال دور ہو چکا تھا کہ اس کے ہاتھ آیا ہوا ایک شکار چم زون میں موت کے گھاٹ اتر گیا تھا۔

غزالہ نے خاصے اہتمام سے اس کے لیے جانے دیگر لوازم کے ساتھ پیش کی اور پھر مجھ سے اجازت لے کر سلطان شاہ کے ساتھ بازار کے لیے نکل کھڑی ہوئی جہاں سے اسے گھرداری کی بعض اہم ضروریات کی خریداری کرنی تھی۔

نمبرون اور روپے کی ملاقات میں جو کچھ ہوا وہ ڈھکا چھپا نہیں تھا۔ ابتدا سے ہم کا مملک دھماکا ہونے تک اس کے مشاہدات بھی وہی تھے جو ہمارے رہے تھے۔ سب کی متفقہ رائے تھی کہ نمبرون نے پکڑے جانے کے بدترین اندیشوں کے تحت اپنے وجود کو چھیتھڑوں کی صورت میں اڑانے کا فیصلہ کیا تھا۔

”ابھی تک اس کا نام معلوم نہیں ہو سکا۔“ اس نے گہرا سانس لے کر کہا ”یہ یقین واقعہ اس قدر حساس مقام پر پیش آیا تھا کہ آئی جی کے ساتھ کراچی ڈویژن کا کمشنر اپنے سارے ڈپٹی کمشنرز کے ساتھ وہاں پہنچ گیا تھا۔ انتظامی اصطلاح میں اسے وی آئی لی اریا قرار دیا جاتا ہے۔“

”پھر تو یہ کیس پولیس کے سپرد کر دیا گیا ہو گا۔“ میں نے تائید چاہی۔

نقصان

شریف صاحب محلے کی کیا نے دکان پر چیزوں کی قیمتوں کے سلسلے میں بحث و تکرار کر رہے تھے مجید صاحب پاس ہی کھڑے تھے، وہ بولے ”شریف بھائی! سب دکانوں سے آپ سودا ادھار لیتے ہیں... اور ادھار آپ نے آج تک چکایا نہیں... تو پھر قیمتوں پر بحث کرنے کی کیا ضرورت ہے؟“

”اصل میں یہ دکاندار بہت اچھا آدمی ہے... میں چاہتا ہوں اس کا نقصان کم سے کم ہو... اس لیے چیزوں کی قیمتیں کم کر رہا ہوں۔“ شریف نے جواب دیا۔

ہو کر کہا ”اس نمبر کی ہر عمارت میں دو چار دکانیں اور چھ سے نو تک چھوٹے فلیٹ ہیں۔ ان سب کی بے خبری میں ان کے گواہ کی چھان بین آسان نہیں ہے۔ وہ ایک وقت میں ہر طرف پھیلنے کے بجائے ہر عمارت کو باری باری دیکھ رہے ہیں۔“

”تم نے ڈیفنس اتھارٹی کے ریکارڈ سے اس بات کی تصدیق کر لی ہے کہ سی نمبر والے پلاٹ مکمل نہیں ہیں۔“ میں نے توثیق چاہی۔

”ہم قیاسات اور اندازوں پر اسی وقت کام کرتے ہیں جب ریکارڈ دستاویز ہو۔ یہ نکتہ کفرم کر لیا گیا ہے۔“ ”پھر کب تک نتیجہ سامنے آنے کی امید ہے؟“ ویرانے سوال کیا۔

”یہ کام کل شام تک ہو جانا چاہیے۔“ وہ مسکراتے ہوئے بولا ”اس وقت تک نئی کھپ کاراز مکمل چکا ہوگا۔“ ”اور تم کو یہ بھی بتا دوں کہ آج دوپہر میں کسی نے اول خان پر قاتلانہ حملہ کیا تھا۔ اس کے ستارے اچھے تھے جو گولی اس کے داہنے بازو کو ادھڑتی ہوئی گزر گئی۔“ میں نے کہا۔ ”یہ بات تم مجھے اتنی دیر سے بتا رہے ہو۔“ وہ ہلکا سا بولا۔ ”شام کو وہ فریڈ بارک آیا تو ٹھیک ٹھاک نظر آ رہا تھا۔“ ”وہ درودور کرنے والا انجیشن لگوا کر آیا تھا۔ واقعہ بہت سنگین تھا مگر زخم زیادہ گہرا خطرات کا نہیں ہے۔“ ”میں فون پر اس سے بات کر رہا ہوں۔ تم میری طرف سے

”مظہر نہیں“ میں نے حقیقت بیان کی ہے۔“ وہ مدافعت لہجے میں بولی ”سی نمبر کا پتا چل جاتا تو ہم وقت ضائع کیے بغیر ادھر چل دیتے۔ بن ہمارے ہاتھ آتا یا نہ آتا، یہ بعد کی بات تھی۔ راکے بچے ہوئے دونوں ایجنٹوں کا قصہ کھٹائی میں پڑ جاتا۔“

راکے دونوں آدمیوں کو پکڑ لینے کے بعد کامل یکسوئی سے بن کو پکڑ لینا قرین قیاس تھا۔ پہلے اسے پکڑنے کی صورت میں راکے والے صاف بچ نکلتے۔ یہ بھی ممکن تھا کہ وہ حالات کو ناسازگار بنا کر کراچی چھوڑ دیتے اور اولین فرصت میں کہیں سے سرحد پار کر کے بھارت میں نکل جاتے۔

”نمبروں کا سیکرٹ ایجنٹ تھا۔“ جلال نے وجہ کے ساتھ مرنے والے کے بارے میں بتانا شروع کر دیا ”اس کی جیسوں سے کوئی ایسی چیز برآمد نہیں ہوئی جس سے اس کا کوئی بھی سراغ ملتا۔ اس کی لاش بری طرح مسخ ہو کر ٹکڑوں اور چھینٹوں میں بدل گئی تھی جنہیں بچا کرنا مشکل ہے۔“ ”تم قص میں پھنسا ہوا ایک ہاتھ میں نے جھاڑی سے لٹکا ہوا دیکھا تھا۔“ میں نے کہا۔

”چھ سات بڑے ٹکڑے ہیں۔ باقی چھ تھوڑے دور تک بکھر گئے تھے۔“ جلال نے اقرار کیا۔

”چہرے کی کیا حالت ہے؟“ میں نے پوچھا۔ ”میں ہمیشہ ایسی نازک باتوں پر دھیان دیتے ہو۔“ وہ ہنس کر بولا ”ٹکڑے دھکنے کے بعد اندازہ ہوا ہے کہ جدید ترین ساخت کا تباہ کن لیگن چھوٹا بم اس نے اپنے پیٹ سے چپکایا ہوا تھا۔ دھڑکا حشر خراب ہو گیا مگر چہرہ قابل شناخت ہے۔ تم کو اس کا خیال کیوں آگیا۔“ ”چوڑانے پہلی نظر میں وجہ کو پہچان لیا تھا۔ وہ نمبروں کو بھی پہچان سکتا ہے۔“

”یہی ہو رہا ہے۔ دس بجے تک پوسٹ مارٹم مکمل ہو جائے گا۔ میری آدمی اسی وقت صدف ٹیمشن سے چوڑا کو لے کر سرکاری مردہ خانے آئیں گے اور مرنے والے کی شناخت کروالیں گے۔“

”اس کا نام معلوم ہو جانے سے ہمیں یہ پتا چل جائے گا کہ اب بچے ہوئے دونوں آدمیوں کے نام کیا ہیں۔“ ”بالکل۔“ ویرانے میری تائید کی ”مرنے والے سے کیا لینا۔ وہ تو جسم واصل ہو ہی گیا تھا۔ ناموں کے تعین سے ان دونوں کی تلاش میں مدد مل سکے گی۔“

”سی نمبر کے بارے میں ابھی تک کوئی بات سامنے نہیں آئی۔“ میں نے سی نمبر کا قصہ چھیڑ دیا۔

”میرے آدمی لگے ہوئے ہیں۔ یہ کام میرے اندازے سے زیادہ دشوار ثابت ہوا ہے۔“ جلال نے مجھ سے مخاطب

افسوس کا اظہار کر دینا۔ اس نے گولی چلانے والے کو دیکھا تھا۔

”ایسے واقعات پر سوالات اور مشورے بہت سے سامنے آتے ہیں لیکن حقیقت وہی جانتا ہے جس پر قیامت گزری ہو۔ گولی لگنے ہی اس کے اوسان خطا ہو گئے تھے۔“

”میں چلتی ہوئی گاڑی میں ڈرائیور کے اچانک زخمی ہوجانے کی یقینی گمانہ اندازہ کر سکتا ہوں۔ اس بارے میں تمہارے کیا رائے ہے۔“

وہ ایک انوکھا اور ناگہانی واقعہ تھا۔ اس کے بارے میں کسی کی کوئی رائے نہیں تھی۔ ہمارے درمیان جو باتیں ہوئی رہی تھیں وہ جلال کو بھی بتادی گئیں۔ اس نے ہر بات کو غور سے سنا اور آخر میں مایوسی سے اپنا سر ہلا کر رہ گیا۔

”میرا خیال ہے کہ سی ٹائمن کی تلاش کے معاملے کو غیر ضروری التوا میں ڈالا جا رہا ہے۔“ اچانک ویرانے ایک نئی قلابازی کھائی اور میں حیرت سے اس کا منہ دیکھتا رہ گیا۔

”یہ التوا غیر ضروری نہیں، ناگزیر ہے۔“ جلال نے اس کی بات کا برا ماننے بغیر نرمی اور تحمل سے کہا۔

”ایسا نہ ہو کہ بعد میں ہم لکیر کو پیچھے رہ جائیں۔“ اس

کے الفاظ نے مجھے چونکا دیا۔

”تم کیا کہنا چاہ رہی ہو؟“ میں نے قدرے حیرت اور ترشی سے پوچھا ”کھل کر کہو۔“

”آئی مین اس وقت پھلاوا بنا ہوا ہے۔ وہ کسی جگہ زیادہ دیر تک نہیں ٹک رہا۔“

میں نے اس کی بات وہیں کاٹ دی ”تم غلط کہہ رہی ہو۔ وہ اپنی مرضی سے نہیں بھاگ رہا۔ اسے بھگایا جا رہا ہے۔ اس نے بی باون چھوڑنے میں دیر کی ہوئی تو ہمارے ہتھے چڑھ گیا ہوتا۔ فالکن ہاؤس پر چھاپے کے بعد اس نے اپنا وہ ٹھکانا چھوڑا تھا۔ تو فصل خانے سے اس کے نکلنے کا قصہ ابھی تازہ ہے۔“

”وجہ کچھ بھی ہو۔ وہ ٹھکانے بدل رہا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ جب ہم سی ٹائمن پچھیں تو وہ وہاں سے نکل چکا ہو۔ ویرا کے پاس اپنے دوسرے نظریے کے حق میں بھی دلائل موجود تھے۔“

وہ اس اعتبار سے ٹھیک کہہ رہی تھی کہ بن ڈیوڈ امرا کے بگڑے ہوئے طبقے سے تعلق رکھتا تھا اور بڑے، پُر آسائش مکانوں میں رہنے کا عادی تھا۔ ہم لوگ فریڈم انٹرنیشنل والے چکر میں ڈیفنس کے کمرشل اریا ز میں بنی ہوئی عمارتوں کی محدود مکانیت بہت اچھی طرح دیکھ چکے تھے۔ بن عارضی طور پر ایسی عمارت کے کسی حصے میں پناہ لے سکتا تھا۔

زیادہ دیر تک وہاں نہیں رہ سکتا تھا۔

”بہت اچھا ہوا کہ تم نے اپنے دل کی بات کہہ دی۔ اس کا بھی دھیان رکھا جائے گا۔“ جلال نے اس کا نکتہ تسلیم کر لیا۔

”اب تمہارا کیا پروگرام ہے۔ ہمارے ساتھ کھانا کھا کر جانا۔“ میں نے اسے پیشکش کی۔

”میں اسلام آباد سے باہر رہتا ہوں تو میرے پیروں میں چکر رہتا ہے۔ میں چلوں گا دیکھو کھانا کھاں نصیب ہوتا ہے۔“

”تم کراچی آتے ہو تو بس یہاں پھنس کر رہ جاتے ہو۔ اس بار بھی تم چند گھنٹوں کے لیے آئے تھے اور ابھی تک رے کے ہوئے ہو۔ دیکھو، واپسی کب ہوتی ہے۔ تمہاری ان غیر یقینی مصروفیات سے تمہاری وائف کو شکایت رہتی ہوگی۔“

ویرانے اس کے جواب سے لطف اندوز ہوتے ہوئے پوچھا۔

”بیویاں ان مجبوریوں کو نہیں سمجھتی۔“ جلال نے خوش دلی سے جواب دیا ”ان کا بس چلے تو اپنے اپنے شوہروں کو گھر سے نہ نکلنے دیں۔ کھٹ پٹ ہوئی رہتی ہے مگر صورت حال قابو سے باہر نہیں ہوتی۔“ ویرا کو جواب دے کر وہ میری طرف متوجہ ہو گیا ”بات بہت معمولی سی ہے۔ تم نے اس کا حل بھی تجویز کر دیا ہے لیکن یہ بات مسلسل میرے ذہن میں

چبھ رہی ہے کہ میرے کچھ آدمیوں کی تصاویر امریکی قونصل خانے کے خفیہ کیمروں نے محفوظ کر لی ہیں اور ان میں سے عرفان کو پہچان بھی لیا ہے۔“

”اسے بھول جاؤ۔ شاید تک بھی اسے بھول جائے گا اور وہ فلمیں ریکارڈ میں دینے ہو جائیں گی۔ تو ڈی دیر پہلے میں نے اس سے بات کی تھی۔ اس نے ان تصویروں کا کوئی ذکر نہیں کیا۔“

”اسے کیوں فون کیا تھا تم نے؟“ جلال نے چونک کر پوچھا۔

”وقت گزارنے کے لیے اسے چھیڑ بیٹھا تھا۔ وہ فریر پارک کے دھماکے سے باخبر تھا اور کیلی کا پاسپورٹ واپس مل جانے پر تمہارا شکر گزار بھی تھا۔“

”آئی مین کے بارے میں کوئی بات ہوئی؟“ اس نے تجسس سے پوچھا۔

”وہ اسی بیان پر اڑا ہوا ہے کہ کیلی سے ملوانے کے بعد اسے راستے میں اتار دیا تھا۔“

”کیلی نشیمن میں رہ رہی ہے یا دوبارہ قونصل خانے کی مہمان ہوئی ہے؟“

”اس بارے میں میں نے کچھ نہیں پوچھا۔ وہ از خود یہ بتا رہا تھا کہ کیلی کل ڈونلڈ کے ساتھ امریکا واپس چلی جائے

گی۔

”اس سے تمہارا وہی کرل داور والا پروٹوکول چل رہا ہے یا اس میں کوئی تبدیلی آئی ہے؟“
 ”نی الحال وہی سلسلہ جاری ہے۔ اگر معاملہ طول پکڑ گیا تو کسی وقت ذہنی بن کر اس سے بات کروں گا۔ شاید میرا نام سن کر اس کی ہنسی کم ہو جائے گی۔“
 سب ہنسنے لگے اور اسی خوشگوار ماحول میں وہ ہم سے رخصت ہو گیا۔

دیر اندر رکی رہی۔ میں جلال کو الوداع کہنے کے لیے پھاٹک تک آیا۔ اس کی گاڑی روانہ ہونے کے بعد میں ذیلی گھر کی بند کر رہی رہا تھا کہ داہنی طرف سے آتی ہوئی ایک دروازہ قائم، خوب صورت اور خوش پوش لڑکی نے بے تابی سے فضا میں ہاتھ لہرا کر مجھے رکنے کا اشارہ کیا اور اپنی رفتار بڑھا دی۔ اس کے ہاتھ میں ایک فولڈر بھی دیا ہوا تھا۔

اپنی مخصوص سرگرمیوں کی وجہ سے ہماری شناسائی کا حلقہ بہت محدود ہو کر رہ گیا تھا۔ گھر پر آنے جانے والوں میں اول خان اور جلال کے سوا تیسرا کوئی نام نہیں تھا۔ میں نے اپنے ذہن پر خاصا زور دیا لیکن اس لڑکی کے بارے میں مجھے کچھ یاد نہیں آسکا کہ میں نے پہلے بھی اسے دیکھا ہو۔ وہ میرے لیے سرا سرا جہی بھی مگر اس کے انداز سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ مجھ سے ملنے آ رہی تھی۔ اس وقت میں اپنے گھر کے دروازے پر نہ کھڑا ہوا ہوتا تو پورے خلوص سے اس نئی ملاقاتی کو خوش آمدید کہتا مگر اس وقت حالات مختلف تھے۔

”سر! میں کنزیو سر سوز سے آئی ہوں۔ اگر آپ کو زحمت نہ ہو تو میں اپنے سروے کے سلسلے میں آپ سے چند سوالات کرنا چاہوں گی۔“ اس نے اپنے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ بکھیرتے ہوئے نہایت تہذیب سے التجا کی ”ہم اس علاقے میں منتخب گھروں سے رابطہ کر رہے ہیں۔“
 اس کا انداز اتنا نرم اور ملتجی نہ تھا کہ میں انکار نہیں کر سکا ”میں تمہیں چند منٹ دے سکتا ہوں۔ کیا پوچھنا چاہتی ہو؟“

اس نے اپنے بائیں ہاتھ میں دیا ہوا فولڈر کھولا۔ اس میں کنزیو سر سوز کے سادہ اور بھرے ہوئے فارموں کی خاصی تعداد موجود تھی۔ اس نے فولڈر میں سے ایک سادہ فارم نکالا۔ اسے فولڈر کی تخت جلد پر رکھ کر بال پین سنبھالا اور پوچھا ”آپ کے گھر میں کس برانڈ کی چائے کی پتی استعمال ہوتی ہے؟“

میں چکر ا گیا۔ وہ خالص غانہ داری کا معاملہ تھا جس میں میں بالکل کورا تھا۔ میں نے کہا ”بی بی! جو سوال تم مجھ سے

انتظار

رہستوران میں ایک صاحب نے کھانا منگوا کر کھانا شروع کیا تو انہیں احساس ہوا کہ ارد گرد کی میزوں پر بیٹھی ہوئی بہت سی لڑکیاں ایک ٹک ان کی طرف دیکھ رہی تھیں۔ انہوں نے قدرے پریشان ہو کر ویکو بلایا اور ان کے بارے میں پوچھا تو دیکر کچھ ہچکچاتے ہوئے بولا ”سر! دراصل بات یہ ہے کہ اس رہستوران کے برابر میں ہی ایک کیونٹی ہال ہے جہاں کھانے پکانے کی کلاسیں ہوتی ہیں... یہ کھانا ہاں سے آیا ہے... اگر آپ نے کھانا پورا ختم نہ کیا... یا آپ کھانا کھا کر لمبے لیٹ گئے... تو یہ لڑکیاں امتحان میں فیل ہو جائیں گی۔“

پوچھ رہی ہو وہ کسی عورت سے پوچھنا چاہیے۔“
 ”سر! اگر آپ کی مسز مجھے چند منٹ دے سکیں۔“ اس نے شائستگی سے التجا کی ”مجھے بس آخری ایک دو فارم مکمل کرنے ہیں۔“ اندھیرا بھی پھیل چلا ہے۔“
 ”تم اکیلی یہ سروے کرتی پھر رہی ہو یا تمہارے ساتھ کوئی اور بھی ہے۔“ میں نے اسے اشتباہ آمیز نظروں سے گھورتے ہوئے پوچھا۔

”سر! ہم دو لڑکیاں گھر گھر سروے کر رہی ہیں ڈائریو ہمارے ساتھ ہے۔ گاڑی کو نے پر کھڑی ہوئی ہے۔“ اس نے جلی کے سرے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بتایا۔

میں ہر نئی چیز یا بات کے ظاہر اعتبار کرنے کا عادی نہیں رہا تھا۔ میں چوٹ سے دو قدم باہر نکلا تو مجھے لڑکی کی بتائی ہوئی سمت میں سرخ رنگ کی یک اپ کھڑی ہوئی نظر آئی۔ میں نے ایک مرتبہ پھر لڑکی کو تیز نظروں سے گھورا اور وہ مسکین انداز میں مسکرانے لگی۔

مجھے اس پر ترس آ گیا۔ وہ بڑھی نکسی اور مذہب لڑکی تھی۔ گردش روزگار نے اسے نہ جانے کیسے اس ملازمت کی راہ بردھیل دیا تھا جہاں صبح سے شام ڈھلے تک وہ گھر گھر دھکے کھاتی پھر رہی تھی۔ میں انکار کر دیتا تو شاید اس کا دل ٹوٹ جاتا۔ اسے کوئی اور دروازہ نہ کھٹکھٹا پڑتا۔ وہاں بھی مجھ جیسا کوئی غنی مزاج شخص رکھائی سے اسے ٹال دیتا تو اسے

تیسرے دیر جانا ہوتا۔ وہ اس کے ساتھ زیادتی ہو جاتی۔ اندر دیر موجود تھی۔ وہ چند منٹوں میں اسے خوب صورتی سے نشتا کرتی تھی۔

”اندر آکر دو منٹ کے لیے خاتون سے مل لو۔“ میں نے اسے اندر آنے کا راستہ دے دیا۔

وہ منونیت سے لبریز لہجے میں میرا شکریہ ادا کرتی ہوئی، میرے پیچھے پیچھے اندر آگئی۔

ویرا کے کان بہت تیز تھے۔ اس نے میرے قدموں کی چاپ کے ساتھ نسوانی سینڈلوں کی ہلکی کھٹ کھٹ بھی سن لی۔ ہم دونوں راہداری میں داخل ہوئے تو ویرا سامنے سے چلی آ رہی تھی۔

”یہ کس کو گھر میں لیے چلے آ رہے ہو؟“ میرے ساتھ ایک بنی سنوری اور خوبصورت لڑکی کو دیکھ کر ویرا کی بھویں تن گئیں۔

”بے چاری سروے کے لیے گھر گھر باری باری پھر رہی ہے۔ چند سوالوں کے جواب دے کر اس کی مشکل آسان کر دو۔“

”یہ کوئی وقت ہے سروے کا۔“ ویرا نے مجھ سے تیز

آواز میں بات کر کے اپنی برہی کا اظہار کیا پھر جارحانہ انداز میں مجھ سے آگے نکل کر، عملاً لڑکی کا راستہ روک کر کھڑی ہو گئی اور لڑکی کو لپکھڑنا شروع کر دیا۔

”دیکھو، تم جوان اور خوبصورت ہو۔ دو پیسے کی نوکری کے چکر میں تم رات کے اندھیرے میں گھوم رہی ہو۔ یہ تو شریف آدمی ہیں۔ ان کی جگہ کوئی آوارہ مرد ہو تو تمہیں اندر لا کر دروازہ بند کرتا اور پانچ منٹ میں تم کو بے آبرو کر ڈالتا۔ اس وقت تمہارا گھروں کے اندر جانا مناسب نہیں ہے۔“

”شکریہ میڈم! آئندہ میں محتاط رہوں گی۔“ لڑکی روہانسی آواز میں بولی۔ اس کے چہرے سے خوش دلی اور مسکراہٹ کا نور ہو چکی تھی۔

”کوئی سروے فارم لائی ہو یا زبانی کلامی معلومات جمع کرو گی؟“ ویرا کا لہجہ بدستور اکھڑا اکھڑا سا تھا۔

لڑکی نے سسم کر فولڈر سے نکالا ہوا سادہ فارم ویرا کی طرف بڑھادیا۔ میں ڈرائنگ روم کی طرف جاتے جاتے رک گیا تھا۔ ویرا کا موز بڑا ہوا تھا۔ کچھ بعید نہیں تھا کہ وہ لڑکی کی کسی بات پر بڑبڑا کر اسے دھکے دے کر گھر سے نکال دیتی۔ ایسے کسی سانحے کو ٹالنے کے لیے میری موجودگی ضروری ہو گئی تھی۔

ویرا نے فارم لے کر اس پر سرسری نظریں دوڑائیں۔

فارم کو دیوار پر رکھا اور لڑکی

فارم بھرنے میں مصروف ہو گئی۔

مجھے تجسس ہوا اور میں فارم کے اندر اجابت پڑھنے کے لیے خاموشی سے ویرا کے پیچھے پیچھا کیا۔ نیلی سیاہی سے مطبوعہ اس فارم پر لٹریچر سرسبز کا نام جلی حروف میں چھپا ہوا تھا۔ ویرا نے چائے کے برائڈ کے خانے میں ایک مشہور نام لکھا تھا۔ اس کے بعد اس کی ذہنی رو بمک گئی۔ چائے کے استعمال کی ماہانہ مقدار دس ٹن، گھر میں چائے پینے والے افراد کی تعداد پچاس اور نہ پینے والے افراد کی تعداد بھی پچاس ہی لکھی گئی تھی۔ اس نے دھیان دے بغیر کئی خانوں میں الٹل ٹپ تک کے نشانات لگائے، نیچے نام کی جگہ نامعلوم لکھ کر وہ فارم لڑکی کو لوٹا دیا۔

فارم پر نظر ڈالتے ہی اس لڑکی کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ ”ممہ میڈم، کیا آپ نے دس ٹن کی مقدار لکھی ہے۔“

”ہاں!“ ویرا نے پھاڑ کھانے والے انداز میں جواب دیا، ”کیا تم اتنا بھی نہیں پڑھ سکتیں۔“

”جی۔ جی۔ جی۔ اور یہ چائے پینے والوں کی تعداد شاید پانچ ہے!“ لڑکی نے بوکھلا کر پوچھا۔

”تم بالکل جاہل معلوم ہوتی ہو۔“ ویرا تیز آواز میں غرائی ”یہ میرا گھر ہے میں جانتی ہو کہ یہاں پانچ نہیں، پچاس آدمی چائے پیتے ہیں۔ فارم سنیا لو اور یہاں سے دفع ہو جاؤ۔ باہر نکلنے کے بعد اس پر جو چاہو، لکھ لیتا۔ گٹ آؤٹ!“

ویرا کے نادر شاہی ارشادات سن کر وہ لڑکی بس لمحہ بھر کے لیے ہنسی گئی۔ ویرا کی زبان سے آخری فرمان سن کر اس نے واپسی کے لیے تقریباً دو دو لگانے اور گرتی پڑتی باہر نکل گئی۔ ”بھاؤ۔ اب ذیلی کھڑی کو اچھی طرح بند کر کے آؤ!“ ویرا برا سامنے بنا کر مجھ سے بولی ”تا نہیں خوبصورت لڑکی کو دیکھ کر ہر مرد ریشہ خطی کیوں ہو جاتا ہے۔“

”گھر جاؤ! میں جا رہا ہوں۔“ میں سر جھکائے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ ویرا کی اونچی آواز سن کر میں بھی اس لڑکی کے بارے میں سوچنے پر مجبور ہو گیا تھا۔

”اس وقت تم نے نہایت جاہلانہ سلوک کا مظاہرہ کیا ہے۔“ میں نے واپس آ کر ڈرائنگ روم کی طرف جاتے ہوئے تلخی سے کہا ”میں اسے اپنی خواب گاہ میں نہیں لے جا رہا تھا، تمہارے پاس لا رہا تھا۔“

”مگر کیوں؟“ ویرا نے آنکھیں ڈال کر سوال کیا ”تم تو بہت ذہین اور نظر شناس آدمی ہو۔ اس دو ٹوکے کی لڑکی کے سامنے تمہاری ذہانت کہاں چلی گئی تھی؟ تم کو نہیں معلوم کہ

ماہر نفسیات

ایک بڑے ہوٹل میں کنونشن کے دوران میں ایک روز دو ماہرین نفسیات ایک راہداری میں ایک دوسرے کے پاس سے گزرے۔ دونوں ایک دوسرے کو جانتے تھے۔ ایک نے مسکرا کر دوسرے کو ”ہیلو“ کہا۔ دوسرے نے کوئی جواب نہیں دیا اور کافی آگے جا کر ایک ستون کی آڑ میں کھڑے ہو کر سر کھجاتے ہوئے زیر لب بڑبڑایا ”آخر اس کا ہیلو کہنے کا مقصد کیا تھا؟“

دو گھنٹے وہ وہیں کھڑا اس سوال پر غور کرتا رہا تب جا کر اس کی سمجھ میں آیا کہ دوسرے نفسیات داں کے ”ہیلو“ کہنے کا مقصد صرف ہیلو کہنا ہی تھا!

میں نے دل ہی دل میں بلاؤں سے تحفظ کی دعا شروع کر دی۔ اس پر روایتی جراثیم حملہ آور ہوتے نظر آ رہے تھے۔ ”اے!“ اچانک اس نے میرے رخسار پر چٹکی لے کر کہا ”ڈرا اور دیکھو، میری طرف، میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرو۔“

”تمہیں اس لڑکی کی آمد اس لیے گراں گزری تھی کہ اس کی موجودگی میں تم پر حرکتیں نہیں کر سکتی تھی۔“ میں نے یکایک اس کو گھورتا شروع کر دیا۔

ویرانے تختی سے میرا بازو تھام لیا اور دلی آواز میں بولی ”اس لڑکی کی ایسی کئی تھیں۔ میں غزالے کے سوا کسی کی پروا نہیں کرتی۔“ وہ میرے اوپر سوار ہوئی جا رہی تھی۔

ویرانے اپنا ریکارڈ خراب نہیں کیا۔ غزالہ یہ سوچ کر بازار کے لیے نکل گئی تھی کہ ہمارے ساتھ جلال موجود تھا۔ مگر وہ کچھ زیادہ ہی بخلت میں تھا۔ اس کے چلے جانے کے بعد سرویر لڑکی کی صورت میں غیبی امداد آئی تھی لیکن ویرانے اسے دھتکار کر کھڑا کیا۔

اس کے ساتھ دھیمکا مشتکی اور ہاتھ پائی کرتے ہوئے مجھے سخت وقت کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔ میری وہ مشقت زیادہ طول نہیں چکڑ سکی۔ ہمارے دروازے پر گاڑی کے انجن کی آواز سنائی دی اور ویرانے زور آزمائی ترک کر کے فوری طور پر

آج کل ہم سب کن خطرناک حالات سے گزر رہے ہیں۔ دوپہر میں اول خان پر حملہ ہو چکا ہے اور تم ایک اجنبی لڑکی کو

گھر میں گھسائے لا رہے ہو۔ صرف اس لیے کہ وہ جوان اور خوبصورت تھی۔ بن ٹھن کر آتی تھی۔“

”وہ حالات کی ستانی ہوئی ایک تعلیم یافتہ لڑکی تھی۔ بلاوجہ اس کی تذلیل کر رہی ہو۔“ میں نے احتجاج کیا۔

”لوگ ایسی ہی مجبور لڑکیوں کو خریدتے ہیں۔ میڈم فرزانہ کیا اس سے مختلف تھی؟ خالد نے اسے کتنے میں خریدا تھا؟ تمہارے دشمن شہر کے ہر کونے میں تمہاری بوسوں گھٹتے پھر رہے ہیں۔ مجھے اور تم کو بچانے کے لیے سب نے اپنی جان کی بازیاب لگائی ہوئی ہیں اور تم۔“

ویرانے مجھے تذبذب میں ڈال دیا تھا۔ میں نے اپنی خفت کو کم کرنے کے لیے خاموشی سے سگریٹ سلگائی ”اس کا گمراہ کش لے کر دھواں فضا میں بھیرا پھر اس سے پوچھا ”لڑکی پر تمہیں کیوں شبہ ہو رہا ہے؟“

”گھریلو سروے دن کے اجالے میں کیا جاتا ہے۔ یہ سروے کا کوئی وقت نہیں تھا۔ وہ مشتبہ نہ ہوئی پھر بھی ایک اجنبی لڑکی کو گھر میں لانے کی ضرورت نہیں تھی۔ میں شرط لگاتی ہوں کہ وہ اس جلی کے کسی اور گھر میں نہیں گئی ہوگی۔“ وہ تاک کر یہاں آئی تھی۔ تم اتفاق سے بھاگ کر نہ ہوتے تو وہ گھنٹی بجاکر اندر آئی۔ وہ گھر کا جائزہ لینے آئی تھی۔“

وہ پہلا موقع تھا کہ ویرا میرے ساتھ گھر میں تنہا تھی اور اس کے ذہن پر رومان پرورد بڑا شیم کا حملہ نہیں ہوا تھا۔ کسی قسم کی جذباتی گفتگو کرنے کے بجائے وہ لڑکی کے معاملے میں مجھ سے الجھ رہی تھی۔

”تم بلاوجہ لڑکی کی طرف سے بدگمان ہو رہی ہو۔ اصولی طور پر تمہاری بات درست ہے کہ مجھے اس کو اندر نہیں لانا چاہیے تھا۔ احتیاط پر حال میں بہتر ہوتی ہے۔“ میں نے اس ناخوشگوار بحث کو ختم کرنے کے لیے بہت زیادہ نرمی سے کہا ”مجھے اس پر ترس کھانے کی ضرورت نہیں تھی۔“

”میرے سامنے تم ایسی بوکھلاہٹوں اور غلطیوں کا مظاہرہ نہیں کرتے۔ اس لڑکی میں تمہیں ایسی کیا باتیں نظر آئی کہ تم پھل گئے۔“

”پھر وہی لڑکی، لڑکی، لڑکی۔ میں کہہ رہا ہوں کہ اب یہ بحث ختم کرو۔“ میں نے جھٹاکر کہا۔

ویرانے اپنی جگہ چھوڑ دی اور دہرے صوفے پر میرے قریب آکر بیٹھ گئی۔ میں بظاہر ہرجمٹ کی طرف متوجہ تھا۔ لیکن کن آنکھوں سے مجھے نظر آ رہا تھا کہ وہ گسری پر سوچ نظروں سے مسلسل میری طرف دیکھتے جا رہی تھی۔

اپنی جگہ سنبھال لی۔

چند ثانیوں بعد سلطان شاہ سامان کے تھیلوں سے لدا بھندا اندر آگیا۔ غزالہ کے ہاتھ میں بھی چند تھیلے جھول رہے تھے۔ اس نے اندر آنے کے لیے چابی استعمال کی تھی۔

ابتداء میں ویرانے سروے کے لیے آنے والی لڑکی کے بارے میں جو باتیں کہیں، میں نے انہیں سنجیدگی سے لیا تھا اور اپنی کوٹاہی پر دل ہی دل میں ندامت محسوس کر رہا تھا مگر بعد میں ویرانے جس طرح نظریازی اور جسمانی زور آزمائی شروع کی، مجھے یقین ہو گیا کہ اس نے بہانے کے طور پر وہ اعتراضات شروع کیے تھے جن کی کوئی بنیاد نہیں تھی۔

غزالہ اور سلطان شاہ کے سامنے ویرانے وہ ذکر چھیڑا، نہ میں نے کوئی بات نکالی۔ مجھے یوں محسوس ہونے لگا جیسے ایک بے سروپا سی بات اچانک ظہور پذیر ہوئی ہے اور از خود رفع ہو گئی ہو۔ اس کے بارے میں کچھ سوچنا بالکل بے سود تھا۔

ویرانہ اور غزالہ میز پر کھانا لگانے کی تیاریوں میں مصروف تھیں کہ اول خان کا فون آگیا۔

”خیریت ہے۔ زخم کے درد کا کیا حال ہے؟“ میں نے اس کی آواز سنتے ہی مزاج پر سی کی۔

”درد ٹھیک ٹھاک ہے مگر ایک نیا مسئلہ سر ابھار رہا ہے۔“ اس کی آواز پر تشویش تھی۔ وہ عام طور پر ایسے لمبے میں بات نہیں کرتا تھا۔ اس پر میرا چوکنا لڑائی تھا۔

”تمہیں معلوم ہے کہ ایسے پراسرار انداز سے مجھے الجھن ہونے لگتی ہے۔ کھل کر بتاؤ کہ کیا معاملہ ہے۔“

”مجھے شبہ ہے کہ آج دن میں میرا تعاقب کیا گیا ہے میرے اوپر ہونے والا فائر بھی اسی سلسلے کی کڑی تھا۔“

”تم نے تو بتایا تھا کہ فائر کرنے کے بعد نیلی گاڑی تیزی سے آگے نکل گئی تھی۔“ میں نے حیرت سے کہا۔

”اس وقت کار کی تیز رفتاری کی وجہ سے مجھے شبہ ہوا تھا۔ میں عقب نما آئینوں کی موجودگی کے باوجود یہ نہیں دیکھ سکا تھا کہ وہ بے آواز فائر کس گاڑی سے کیا گیا تھا؟“

”رات کے اندھیرے میں فائر کی روشنی بہت کافی ہوتی ہے۔ دن کا اجالا فائر کے شعلے کو نکل لیتا ہے۔“

”تعاقب کا سلسلہ فائر سے پہلے سے جاری ہے، میرا قیاس ہے کہ اس فائر کا مقصد مجھے ہلاک کرنا نہیں تھا۔ گولی پیچھے سے آئی اور باہر نکلے ہوئے بازو کو زخمی کرتی ہوئی آگے نکل گئی۔ ان کا ارادہ مجھے مارنے کا ہوتا تو وہ گاڑی میرے برابر میں لاکر فائر کرتے۔ نشانہ خطا ہوتا تو گولی بازو کی ہڈی توڑ کر اندر تک پھوٹ ہو جاتی۔“

”یہ بالکل سائنس کی باتیں ہیں۔ تمہیں کس قسم کی باتیں

سے کسی نے ان پر غور نہیں کیا۔“

”کون غور کرنا؟“ پھپکی سی ہنسی کے ساتھ اس کی آواز آئی ”میں نے جو کچھ بتایا، تم لوگوں نے اس پر سن و عن یقین کر لیا۔ میری طرف سے ذرا بھی شبہ کا اظہار کیا جاتا تو سب سر جو زکریا کی کھال نکالنے میں مصروف ہو جاتے۔“

”ویرا بہت تجربہ کار بنتی ہے۔ زخم دیکھ کر اسے فائر کی سمت کا اندازہ کر لینا چاہیے تھا۔ تمہیں ساری طبی امداد اسی نے فراہم کی تھی۔ پیچھے سے گولی ونڈ شیلڈ توڑتی ہوئی آئی تو اسے قاتلانہ حملہ سمجھا جاسکتا تھا۔ باہر سے گزرنے والی گولی تو کچھ اور ہی کمائی بنا رہی تھی۔ تم نے صحیح نتیجہ اخذ کیا ہے۔ وہ تمہیں زخمی کیوں کرنا چاہ رہے تھے؟“

”یہ سب میرے اندازے ہیں۔“ اس نے مدافعتیہ لہجے میں جواب دیا ”شاید دیر سے میرا پیچھا کیا جا رہا تھا اور میں شہر کی سڑکیں پتاپتہ پھر رہا تھا۔ انہوں نے مجھے خوفزدہ کرنے کے لیے وہ بے خطا گولی چلا دی جس کا مقصد مجھے معمولی زخم لگانا تھا۔ زخم ٹھکاتے ہی میں قریب ترین ٹھکانے کی طرف ہو گیا۔ وہ یہی چاہتے تھے۔ انہوں نے میرا تعاقب کر کے تمہارا گھر دیکھ لیا۔“

”نہیں۔ یہ نہیں ہو سکتا۔“ میں نے بے اعتباری سے کہا ”زخمی ہونے کے بعد تم آغا خان یا لیاقت نیشنل اسپتال جاسکتے تھے۔ یہ ضروری تو نہیں تھا کہ تم ہمارے یا اپنے گھر جاتے۔“

”ذہنی! میں کہہ رہا ہوں تاکہ یہ میرا نظریہ ہے جو غلط بھی ہو سکتا ہے۔“

”تمہارے ذہن میں اچانک ہی یہ نظریہ کیوں ابھر آیا؟“ میں نے تشویش سے پوچھا۔

”کچھ دیر پہلے دہلی سے ایک خبر ملی ہے۔ وہاں افواہیں ہیں کہ دہلی میں تمہاری اور ویرا کی طوفانی کارروائیوں کا جواب دینے کے لیے بھارت سے بلیک کیٹس کے دو مایہ ناز کمانڈوز پاکستان بھیجے گئے ہیں۔ وہ اطلاع ملنے کے بعد سے میں واقعات کے مختلف پہلوؤں کے بارے میں سوچتا رہا ہوں۔“

”بلیک کیٹس را کا کمانڈو ونگ ہے مگر وہ سب سے الگ رہ کر اپنے انداز میں کام کرتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ را والوں سے ملنے میں انہیں اپنی سلامتی کے لیے خطرہ نظر آیا ہو۔“

”انہوں نے یہاں اپنی کسی نہ کسی اتھارٹی سے تور جو ع کیا ہو گا!“ میں نے پوچھا۔

”ہو سکتا ہے کہ نہ کہا ہو۔ دہلی میں تم کس پاکستانی

سفارت کار سے لئے تھے خاموشی سے وہاں گئے، اپنا کام کیا اور لوٹ آئے۔

میں سوچ میں پڑ گیا۔ مجھے خاموش یا کر اول خان نے ٹوکا تو میں نے کہا ”میں یہ سوچ رہا ہوں کہ دہلی سے آنے والی خبر میں کتنی صداقت ہے۔“

”الفاظ پر احتیاط سے غور کرو ذہنی! یہ نازک ترین معاملہ ہے۔ یہ خبر نہیں افواہ ہے۔“

”ایسی افواہیں بے بنیاد نہیں ہوتیں۔ ان میں کوئی نہ کوئی وزن ضرور ہوتا ہے۔ اگر یہ افواہ درست ہے اور آج تمہارا تعاقب بھی ہوا ہے تو سمجھ لو کہ بلیک سیمٹل نے یہاں آتے ہی اپنا کام شروع کر دیا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ آج کی رات ہمارے گھر پر حملہ ہو جائے۔“

”میں ابھی اسی امکان پر سوچ رہا تھا۔ میں نے تمہیں یہ بتانے کے لیے فون کیا ہے کہ میرا ایک اسٹرائیک پونٹ نم لوگوں کی حفاظت کے لیے نکل چکا ہے۔“

”اٹھ بچے ایک لڑکی سروے کا ہمانہ کر کے ہمارے گھر کا جائزہ لینے آ چکی ہے۔“ میں نے کڑیاں یک جا کرنے کے بعد وہ بات بھی کھول دی۔

اس لڑکی کی آمد اور رواجی کی تفصیلات اول خان کے لیے حیران کن ثابت ہوئیں۔ لڑکی کی اہمیت سامنے آنے کے بعد میں خود یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا کہ ویرا بہت بروقت برہم ہوئی تھی۔ وہ اس لڑکی کی راہ نہ روکتی تو وہ ذرا تنگ روم تک آکر پورے گھر کا جائزہ لے لیتی۔ اسے یہ بھی پتا چلا کہ اس وقت گھر میں میرے اور ویرا کے سوا کوئی شخص موجود نہیں تھا۔

ویرا نے چائے پینے والوں کی تعداد چچاس لکھ کر حیران کر دینے والی ذہانت کا مظاہرہ کیا تھا۔ وہ انتہائی غیر معمولی تعداد سروے کرانے والوں کو یہ باور کرانے کے لیے کافی تھی کہ اہل خانہ نے لڑکی کی اصلیت بھانپ لی تھی اور اسے ہوش ربا انداز میں یاد دہا کر دیا تھا۔

وہ ویرا کا قطعی غیر ارادی فعل تھا۔ جو اس کے غصے کی وجہ سے رونما ہوا تھا۔ لیکن بدلے ہوئے واقعات کی روشنی میں ویرا کی ہر حرکت سو فیصد بیٹھ رہی تھی۔ خرابی بس یہ ہوئی تھی کہ سروے کرنے والی عورت جو کسی نہ کسی کے ایما پر ہمارے گھر آئی تھی، یہ دیکھنے میں کامیاب ہو گئی تھی کہ اس چھت کے نیچے ایک ایسی سفید فام عورت رہ رہی تھی جو کسی اہل زبان کی طرح اردو بولنے پر قادر تھی۔ ہمارے باخبر دشمنوں کے لیے وہ نکتہ ویرا کی موجودگی سے کھلے ثبوت سے کم نہیں تھا۔

”ابھی تک میں صرف حیران تھا۔ اب پریشان بھی ہو گیا۔“

”سوال جواباً“

★ ”ڈاکٹر نے تمہیں مرغن اور پر تکلف کھانے کھانے، شراب اور سگریٹ پینے سے منع کیا تھا۔ اس سے کچھ فائدہ ہوا؟“

○ ہاں... اسی طرح تو اتنے پیسے بچے کہ میں ڈاکٹر کا بل ادا کرنے کے قابل ہو سکا۔

★ ماں اپنی جوان بیٹیوں کے ساتھ میرے لیے جائے تو بھلا کون اعتراض کر سکتا ہے؟

○ جوان بیٹیاں۔

★ شبنم قسم کی قسم کی فلوں میں کام کرتیں تو زیادہ اچھی لگتیں؟

○ خاموش فلوں میں۔

ہوں۔ ”اول خان کی آواز فکر مندی سے پوچھل تھی۔“ میرے اور تمہارے تجربات شہر میں کسی نئی قوت کی موجودگی کی نشان دہی کر رہے ہیں۔ اب یقین ہو رہا ہے کہ دہلی سے آنے والی خبر درست ہے۔“

”تمہارے جانے کے بعد جلال بھی آیا تھا۔ اس نے ایسی کوئی بات نہیں کی۔“ میں نے اسے بتایا۔

”ان کے ذرائع مختلف ہیں۔ یہ اتنی اہم خبر ہے کہ زیادہ دیر تک اس سے پوشیدہ نہیں رہ سکے گی۔“ اول خان نے مجھے یقین دلایا۔

”باہر تمہارا اسٹرائیک پونٹ ضرور موجود ہو گا مگر ہم گھر میں محصور ہو جائیں گے۔ کیوں نہ ہم بھی باہر نکل کر ان کی آمد کا انتظار کریں۔“

”گھر چھوڑ کر تم چاروں کہاں جاؤ گے؟ اس نے بے تابی سے پوچھا۔

”ہماری گاڑی ہمارا ساتھ دے گی۔ اس میں ہتھیار اور میگزین ڈال لیں گے۔“

”یہ فیصلے میں تمہاری صوابدید پر چھوڑتا ہوں۔ جو فیصلہ کرو، مجھے مباہلہ پر اس سے آگاہ ضرور کر دینا۔“

”اس وقت تم کہاں موجود ہو؟“ میں نے پوچھا۔

”میں اضطراب کی حالت میں اپنے دفتر چلا آیا۔ ہنگامی حالات درپیش ہوں تو مجھے یہاں زیادہ سکون ملتا ہے۔“

قریب جملے کا شکار ہوا تھا۔ اس کے پاس بہترین متبادل تھا کہ وہ بھرپور طبی امداد کے لیے اس سڑک پر واقع دو بڑے اسپتالوں میں سے کسی ایک سے رجوع کرنا۔ یوں حملہ آور اپنے مقصد میں ناکام ہو سکتے تھے مگر اول خان نے زخمی ہونے کے بعد متبادل راہ اختیار کرنے کے بجائے وہی کچھ کیا جو اس کے دشمن چاہ رہے تھے اور وہ انہیں اپنے پیچھے لگا کر ہمارے گھر تک لے آیا۔

”یہ اول خان کے وہم ہیں۔ وہ اپنے اوپر ہونے والے فائر کو ضرورت سے زیادہ اہمیت دے رہا ہے۔“ پورا پس منظر سن کر غزالہ نے اپنی رائے دی۔

”میں تم سے متفق ہوں۔“ ویرانے گر جو جی سے اس کی ہم نوا لی کی۔ ”اول خان اس بارے میں بہت زیادہ سوچ رہا ہے۔ منقی باتوں پر زیادہ غور کرنے سے آدمی یا پوسا نہ سوچ کا شکار ہو جاتا ہے۔ میں ان باتوں کو زیادہ اہمیت نہیں دوں گی۔“

”شاید میرا رویہ بھی یہی ہو تا لیکن کچھ دیر پہلے آنے والی پراسرار سرور، اول خان کے خدشات کو تقویت دے رہی ہے۔“ میں نے کہا۔

”وہ کون تھی؟ اس کا کیا چکر ہے۔۔۔ تم دونوں نے ہمیں اس بارے میں کچھ نہیں بتایا۔“ سلطان شاہ بولا۔

”وہ ایک ڈراما تھا۔ ایک فراڈ لڑکی یہاں آئی تھی۔ میں نے اسے دروازے سے ہی بھگا دیا۔“ ویرانے اختصار سے ذکر کر کے بات کو ٹالنا چاہا لیکن کامیاب نہیں ہو سکی۔ ان دونوں کے اصرار پر اس نے وہ واقعہ دہرایا۔۔۔ وہ اتنی سمجھ دار تھی کہ اس نے اپنی ساری تلخ کلامیاں حذف کر دی تھیں۔

”ایسا کبھی نہیں ہوا۔“ غزالہ سوچتے ہوئے بولی۔ ”دونوں الگ الگ واقعات ہیں۔ اول خان کو اس لڑکی کی آمد کا علم نہیں تھا۔ یہ ناممکن خطرے کی نشان دہی کر رہی ہے۔“

”خطرات ہو سکتے ہیں مگر وہ اتنے سنگین نہیں ہوں گے جتنے اول خان کو نظر آ رہے ہیں۔“ ویرا بولی۔

”میری رائے مختلف ہے۔ میں آج کی رات اس گھر سے باہر سر کرنے کو ترجیح دوں گا۔“ میں نے دھیرے سے کہا۔

”اگر دہلی سے نکلنے والی افواہیں درست ہیں تو وہاں سے صرف دو آدمی آئے ہیں۔ وہ کتنی ہی تیز و طرار ہوں، مداری یا جادوگر نہیں ہو سکتے کہ یہاں اپنا پتارا کھولتے ہی ہر طرف اپنی کارگزاریاں دکھائی شروع کر دیں۔ انہیں یہاں بچنے اور اپنے ہاتھ پھیلانے میں کچھ نہ کچھ وقت لگے گا۔“

”اول خان کو خبر آج لی ہے۔ ضروری نہیں کہ وہ آج

”شرمیں کہیں کوئی اور دھماکا تو نہیں ہوا؟“

”ابھی تک ایسی کوئی خبر نہیں آئی۔ اس شہر نے بہت دکھ اٹھائے ہیں۔ میری دلی دعا ہے کہ اب یہاں اور خون نہ بہے۔ یہاں رہنے والے خون اور لاشوں سے عاجز آ چکے ہیں؟“

”ہر درد مند پاکستانی کی دعا یہی ہو گی مگر تم جانتے ہو کہ انسانوں کی ساری دعائیں باریاب نہیں ہوتیں۔“

”کیا یہ محض اتفاق ہے کہ آج کی رات دہرے خطرے منہ کھولے کھڑے ہیں۔ رائے دو آدمی شہر میں ملک بم لپے گھوم رہے ہیں اور بلیک کیٹس تمہاری گھات میں آنے والے ہیں۔“

”یہ منصوبہ بندی نہیں، سراسر اتفاق ہے۔ میں سروے کے لیے آنے والی لڑکی کو گھر میں نہ لے جاتا تو شاید یہ بات اتنی آگے نہ بڑھتی۔ سروے فارم پر ویرا کے لکھے ہوئے جوابات کو وہ غیبیت اپنے لیے چیچک تصور کر سکتے ہیں۔ اس کے بعد ان کا کرنا مشکل ہو جائے گا۔“

”وہ لڑکی اور اسے لانے والی گاڑی بھی مشتبہ ہے۔ ان کی تلاش شروع ہو جانی چاہیے۔“

”لڑکی کو بھول جاؤ۔ وہ مظلوم اور حالات کی ستائی ہوئی معلوم ہو رہی تھی۔ نوکری کرنے والوں کو بسا اوقات سرے سے علم ہی نہیں ہو پاتا کہ ان کا آجر ان سے کیا کام لے رہا ہے۔ گاڑی کو میں نے دور سے دیکھا تھا۔ شہر میں سرخ رنگ کی سیکڑوں سوزی پک اپس موجود ہوں گی۔ تم کس کس کو دیکھو گے۔“

”جب سے میرے ذہن میں یہ نظریہ رائج ہوا ہے، مجھے اپنے پیچھے آنے والی ہر گاڑی پر شبہ ہو رہا ہے کہ کہیں وہ میرا پیچھا نہ کر رہی ہو۔“

”احتیاط بہت اچھی چیز ہے لیکن اس وہم کو ذہن سے نکال دو۔“ میں نے نرم الفاظ میں اسے مشورہ دیا ورنہ میں حقیقت میں کچھ اور ہی سوچ رہا تھا۔ اول خان شاید اپنی زندگی میں پہلی بار اس قسم کے کسی گم نامہ حملے کی زد میں آیا تھا جس کے نتیجے میں اس کی خود اعتمادی مجروح ہوئی تھی۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ کسی بھی درجے کے مجرم اسے یوں راہ چلتے اپنی گولی کا نشانہ بنائیں گے اور فرار ہونے میں کامیاب ہو جائیں گے۔

اسے دو سزاؤں کا سامنا تھا۔ پہلی اپنی سوچ سے ہٹنا تھا۔ وہ کسی بھی بات کے بارے میں یقین نہیں تھا لیکن یہ نکتہ اس کے دماغ میں بیٹھ گیا تھا کہ نامعلوم حملہ آور اسے زخمی کر کے اس کے کسی ٹھکانے کی طرف ہانکنا چاہتے تھے تاکہ اس کا پیچھا کر کے اس ٹھکانے کا سراغ لگا سکیں۔ وہ آغا خان اسپتال کے

ہی آئے ہوں۔“ میں نے اپنی بات آگے بڑھائی ”ہماری بے خبری میں وہ نہ جانے کب سے یہاں آئے بیٹھے ہیں اور خاموشی سے اپنا کام کر رہے ہیں۔ افواہیں فوری طور پر جنم نہیں لیتیں۔ اس میں وقت لگتا ہے۔“

”ذہنی! حقیقت پسندی سے کام لو۔ وہ یہاں اجنبی ہیں۔ رازداری کی وجہ سے اپنے ساتھیوں اور سفارتی انصروں سے الگ تھلک رہ کر کام کر رہے ہیں۔ اتنی تیزی کیسے دکھا سکتے ہیں۔“ ویرا نے تاحانہ لہجے میں کہا ”انہوں نے اول خان کو زخمی کر کے اس کا چچھا کیا پھر تھوڑی دیر بعد کرائے کی ایک لڑکی کو یہاں بھیج دیا۔ انہیں سرخ پک اپ والے کو بھی خریدنا ہوا ہو گا۔ اجنبی باشندے ایک حرف ملک میں پھونک پھونک کر قدم اٹھاتے ہیں۔ اتنی سرعت سے پیش قدمی نہیں کرتے۔“

”تم بھول رہی ہو کہ وہ تک ٹام یا بن ڈیوڈ نہیں ہیں۔ بھارتی شہری ہیں۔ ہمارے اور ان کے خدوخال مشترک ہیں۔ وہ مقامی پسناؤ اختیار کر لیں تو انہیں شناخت کرنا مشکل ہو گا۔ امریکیوں کے برعکس وہ باہر نکل کر اپنا کام کر سکتے ہیں۔ کوئی ان پر شبہ نہیں کرے گا۔ اپنے مقاصد کے حصول کے لیے وہ دل بھول کر پیسہ خرچ کر رہے ہوں گے۔ سوزی والے کو کیا علم ہو گا کہ وہ لڑکی کو لے کر کیا کرنے جا رہا تھا۔ معقول کرایہ ملنے کی امید پر وہ ان کا آلہ کار بن گیا۔ اسی طرح وہ لڑکی تھی۔ اسے اپنے ہزار دو ہزار روپے کی فکر تھی۔ اسے کیا پڑی تھی کہ وہ سروے کے مقاصد پر غور کرتی۔ یہ آج کل کا رواج ہے کہ بہت سے ادارے بڑے لکھے لڑکوں لڑکیوں کے ذریعے براہ راست صارفین سے رابطے کو ترجیح دیتے ہیں۔ زیادہ مشاہرے پر عارضی نوکریاں دیتے ہیں، ہدف پورا ہونے پر چھٹی کر دیتے ہیں۔ اس آڑ میں کسی کے لیے اپنے مذموم مقاصد حاصل کرنا اتنا مشکل نہیں ہوتا۔“ اس بار میں نے اپنا نکتہ نظر ذرا تفصیل سے بیان کر دیا۔

”یہ سب سے اہم بات ہے کہ وہ امریکیوں کی طرح مختلف ہیں اور نہ ہماری زبان سے نابلد ہیں۔ یہ دونوں باتیں ان کے حق میں جاتی ہیں۔“ سلطان شاہ نے اقرار کیا۔

”نل گئے پھر تم ذہنی سے!“ ویرا نے اس پر آنکھیں نکالیں۔

”یہ محاذ آرائی کی بات نہیں ہے۔“ میں نے اسے ٹوکا ”ہمیں مل جل کر کسی نیچے پر پہنچنا ہے۔“

”دیکھو۔ تم اس لڑکی کے قریب میں آگئے تھے۔ اسے میں نے ڈانٹ پھنکار کر صفا دیا تھا۔ میں تمہاری پاں میں ہاں ملا کر سارا کریڈیٹ خود لے سکتی ہوں مگر میری عقل یہ بات سامنے سے قاصر ہے کہ وہ دیر بھارتی سوال آکر فنانس ہو

تو دو چار روز میں اتنے ہاتھ پھیلا سکتے ہیں۔“

”پھر بھی ہمیں رسک نہیں لینا چاہیے۔“ میں نے اصرار کیا۔ بحث کو طول دینے کے بجائے میں کسی فیصلے پر پہنچنا چاہ رہا تھا۔

”میں یہ ہرگز پسند نہیں کروں گی کہ ایک دور از کار امکان سے خوف زدہ ہو کر ہم اپنی ساری رات گاڑی میں اوٹھ کر بسر کر دیں۔ اور پھر ہمارے جسموں کو مٹھنہ ڈنٹے رہیں۔“ اس نے ہاتھ اٹھا کر آخری رائے سنا دی۔ ”اگر ان کو اتنا ہے تو ضروری نہیں کہ وہ آج ہی ادھر کارخ کر لیں۔ وہ اپنا پروگرام مکمل پر سوں یا چند روز کے لیے ملتوی کر سکتے ہیں۔ کیا ہم ان کے آنے تک اپنی راتیں یوں ہی گاڑی میں بیٹھ کر کالی کرتے رہیں گے۔“

میں نے پورے قہقہے سے اسے اپنی بات پوری کرنے کا موقع دیا۔ جب وہ فاتحانہ انداز میں بات مکمل کر کے خاموش ہوئی تو میں نے رسائی سے کہا ”میں ان سے خوف زدہ نہیں ہوں۔ تم نے شاید میری اور اول خان کی گفتگو پر دھیان نہیں دیا۔ کسی متوقع محاذ آرائی کا مقابلہ کرنے کے لیے اس کا ایک اسرائیلیک یونٹ ہمارے گھر کی طرف روانہ ہو چکا ہے۔ باہر ایک مرتبہ تصادم شروع ہو گیا تو ہم گھر میں محصور ہو کر رہ جائیں گے باہر نکل کر مقابلے میں شریک نہیں ہو سکیں گے۔ اگر وہ آتے ہیں تو میں انہیں اپنے ہاتھوں سے فنا کرنا چاہوں گا۔“

”بہتر یہی ہے کہ ہم خاموش تماشائی بنے رہنے کے بجائے خود بڑھ کر مقابلہ کریں۔“ سلطان شاہ نے میری تائید کی۔

”تم تینوں کے گٹھ جوڑ کے سامنے میں بے بس ہوں۔ جو چاہو کرتے رہو۔“ ویرا نے ہتھیار ڈال دیے۔

ویرا کی اکثر حرکتیں اشتعال آور ہوتی ہیں۔ دوسروں کے ساتھ وہ ہمیشہ بہت مذہب اور شائستہ بیڑا لیے میں بات کرتی تھی، یوں معلوم ہوتا تھا جیسے اس کے منہ سے پھول جھڑ رہے ہوں لیکن جب ہم چاروں آپس میں مل کر بیٹھے تھے تو اس کا لب و لہجہ بالکل مختلف اور ناقدانہ ہوتا جاتا تھا۔ اس نے میری تجویز کی کھل کر مخالفت کی تھی لیکن آخر میں اس نے جن الفاظ اور جس انداز میں پسائی اختیار کی تھی وہ ترمیم انگیز تھے۔ مجھے خوا خواہ اس پر ترس آنے لگا۔

”یہ بات صحیح ہے کہ ہم گاڑی میں راتیں گزار کر غیر معینہ مدت تک ان کا انتظار نہیں کر سکتے۔“ چند لمحوں کی خاموشی کے بعد میں نے زبان کھولی تو اپنے موقف کی تائید سن کر ویرا کا چہرہ کھل اٹھا۔

”مجھے معلوم تھا کہ تم اس لمحہ مجھے غصہ دلانے کی کوشش

کر رہے ہو۔“ ویرا نے شوخ آنکھیں میرے چہرے پر گاڑ کر کہا اور میں نے بوٹھا کر نظریں دوسری طرف پھیر لیں۔ اس وقت ویرا کی نگاہوں میں تجلی والے موڈ کا تسلسل نظر آ رہا تھا جو غزالہ آسانی سے بڑھ سکتی تھی۔

”ہم گھر میں رہ کر ان کی آمد کا انتظار کریں گے۔“ میں نے دانستہ سلطان شاہ کی طرف متوجہ ہو کر کہا ”وہ اناڑی نہیں ہیں کہ کسی خطرے کی پروا کیے بغیر ہمارے گھر پر اندھا دھند چڑھائی کر دیں۔ وہ آنے سے پہلے یہاں کے گرد و پیش کا جائزہ لیں گے تو انہیں مطلع ابراؤد نظر آئے گا۔ اسٹرائیک یونٹ والے کسی ہی احتیاط کر لیں، ان کی موجودگی محسوس کر لی جائے گی۔“

”ایسی صورت میں وہ بھول کر بھی ادھر کا رخ نہیں کریں گے۔“ میرا فقرہ مکمل ہوتے ہی ویرا بول پڑی۔

”میں یہی کہنا چاہ رہا تھا۔ کسی پھندے میں پھسنے کے بجائے وہ انتظار کو ترجیح دیں گے۔“

”مجھے ایک بات بتاؤ۔“ ویرا نے میری بات کاٹ کر کہا۔ ”وہ یہاں کیوں آئیں گے؟ انہوں نے صرف یہ گھر دیکھا ہے۔ انہیں کیا معلوم کہ یہاں کون رہتا ہے۔ زخمی ہونے کے بعد اول خان کسی بیت الخلا کا رخ کرنا تو کیا وہ اسی پر ٹوٹ پڑتے؟“

”یہاں رہنے والوں کی جانچ پڑتال کے لیے انہوں نے ایک لڑکی کو سرور بنا کر بھیجا تھا۔“ غزالہ نے اسے یاد دلایا۔

”وہ لڑکی کوئی تیرہ مارے بغیر لوٹ گئی۔ ہم اس کی وجہ سے کیوں پریشان ہو رہے ہیں۔“ ویرا نے اسی سے پوچھا۔

”وہ تمہیں دیکھ کر گئی ہے۔ پاکستان میں اس وقت روانی سے اردو بولنے والی ایک ہی امریکی عورت موجود ہے اور وہ تم ہو، سرور لڑکی نے پچھ اور کیا ہو یا نہ کیا ہو، تیر ضرور مارا ہے۔

بلکہ کمیشن اسی ایک بات سے یہ سمجھ لیں گے کہ اس گھر میں تم رہتی ہو۔ تم یہاں ہو تو ڈینی بھی یہاں ہو گا۔ وہ اس گھر کو اہمیت دینے پر مجبور ہو جائیں گے۔“ سلطان شاہ نے کہا۔ وہ نکتہ میرے ذہن میں بھی چکر ا رہا تھا۔

”میری عقل زیادہ کام کر رہی ہے یا پھر تمہیں کی عقلیں چوٹ ہو گئی ہیں۔ اس لڑکی کو تم نے نہیں دیکھا۔ میں نے اور ڈینی نے اسے دیکھا تھا۔ وہ اتنی ذہین ہوتی کہ صورت دیکھ کر کسی کی قومیت کا اندازہ لگا سکے تو کسی ڈھنگ کی جگہ نوکری کر رہی ہوتی، یوں ماری ماری نہ پھرتی۔ میرے چہرے پر کہیں یہ نہیں لکھا ہوا کہ میں امریکی ہوں۔“

”تو پھر تم کیا ہو؟“ سلطان شاہ اس سے اڑ گیا۔

”نہیں شلوار پین کر اردو بولنے والی ہر سفید فام عورت امریکی نہیں ہوتی۔ تمہارے ملک کے شاہی علاقوں میں

سرخ و سفید، گورے چنے اور دراز قامت لوگ کثرت سے پائے جاتے ہیں۔ میں نے وہاں چادروں میں لپٹی ہوئی، نیلی آنکھوں والی ایسی ایسی حسین عورتیں دیکھی ہیں، جو مجھ سے بڑھ کر خوب صورت ہیں۔“

”ذرا پلینڈ؟“ سلطان شاہ نے بے صبری سے اس کی بات کاٹ دی ”ذرا اپنی غلط فہمی کی تصحیح کر لو۔ میں نے تمہیں حسین ہرگز قرار نہیں دیا۔ تمہارے رنگ روغن کی وجہ سے تمہیں امریکی کہہ رہا تھا۔“

ویرا اسے قہر باری نظروں سے گھور کر رہ گئی اور کسی نئی بحث میں پڑے بغیر قدرے تیزی سے بولی ”میں بھی صرف یہ بتانا چاہ رہی ہوں کہ وہ سرور کوئی عادلہ فائدہ نہیں تھی۔ مجھ سے بات کر کے مجھے پٹھانی عورت سمجھی ہو گی۔ تم لوگ بلا وجہ اپنی داڑھی کا ٹکڑا ٹوٹ رہے ہو۔“

”ہر مرد اور عورت کو اپنے بارے میں خوش فہم رہنے کا حق حاصل ہے لیکن یہ خوش فہمی معقول حدود میں رہنی ضروری ہے۔“ سلطان شاہ نہایت سنجیدگی سے کہہ رہا تھا ”تم حسن کا کوئی معیار نہیں ہو۔ ہمارے ملک کے بہت سے حصوں میں ایسی ایسی حسین عورتیں پائی جاتی ہیں جو۔۔۔“

”بس! میں نے بات کاٹ کر سختی سے اسے خاموش کر دیا۔“ اس وقت ہم ایک سنجیدہ موضوع میں الجھے ہوئے ہیں۔ یہ وقت فضول باتوں کا نہیں ہے۔“

سلطان شاہ نے شرارت بھری نظروں سے ویرا کی طرف دیکھا اور اپنے کان کی لوسہلاتے ہوئے سر جھکا لیا۔

”اگر ان بلیک کمیشن میں ذرا سی بھی عقل ہے تو وہ کسی سنی سنائی بات پر آنکھیں بند کر کے یقین نہیں کریں گے۔“

ویرا نے اپنی بات جاری رکھی ”اگر میری قومیت کے بارے میں کوئی مشتبہ بات ان کے سامنے آئی تو وہ خود اس کی چھان بین کریں گے۔ اس کے بعد کوئی قدم اٹھائیں گے۔“

باہمی تبادلہ خیال میں گرہیں کھل رہی تھیں، ابہام دور ہو رہے تھے اور حالات کی سنگینی میں نمایاں کمی کا احساس ہونے لگا تھا۔

یہ بات واضح ہو گئی تھی کہ سروے کرنے والی لڑکی ہمارے گھر میں کسی خاص بات کی تصدیق کرنے نہیں آئی تھی۔ اول خان کے تعاقب کے نتیجے میں اگر ہمارا گھر ان کی نظروں میں آ گیا تھا تو انہوں نے اس لڑکی کو شخص عمومی جانچ پڑتال کے لیے بھیجا ہو گا۔ کپیوٹر پر ذرا سی دیر میں کچھ فرضی سروے فارم تیار کرنا مشکل کام نہیں تھا۔ اپنے مطلب کے فارم تیار کر کے انہوں نے معقول معاوضے پر لڑکی کی خدمات حاصل کیں اور اسے ہماری طرف بھیج دیا۔

وہ جس چھان بین کا ارادہ لے کر آئی تھی اس پر ویرا

سرخ و سفید، گورے چنے اور دراز قامت لوگ کثرت سے پائے جاتے ہیں۔ میں نے وہاں چادروں میں لپٹی ہوئی، نیلی آنکھوں والی ایسی ایسی حسین عورتیں دیکھی ہیں، جو مجھ سے بڑھ کر خوب صورت ہیں۔“

”ذرا پلینڈ؟“ سلطان شاہ نے بے صبری سے اس کی بات کاٹ دی ”ذرا اپنی غلط فہمی کی تصحیح کر لو۔ میں نے تمہیں حسین ہرگز قرار نہیں دیا۔ تمہارے رنگ روغن کی وجہ سے تمہیں امریکی کہہ رہا تھا۔“

ویرا اسے قہر باری نظروں سے گھور کر رہ گئی اور کسی نئی بحث میں پڑے بغیر قدرے تیزی سے بولی ”میں بھی صرف یہ بتانا چاہ رہی ہوں کہ وہ سرور کوئی عادلہ فائدہ نہیں تھی۔ مجھ سے بات کر کے مجھے پٹھانی عورت سمجھی ہو گی۔ تم لوگ بلا وجہ اپنی داڑھی کا ٹکڑا ٹوٹ رہے ہو۔“

”ہر مرد اور عورت کو اپنے بارے میں خوش فہم رہنے کا حق حاصل ہے لیکن یہ خوش فہمی معقول حدود میں رہنی ضروری ہے۔“ سلطان شاہ نہایت سنجیدگی سے کہہ رہا تھا ”تم حسن کا کوئی معیار نہیں ہو۔ ہمارے ملک کے بہت سے حصوں میں ایسی ایسی حسین عورتیں پائی جاتی ہیں جو۔۔۔“

”بس! میں نے بات کاٹ کر سختی سے اسے خاموش کر دیا۔“ اس وقت ہم ایک سنجیدہ موضوع میں الجھے ہوئے ہیں۔ یہ وقت فضول باتوں کا نہیں ہے۔“

سلطان شاہ نے شرارت بھری نظروں سے ویرا کی طرف دیکھا اور اپنے کان کی لوسہلاتے ہوئے سر جھکا لیا۔

”اگر ان بلیک کمیشن میں ذرا سی بھی عقل ہے تو وہ کسی سنی سنائی بات پر آنکھیں بند کر کے یقین نہیں کریں گے۔“

ویرا نے اپنی بات جاری رکھی ”اگر میری قومیت کے بارے میں کوئی مشتبہ بات ان کے سامنے آئی تو وہ خود اس کی چھان بین کریں گے۔ اس کے بعد کوئی قدم اٹھائیں گے۔“

باہمی تبادلہ خیال میں گرہیں کھل رہی تھیں، ابہام دور ہو رہے تھے اور حالات کی سنگینی میں نمایاں کمی کا احساس ہونے لگا تھا۔

یہ بات واضح ہو گئی تھی کہ سروے کرنے والی لڑکی ہمارے گھر میں کسی خاص بات کی تصدیق کرنے نہیں آئی تھی۔ اول خان کے تعاقب کے نتیجے میں اگر ہمارا گھر ان کی نظروں میں آ گیا تھا تو انہوں نے اس لڑکی کو شخص عمومی جانچ پڑتال کے لیے بھیجا ہو گا۔ کپیوٹر پر ذرا سی دیر میں کچھ فرضی سروے فارم تیار کرنا مشکل کام نہیں تھا۔ اپنے مطلب کے فارم تیار کر کے انہوں نے معقول معاوضے پر لڑکی کی خدمات حاصل کیں اور اسے ہماری طرف بھیج دیا۔

وہ جس چھان بین کا ارادہ لے کر آئی تھی اس پر ویرا

سرخ و سفید، گورے چنے اور دراز قامت لوگ کثرت سے پائے جاتے ہیں۔ میں نے وہاں چادروں میں لپٹی ہوئی، نیلی آنکھوں والی ایسی ایسی حسین عورتیں دیکھی ہیں، جو مجھ سے بڑھ کر خوب صورت ہیں۔“

”ذرا پلینڈ؟“ سلطان شاہ نے بے صبری سے اس کی بات کاٹ دی ”ذرا اپنی غلط فہمی کی تصحیح کر لو۔ میں نے تمہیں حسین ہرگز قرار نہیں دیا۔ تمہارے رنگ روغن کی وجہ سے تمہیں امریکی کہہ رہا تھا۔“

ویرا اسے قہر باری نظروں سے گھور کر رہ گئی اور کسی نئی بحث میں پڑے بغیر قدرے تیزی سے بولی ”میں بھی صرف یہ بتانا چاہ رہی ہوں کہ وہ سرور کوئی عادلہ فائدہ نہیں تھی۔ مجھ سے بات کر کے مجھے پٹھانی عورت سمجھی ہو گی۔ تم لوگ بلا وجہ اپنی داڑھی کا ٹکڑا ٹوٹ رہے ہو۔“

”ہر مرد اور عورت کو اپنے بارے میں خوش فہم رہنے کا حق حاصل ہے لیکن یہ خوش فہمی معقول حدود میں رہنی ضروری ہے۔“ سلطان شاہ نہایت سنجیدگی سے کہہ رہا تھا ”تم حسن کا کوئی معیار نہیں ہو۔ ہمارے ملک کے بہت سے حصوں میں ایسی ایسی حسین عورتیں پائی جاتی ہیں جو۔۔۔“

”بس! میں نے بات کاٹ کر سختی سے اسے خاموش کر دیا۔“ اس وقت ہم ایک سنجیدہ موضوع میں الجھے ہوئے ہیں۔ یہ وقت فضول باتوں کا نہیں ہے۔“

سلطان شاہ نے شرارت بھری نظروں سے ویرا کی طرف دیکھا اور اپنے کان کی لوسہلاتے ہوئے سر جھکا لیا۔

”اگر ان بلیک کمیشن میں ذرا سی بھی عقل ہے تو وہ کسی سنی سنائی بات پر آنکھیں بند کر کے یقین نہیں کریں گے۔“

ویرا نے اپنی بات جاری رکھی ”اگر میری قومیت کے بارے میں کوئی مشتبہ بات ان کے سامنے آئی تو وہ خود اس کی چھان بین کریں گے۔ اس کے بعد کوئی قدم اٹھائیں گے۔“

باہمی تبادلہ خیال میں گرہیں کھل رہی تھیں، ابہام دور ہو رہے تھے اور حالات کی سنگینی میں نمایاں کمی کا احساس ہونے لگا تھا۔

یہ بات واضح ہو گئی تھی کہ سروے کرنے والی لڑکی ہمارے گھر میں کسی خاص بات کی تصدیق کرنے نہیں آئی تھی۔ اول خان کے تعاقب کے نتیجے میں اگر ہمارا گھر ان کی نظروں میں آ گیا تھا تو انہوں نے اس لڑکی کو شخص عمومی جانچ پڑتال کے لیے بھیجا ہو گا۔ کپیوٹر پر ذرا سی دیر میں کچھ فرضی سروے فارم تیار کرنا مشکل کام نہیں تھا۔ اپنے مطلب کے فارم تیار کر کے انہوں نے معقول معاوضے پر لڑکی کی خدمات حاصل کیں اور اسے ہماری طرف بھیج دیا۔

وہ جس چھان بین کا ارادہ لے کر آئی تھی اس پر ویرا

نے پانی پھیر دیا۔

”ہم دونوں زیادہ دیر کے لیے باہر نہیں رہے تھے پھر وہ لڑکی کب آئی تھی؟“ غزالہ نے ابھن آئینے کے لیے پوچھا۔ میں محسوس کر رہا تھا کہ وہ بار بار ویرا کی کھینچی اور شوخ نظروں کا جائزہ لے رہی تھی اور اس کی طرف سے کچھ بے آرامی سی ہو رہی تھی۔

”وہ آٹھ بجے کے قریب آئی ہوگی۔ میں نے چند منٹ میں اسے چلتا کر دیا۔“ ویرا نے بتایا۔

”اس وقت جلال بھی یہاں موجود رہا ہوگا؟“ غزالہ نے تصدیق چاہی۔

”وہ جا چکا تھا۔ اس وقت گھر میں صرف ہم دونوں رہ گئے تھے۔“

”ہوں۔۔۔ اوں!“ غزالہ نے سر ہلا کر معنی خیز نظروں سے میری طرف دیکھا پھر دوبارہ ویرا کی طرف متوجہ ہو گئی ”میں یہ سوچ کر باز آ رہی تھی کہ وہ کچھ دیر کے لیے تم دونوں کا ساتھ دے گا مگر وہ جلدی چلا گیا۔ وہ آیا تو دیر تک بیٹھنے کے موڈ میں نظر آ رہا تھا۔“

ویرا کو پہلی بار اندازہ ہوا کہ غزالہ کے ذہن میں کچھ شکوک و شبہات کلبلا رہے تھے۔ اس نے جواب دیا ”وہ غلبت میں تھا۔ ہم نے کھانے کے لیے روکنا چاہا مگر وہ نہیں رکا۔ ایمر ففتی لینے کے لیے آیا تھا وہ لیا، کچھ دیر تک ادھر ادھر کی باتیں کیں اور چلا گیا۔“

”کمال ہے۔ ذرا سی دیر میں وہ چلا گیا، لڑکی آئی اور وہ بھی چلی گئی۔ ہم زیادہ سے زیادہ آدھے گھنٹے باہر رہے ہوں گے!“ اس نے سلطان شاہ سے تصدیق چاہی۔

ایسے مواقع پر سلطان شاہ شہیندہ سے نہیں چوکتا تھا۔

اس نے سر ہلا کر پورے خلوص سے غزالہ کی تائید کر ڈالی ”ہمیں تیس پینتیس منٹ سے زیادہ نہیں لگے ہوں گے۔“

جلال چلا گیا تھا۔ یہ دونوں گھر میں اکیلے رہ گئے تھے۔ سر جوڑ کر دنیا کی بے ثباتی پر غور کر رہے ہوں گے کہ لڑکی نے اگر رنگ میں جھگڑا لیا۔ ویرا کا غصہ فطری تھا۔ غیبت ہے کہ اس نے مداخلت بے جا کے الزام میں اس کے سر پر جوتے نہیں لگائے اور اسے شخص دھکار کر گھر سے بھگا دیا۔

”کھل کر کہو کہ تم کیا بنا چاہ رہے ہو!“ ویرا اس پر آنکھیں نکال کر غرائی۔

”ایک پیام میں دو تلواریں نہیں رہ سکتیں۔ جلال کے جانے کے بعد تم گھر میں تھیں، لڑکی کو جانا ہی تھا۔“ اس بار سلطان شاہ متطا ہو گیا۔

”اور ابھی ڈینی کے بارے میں تم کیا کہہ رہے تھے۔“

”میں کیا کہوں گا۔ تم نے خود بتایا تھا کہ لڑکی جلال کے

جانے کے بعد آئی تھی۔“

”غلط فہمیاں پیدا نہ کرو۔ ڈینی بھانک پر جلال کو الوداع کہہ رہا تھا تو وہ لڑکی آئی۔ ڈینی اسے اندر لے آیا۔ میں نے اسے بھگا دیا اور قصہ ختم۔“

”اوہ۔۔۔ اب سمجھا پھر تو لڑکی کو بھگانے کے وقت سے تم دونوں ایک دوسرے سے خاصی دیر تک بور ہوتے رہے ہو گے!“ اس نے معصومیت سے پوچھا۔

”میں تمہارا سر بھاڑ دوں گی۔ چپا کر باتیں کر رہے ہو اور غزالہ کے چہرے کا رنگ تبدیل ہو رہا ہے۔ تم بلا وجہ کیوں دلوں میں شکوک و شبہات پیدا کر رہے ہو!“

”میں شکوک و شبہات پیدا کر رہا ہوں!“ اس نے حیرت سے کہا ”مجھے تو تم دونوں کی تنہائی اور بوریت پر رحم آ رہا ہے۔“

”میری آنکھوں میں دھول جھونکنے کی کوشش نہ کرو۔ تم غزالہ کو کوئی ذمہ معنی بات باور کرانا چاہ رہے ہو۔“

”توبہ توبہ، میری توبہ!“ سلطان شاہ نے دونوں کان تھام کر ہوئے بولا ”میری یہ مجال کہ میں ایسی کوئی حرکت کروں۔ اگر تم خود ہی اپنی داڑھی میں کوئی تنکا تلاش کرنے کی کوشش کر رہی ہو تو اس میں میرا کیا قصور ہے۔“

ویرا نے اپنی جگہ چھوڑنے کی کوشش کی تھی لیکن سلطان شاہ اس کا ارادہ تاؤ کر بلا تاخیر ڈرائنگ روم سے نکل گیا۔

”وہ بہت معصوم اور سادہ لوح ہے۔“ غزالہ نے ویرا سے کہا ”تم بلا وجہ اس کے پیچھے بڑی رہتی ہو۔“

”تم نے سنا نہیں کہ وہ کیسی ذہریلی باتیں کر رہا تھا۔ تم اسے معصوم کہہ رہی ہو۔“

”اس کی باتیں تمہیں بری لگتی ہیں۔ مجھے ان باتوں پر پیار آتا ہے۔“

”یہ بات تم کہہ سکتی ہو کیونکہ اس نے تمہیں اپنی منہ بولی بہن بنایا ہوا ہے۔ میں اتنی بد ذوق نہیں ہوں کہ اس کے لیے ایسے الفاظ استعمال کر سکوں۔“

”مجھے تو پاکستان کے شمالی علاقوں میں رہنے والوں کی تعریف کر رہی تھیں۔ وہ ان ہی اطراف کا رہنے والا ہے۔“

”انچوں انگلیاں یکساں نہیں ہوتیں۔ ان میں برے بھلے لوگ بھی ہیں۔“ ویرا نے بیزار سی سے کہا اور اٹھ گئی۔

”آئیے! ہم بھی کچھ دیر کے لیے اپنے کمرے میں سستا لیں۔“ غزالہ نے میرا ہاتھ تھام کر کہا اور میں نے اپنی جگہ چھوڑ دی۔

اس وقت میں نے اس کی آنکھوں میں اس کے دل کی

تحریک پڑھ لی تھی۔ وہ بہت ذہین لڑکی تھی۔ اس نے مجھ سے کوئی شکوہ نہیں کیا تھا لیکن اس کے دل میں شک کا بیج نمونپا چکا تھا۔ وہ خواب گاہ کی خلوت میں میرے قریب ہو کر یہ یقین کر لینا چاہتی تھی کہ میرے بدن میں کسی اور کے وجود کی محک تو نہیں رہی ہوئی تھی۔

خواب گاہ کا دروازہ بند کر کے غزالہ نے اندر سے بولٹ کیا اور والمانہ انداز میں میرے سینے سے آگئی۔ وہ نہایت چاہت بھرے انداز میں اپنا چہرہ میرے سینے سے اور شانوں سے رگڑ رہی تھی۔ اس کے غصے کی بڑھی ہوئی اور ناہموار رفتار چٹکی کھارہی تھی کہ اس کے سانس کسی اجنبی خوشبو کی تلاش میں تھے۔



اگلے دن جلال سرسری انداز میں وہی خبر لے آیا۔ اس نے بھی دہلی میں پھیلی ہوئی افواہ کے حوالے سے وہ خبر سنائی تھی۔

جلال نے اس خبر یا افواہ کو زیادہ اہمیت نہیں دی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ دہلی میں را کے رسوائے زمانہ افسروں کی خوں ریزی کے نتیجے میں را کے عملے میں جو بد دلی اور مایوسی پیدا ہوئی تھی، اس کا ازالہ کرنے کے لیے را کے بڑوں نے جان کر وہ افواہ اڑائی تھی تاکہ ان کے پست حوصلوں کو سارا مل سکے۔

میں نے اسے یہ بتانے کی ضرورت نہیں سمجھی کہ پچھلی رات ہمارے لیے وہ افواہ یکایک کس قدر گرامر موزون سخن بن گئی تھی۔ رات خیریت سے گزر جانے کے بعد میرے ذہن میں اس لڑکی کی اہمیت بھی ماند پڑ گئی تھی جو چائے نوشی کے سروے کے بہانے ہمارے گھر آئی تھی۔ میں نے جلال سے اس کا ذکر کرنا بھی مناسب نہیں سمجھا۔ اسی کے انداز میں اسے اتنا ضرور بتایا کہ دہلی میں اڑی ہوئی افواہ پچھلی رات ہی اول خان کے کانوں تک پہنچ چکی تھی۔

”میرے لیے سب سے زیادہ خوشی کی بات یہ ہے کہ کل فریاد رک کے دھماکے کے بعد پورے شہر سے کہیں پناہ پھنے کی جی خبر نہیں آئی۔ ہر طرف سکون رہا۔“ اس نے اطلاع دی۔

”شہر میں کیے گئے غیر معمولی حفاظتی انتظامات نے ان کے حوصلے پست کر دیے ہوں گے۔“ ویرانے اپنی رائے ظاہر کی۔

”حفاظتی انتظامات سے زیادہ حوصلہ شکن نمبروں اور قہری کا انجام تھا۔ ایسے عبرت اثر مناظر انسان کو زندگی بھر بھلائے نہیں بھولتے۔“ میں نے کہا۔

”سب کچھ بھی رہا ہو، مجھے خوشی ہے کہ وہ اپنی حرکتوں

سے باز رہے۔“

”ان کی خاموشی پر بن کا پارا بہت چڑھا ہوا ہوگا۔“ میں نے معقول ہوتے ہوئے خیال ظاہر کیا۔

”وہ خونی بھیڑنا ہے، غصے سے پاگل ہو رہا ہوگا۔ مجھے حیرت ہے کہ کل سے ایم فٹنی خاموش ہے۔ اسے ان دونوں کو کھن طعن تو کرنی چاہیے تھی۔“

”چاہو تو تم رابطہ کر کے اسے چڑا دو کہ را والوں نے اس کا نام ڈبوا ہے۔“ ویرانہ نے بولی۔

”سوئے ہوئے آدم خور کا سوتے رہنا ہی ٹھیک ہے۔ ہماری طرف سے کوئی چیخڑ چھاڑ نہیں ہونی چاہیے۔“ جلال جلدی سے بول پڑا۔

”اس وقت تم ادھر کھلے کھلے کل شام تو تم ہوا کے گھوڑے پر سوار تھے۔“ غزالہ نے اس سے پوچھ لیا۔ اس کے جلد والپس چلے جانے کا واقعہ اس کے ذہن پر سوار تھا۔ جلال رو برو آئی تھا تو غزالہ نے وہ بات صاف کرنے کا موقع پیدا کر لیا تھا۔

”میں کراچی میں ناگزیر مجبور یوں کے تحت رکتا ہوں۔“ جلال نے بتایا ”کل شام مجھے کئی ضروری کام نمٹانے تھے۔ میں تمہارا پکا ہوا کھانا چھنے کے لیے بھی نہیں رک کا۔“

غزالہ کے چہرے پر طمانیت کی ایک ہلکی سی لہر دو گئی۔ اسے یقین ہو گیا کہ جلال کی واپسی میں ویرا کی کسی سازش کا کوئی دخل نہیں تھا۔ اس نے جلال سے اپنی بات آگے بڑھاتے ہوئے پوچھا ”آج تمہیں جانے کی غلت نہ ہو تو دوپہر کا کھانا کھا کر جانا۔“ میں گردوں کا سالن بنا رہی ہوں۔“

”ویری گڈ۔“ اس نے خوش ہو کر چٹکی بجائی ”مغز اور گردے میری کمزوری ہیں۔“ یہ کہہ کر اس نے اپنی رست و اچ پر ایک نظر ڈالی اور چند ٹانگیوں کے توقف کے بعد دوبارہ بولا ”چن میں ذرا فرصت سے آیا ہوں۔ دو بجے تک بالکل فارغ ہوں۔ اس وقت سے پہلے کھانا تیار ہو جائے تو ضرور کھا کر جاؤں گا۔“

غزالہ خوش ہو گئی ”میں ایک بجے میز لگا دوں گی۔“ ”حالات نارمل ہوں تو میں ایک ڈیڑھ بجے تک لچ کرتا ہوں۔ صبح سات بجے ناشتا کرنے کے بعد بھوک ڈرا جلدی چمک اٹھتی ہے۔“ اس نے بتایا اور غزالہ اسی وقت اٹھ کر چن کی طرف چل دی تاکہ کھانے کی تیاری کے عمل کو کچھ تیز کر سکے۔

”مرنے والوں کی لاشوں کی شناخت کا کیا کیا؟“ ویرانے مجھس لیے میں سوال کیا۔

”چوہ پڑانے مردہ خانے میں پڑی ہوئی“ اپنے آدمی کی بے گور و کفن لاش کا چہرہ پہچان لیا۔ وہ تپا بھی تھا۔ اب راجو اور

سیٹھی باقی رہ گئے ہیں۔“
 ”ان میں سے کس کا کیا نمبر ہے؟“ ویرا پھر پوچھ بیٹھی۔
 ”چیز اس سسٹم سے لاعلم ہے۔ نمبروں کا سسٹم شاید
 اس کی گرفتاری کے بعد رائج ہوا ہے۔ پہلے وہ اپنے ناموں
 سے ہی بن ڈیوڈ کے لیے کام کرتے تھے۔“

”اب ان لاوارث لاشوں کا کیا بنے گا؟“ سلطان شاہ
 نے پوچھا۔

”کوئی دعوے دار سامنے آئے گا تو انہیں سمیٹ کر لے
 جائے گا ورنہ وہ لاشیں ایدھی کے حوالے کر دی جائیں گی۔“
 ”وہ غیر قانونی طور پر سرحد پار کر کے آئے تھے۔ ان کا
 کوئی دعوے دار سامنے نہیں آئے گا۔ وہ آخر کار ایدھی
 والوں کے سر پر پڑیں گی۔“ میں نے کہا۔

”ایدھی والے مسلمان ہیں۔ وہ ان کی تدفین اپنے
 طریقے سے کریں گے۔“ سلطان شاہ بولا۔
 ”مجبوری ہے۔ انہیں کیسے بتایا جاسکتا ہے کہ مرنے
 والے را کے ہندو اینجٹ ہیں۔ وہ لاوارث ہیں اور لاوارث
 ہی رہیں گے۔“

”کیا ان کو بتانے یا نہ بتانے سے کوئی فرق پڑے گا؟“
 سلطان شاہ نے حیرت سے سوال کیا۔

”وہ انسانوں کی فلاح کے لیے کام کرتے ہیں۔ مرنے
 والوں کا مذہب اور مسلک معلوم ہو تو پورے احترام سے
 ساری رسوم پوری کرتے ہیں جن مردوں کے بارے میں کچھ
 معلوم نہ ہو ان کو اسلامی طریقے سے دفن کر دیا جاتا ہے۔“
 ویرا نے وہ وضاحت کر کے مجھے حیران کر دیا۔

”تم ان لوگوں کے بارے میں خاصی باخبر معلوم ہوتی
 ہو۔“ میں نے حیرت سے کہا۔

”میں نے امریکا میں ان پر ایک جامع مضمون پڑھا تھا۔
 وہ مسلمانوں کے ساتھ جملہ انسانوں کی فلاح کے لیے کام
 کرتے ہیں۔“ مجھے جواب دے کر ویرا ایک ایک جلال کی طرف
 متوجہ ہو گئی اور دابنے ہاتھ کا انگوٹھا نکال کر ہونٹوں کی طرف
 لے جاتے ہوئے بولی ”فرصت سے آئے ہو تو میرے کمرے
 میں چلو۔ بعد میں گردے کھانے کا مزہ آجائے گا۔“

”میں قانون کے سخت ترین نفاذ کا علم بردار ہوں، نجی
 زندگی میں بھی قانون کا احترام کرتا ہوں۔ یہاں مسلمانوں
 کے لیے شراب خلاف قانون ہے۔ میں اس سے دور رہتا
 ہوں۔“ جلال نے مکمل ترین جواب دے کر بہت شائستہ
 انداز میں ویرا کی پیش قدمی کو رد کر دی۔ ”ویسے میں تمہارا کرا
 ضرور دیکھوں گا۔ سنا ہے کہ اسے تم نے اپنے ذوق کے
 مطابق سجایا ہے۔“

”ہم چاروں اٹھ کر ویرا کے کمرے کی طرف چل دیے۔

سلطان شاہ کو معلوم تھا کہ گردے پکنے کی نوید سن لینے کے بعد
 ویرا اپنے سے باز نہیں آئے گی اس لیے وہ ویرا کے کمرے کے
 دروازے سے واپس لوٹ گیا۔ ہم دونوں ویرا کی رہنمائی میں
 اندر پہنچ گئے۔

اپنی مجبوریوں اور رازداری کی وجہ سے ہم گھریلو کام
 کاج کے لیے کوئی ملازم نہیں رکھ سکتے تھے اس لیے ہر ایک
 اپنے کمرے اور سامان کی دیکھ بھال خود ہی کرتا تھا۔ ویرا کا
 آرائش سنا ہوا اور صاف ستھرا کمرہ دیکھ کر جلال کی طبیعت
 خوش ہو گئی۔

”خوش شکل لوگ اگر بد ذوق نکلیں تو بہت کوفت ہوتی
 ہے۔ تم ایسی نہیں ہو۔“ جلال نے نہایت خوب صورتی سے
 ویرا کے حسن کی تعریف کرنے کی راہ نکالی۔

”اس دہریہ تعریف کے لیے میں تمہاری ممنون ہوں۔“
 ویرا چونکے والی نہیں تھی ”تھوڑی دیر پہلے سلطان شاہ کی
 رائے تھی کہ میں کسی تعریف کے قابل نہیں ہوں۔“

”اس کی شکایت اسی کے سامنے کرتیں تو میں کوئی
 جواب دیتا۔ اس وقت میں کیا کہہ سکتا ہوں۔“ جلال کا
 جواب بہت درست اور تھیک تھا۔

”میں بھی اس کی غیبت نہیں کر رہی۔ پس پشت میں
 محتاط رہتی ہوں۔ منہ در منہ اسے بہت کچھ کہہ جاتی ہوں۔“
 ویرا نے گیند واپس اچھالنے میں ذرا سی بھی تاخیر نہیں کی۔
 اس کی خوبی یہی تھی کہ وہ بات زبان سے نکلتے ہی اس کی تہ
 تک پہنچ جاتی تھی۔

ویرا نے جلال سے اجازت لے کر جرن کی بوتل کینٹ
 سے نکال کر تائی پر رکھی تو جلال کو اپنا ایم فٹھی یاد آ گیا۔ اس
 نے اپریس اپنی جیب سے نکال کر بوتل کے برابر میں کھڑا کر دیا
 ”اسے بھی سامنے رہنا چاہیے۔ پتا نہیں یہ کب بولنا شروع
 کر دے۔“

”تم نے اس کی آواز کم کی ہوئی ہے۔“ ویرا نے اپنا
 گلاس تیار کرتے ہوئے جلال سے پوچھا۔

”بات شروع ہو گئی تو آواز بڑھا دوں گا۔ غیر ضروری اور
 مسلسل ریڈیا کی شور تمہارے سرور میں خلل انداز ہو گا۔“
 ”میں نہیں لیکن پینے کے رموز جانتے ہو۔“ ویرا نے
 اپنا کام پورا کر کے بوتل بند کرتے ہوئے کہا۔

”تم جیسے دوستوں سے میں نے بہت کچھ سیکھا ہے۔“
 ویرا کے کمرے میں پہنچتے ہی موضوع سخن یکسر تبدیل ہو گیا
 تھا۔

میرے دل میں کئی بار آئی کہ رات کو درنما ہونے والی
 اعصابی صورت حال کے بارے میں اسے کچھ نہ کچھ بتا دوں
 لیکن میں زبان نہیں کھول سکا۔ صرف قیاسات پر مبنی وہ

خطرات اتنے مبہوم تھے کہ میں ان کے ذکر میں اپنی سبکی محسوس کر رہا تھا۔

”اول خان کے زخم کا کیا حال ہے؟“ جلال کا دھیان اچانک ادھر چلا گیا۔

”بہتر ہے۔ زخم کے مندمل ہونے کی رفتار سے شبہ ہو رہا ہے کہ وہ قاتلانہ حملہ نہیں تھا۔ کوئی اس کو زخمی کر کے خوف زدہ کرنا چاہتا تھا۔“ میں نے محتاط لب و لہجے میں کہا۔

”گولی چلانے والے کو یہ معلوم نہیں تھا کہ وہ کئی محاذوں کا آزمودہ افسر ہے۔ جس نے محاذ جنگ پر موت سے آنکھ پھولی کھیلی ہو وہ ایک آدھ گولی سے کیا خوف زدہ ہوگا۔“

جلال نے خود بات آگے بڑھانے کی کوشش نہیں کی اور میں نے بھی خاموشی اختیار کر لی۔ میں نے فیصلہ کر لیا کہ اس بارے میں بات آگے بڑھتی تو میں جلال کو اتنا اشارہ ضرور دے دیتا کہ اول خان کو پچھلے روز اپنے تعاقب کا اندیشہ تھا مگر وہ نوبت آنے سے پہلے بات ختم ہو گئی۔

”تم نے کبھی کسی سے عشق کیا ہے؟“ ویرا نے اچانک جلال سے وہ ٹیڑھا سوال کیا تو میں چونک پڑا۔ بے اختیار میری نظر اس کے گلاس کی طرف گئیں۔ اس نے جن اور ٹانک وائر کے مرکب کا صرف ایک آدھ گھونٹ لیا تھا جو اونٹ کے منہ میں زیرے کے مترادف تھا۔ اس سے ویرا کو نشہ نہیں ہو سکتا تھا۔

”میں نے شادی کے بعد اپنی بیوی سے عشق کیا ہے۔“ جلال نے مسکراتے ہوئے جواب دیا ”مجھے اس سے زیادہ تجزیہ نہیں ہے۔“

”یہ عجیب شے ہے۔“ وہ ایک گہرا سانس لے کر بولی۔ ”ڈینی نے پہلے عشق کیا پھر شادی کر لی۔“

”کس سے عشق لڑایا تھا تم نے؟“ جلال نے بائیں آنکھ دبا کر مجھ سے پوچھا۔

میرے کچھ کہنے سے پہلے ویرا بول پڑی ”اپنی ہونے والی بیوی یعنی غزالہ سے۔ میں اس عشق کی عینی شاہد ہوں۔“

”یہ تو میری اور ڈینی کی بات ہوئی۔ اس بارے میں تمہارا اپنا تجزیہ کیا ہے۔“ جلال کا وہ سوال منطقی اور تہذیب کے دائرے میں تھا۔

”حسرتوں کو پال پال کر جوان کر دیا اور کہیں سے کچھ نہیں ملا۔“ ویرا نے گلاس اٹھا کر ایک ہی سانس میں خالی کر دیا اور اپنے گلابی ہونٹوں پر زبان بھیرتے ہوئے اپنی بات جاری رکھی ”جس پھر کو چومنا چاہا وہ پہلے ہی کسی کی چوٹھ پر گزرا ہوا تھا۔“

ویرا دوبارہ اپنی بوتل کی طرف متوجہ ہو گئی۔ جلال مسکراتی ہوئی خیز نظروں سے میری طرف دیکھ رہا تھا۔

ویرا کے کنارے اس کے لیے ناقابل فہم نہیں تھے۔ عشق تمہارے مشرق کا ایک نمونہ موضوع ہے۔ ویرا دوسرا گلاس بنانے کے بعد بولی ”ایک عورت کی زبان سے یہ لفظ معیوب سمجھا جاتا ہے۔ تم سوچ رہے ہو گے کہ میں نے یہ ذکر کیوں نکالا ہے۔“

”سوچنے کی ضرورت نہیں تھی۔“ جلال نے اس کی حوصلہ افزائی کی ”انسان دوستوں کے سامنے دل کی ہر بات کر لیتا ہے اور ہم کمرے دوست ہیں۔“

”کبھی کبھی میرا ناکام عشق ایک عذاب بن کر میرے دماغ پر سوار ہو جاتا ہے اور میں کرب میں مبتلا ہو جاتی ہوں۔ تم دونوں کا سیاب آدمی ہو۔ شاید میرے اس کرب کا اندازہ نہیں کر سکتے۔“

”تم کچھ کہنا چاہتی ہو لیکن جھجک رہی ہو۔“ جلال بولا۔ ”آنکھیں پھینچ کر سب کو بھول جاؤ۔ خود کو اپنی ذات میں محصور کرو اور جو کہنا چاہتی ہو کہہ ڈالو۔“

اس نے یکایک زور سے اپنی آنکھیں پھینچ لیں۔ میں ڈر گیا کہ اب وہ بولنا شروع کر دے گی لیکن اس کے لبوں میں کوئی جوش نہیں ہوئی۔ دو تین سیکنڈ بعد اس نے آنکھیں کھول دیں جو ڈیڑھانی ہوئی تھیں۔ اس نے اپنا گلاس اٹھالیا۔۔۔ اور اس کو انگلیوں میں گھماتے ہوئے بولی ”نہیں جلال، یہ ممکن نہیں ہے۔ زبان بند رہے تو بہتر ہے۔ لب کشائی کر کے کچھ پالینے کی امید نہ ہو تو زبان بندی سب سے بہتر ہوتی ہے۔“

”تمہاری آنکھوں میں نمی کیوں تیر رہی ہے ویرا؟“ میں نے ہمدردانہ لہجے میں پوچھا۔

اس نے مجروح نظروں سے میری طرف دیکھا اور دھیرے سے بولی ”ڈینی، اہم از کم تم تو یہ سوال نہ پوچھو۔“ پھر وہ یکایک جلال کی طرف متوجہ ہو گئی ”یہ دکھ کے نہیں، خوشی کے آنسو ہیں جو کی بن کر بے اختیار میری آنکھوں میں تیر آئے ہیں۔ کبھی بھی نہ پانے کا دکھ پالینے کے سکھ سے زیادہ مزہ دیتا ہے۔“

”تم نے زیادہ شراب نہیں پی پھر ہنسی ہنسی باتیں کیوں کر رہی ہو؟“ میں نے اس کا بازو سختی سے پکڑ کر پوچھا۔

”دل چاہ رہا تھا۔“ اس نے میری طرف دیکھا تو اس کی آنکھوں میں گہیرا اداسی رہی ہوئی تھی۔ ”مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے میرا دل پھٹ جائے گا۔ میں غزالہ اور سلطان شاہ کے سامنے یہ سب نہیں کہہ سکتی۔ وہ میری باتوں کے انوکھے مفہوم تراشنے میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ جلال ہمارا دوست مگر باہر کا آدمی ہے۔ میں اس کے سامنے دل کا بوجھ ہلکا کر رہی ہوں۔“ اس نے دوسرا گلاس اپنے ہونٹوں سے

لگایا۔ اس پر غصہ دکھاتا ہے سو تھا۔ وہ اندر سے زخمی تھی۔ اس کے زخم کا مواد الفاظ کی صورت میں بہہ جاتا ہی بہتر تھا۔ میں نے اس کا بازو چھوڑ دیا۔

”یہ تمہاری اور ویرا کی باہمی غلط فہمیوں کا نتیجہ لگتا ہے۔“ جلال نے میری طرف جھک کر سرگوشی کی۔ یہ بات کسی سے دھکی چھپی نہیں تھی کہ ویرا میری وجہ سے پاکستان میں رکی ہوئی تھی۔ میں جلال کی اس رائے پر اثبات میں سر ہلا کر رہ گیا۔

اچانک تپائی پر رکھے ہوئے ایم ففتی نے بولنا شروع کر دیا۔ اس پر بن ڈیوڈ کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ وہ نمبر نو پکار رہا تھا۔

”یہ نمبر نو کہاں مر گیا؟“ پیغام کی تیسری تکرار سن کر جلال بڑبڑایا۔ ایم ففتی کا بن دبائے بغیر ہماری آواز کسی تک نہیں پہنچ سکتی تھی۔ یہ بات جلال ہم سے زیادہ جانتا تھا۔ بن نے چوٹھی بار وہی الفاظ دہرائے تو جواب نمبر فور کی آواز میں آیا ”میں نمبر فور ہوں سرا!“

”وہ کسے کا بچہ کہاں مر گیا؟“ بن کی بھری ہوئی آواز آئی۔ اس نے روایتی میں انگریزی کی وہ عامیانہ گالی دی تھی۔ ”اسے رات سے ملیا ہو گیا ہے۔ وہ پل کے نیچے پرانے کپڑوں میں لپٹا ہوا کاپ رہا ہے۔ میں اس کے لیے اسٹور سے دوا لینے آیا تھا۔“

”تم نے میری جو تھی کال پر جواب دیا ہے۔ نمبر نو کی علالت کی خبر بن کا غصہ کم نہیں کر سکتی تھی۔“

”مجھے اشارہ مل رہا تھا مگر میں اسٹور میں تھا۔ اب ایک محفوظ کونے سے بات کر رہا ہوں۔“

”میں نے تمہیں الگ الگ رہنے کے لیے کہا تھا۔ تم پھر اکٹھے ہو گئے ہو۔ کیا میری بات تمہاری سمجھ میں نہیں آئی۔“

”ہم الگ الگ ہی تھے مگر دور سے ایک دوسرے پر نظر رکھ رہے تھے۔ وہ بخار میں جھپٹنے لگا تو مجھے مجبور ہو کر اس کے قریب جانا پڑا۔“

”اسے کام کے نام سے بخار چڑھ گیا۔ تم کیوں کامیاب نہیں ہوئے؟ آج کے اخباروں میں کوئی خبر نہیں ہے۔“

”حالات سازگار نہیں تھے۔ کل شہر سے ایسے گدا گروں کو بھی اٹھایا گیا ہے جو مشتبہ سمجھے گئے۔ میں تمہارے لیے کام ضرور کر رہا ہوں لیکن ہماری پہلی ترجیح اپنی حفاظت ہے۔“

”شاید اس پر مشقت روپوشی نے تمہارے اعصاب پر برا اثر ڈالا ہے۔“ بن کا لہجہ طنزیہ مگر قدرے نرم ہو گیا۔ اس نے نمبر فور کے جواب سے اس کی نفی کا اندازہ لگایا تھا۔ وہ

ویرا آپریشن پرفنگٹو سننے کے بعد خیالی دنیا سے نکل آئی تھی۔
 ”وہ سب باہمی رابطے میں رہیں گے مجھے موبائل پر مقرر
 مل جائے گی۔ دعا کرو کہ میرے آدمیوں کے پیچھے سے پہلے وہ
 دونوں نہ نکلے پائیں اور ان کا کام بھی تمام ہو جائے گا۔“
 ”نمبر فور زیادہ بول نہ نکالا۔ آج اس نے بن سے زیادہ کھل
 کر بات کی۔“ میں نے کہا ”اس کی وجہ سے کالی باتیں سامنے
 آئیں گی۔“

”ان لوگوں کے پاس کس ساخت کے بم ہیں جو بدن پر
 رکھے رکھے بھٹ جاتے ہیں۔“ ویرا نے جلال کے کچھ بولنے
 سے پہلے ایک نیا سوال کھڑا کر دیا۔
 ”معلوم ہوتا ہے اب تمہاری طبیعت بحال ہو رہی
 ہے۔“ جلال نے پر امید لہجے میں کہا ”جب ہی تم نے یہ سوال
 کیا۔“

”اکمکل میرے لیے ہمیشہ سود مند ثابت ہوتی ہے۔
 میرے ذہن سے ڈپریشن کی کردھیرے دھیرے چھٹ رہی
 ہے۔“

جوں ہی اس نے ڈپریشن کا لفظ استعمال کیا میرے ذہن
 میں اس کی طبیعت کا استعمال کا سبب واضح ہو گیا۔
 اس نے غزالہ اور سلطان شاہ کی غیر حاضری سے فائدہ
 اٹھا کر میرے ساتھ جو شوخیاں کی تھیں، وہ میری اور اس کی
 ذات تک محدود تھیں۔ وہ بھی، کبھی جذبات کی رو میں بہہ کر
 میرے ساتھ زیادہ بے تکلف ہو جاتی تھی۔ کبھی بھی کے ان
 خوش گوار تجربات کو میں نے کبھی ٹائپ نہ کیا تھا۔ نہ ہی
 ویرا کو اس حوالے سے دوسروں کے سامنے شرمندہ کرنے کی
 کوئی کوشش کی تھی مگر اس روز سلطان شاہ نے بازار سے
 واپس آنے کے بعد مذاق ہی مذاق میں کچھ ایسی جھپتی ہوئی
 باتیں کہہ ڈالی تھیں جو حقائق کے عین مطابق تھیں۔ میرے
 اور اپنے پیچھے کی ان باتوں کا سلطان شاہ کی زبانی ذکر سن کر
 ویرا کی انا کو تھیں پہنچی تھی۔ وہ ان دونوں کے سامنے
 اعتراف کر کے خود کو مزید مذاق کا نشانہ نہیں بنوا سکتی تھی۔ وہ
 غبار اپنے دل میں لیے بیٹھی رہی اور جب اپنے کمرے میں
 آنے کے بعد اسے جلال کے سامنے اسے دل کی بھڑاس
 نکالنے کا پہلا موقع میسر آیا، اس نے بلا تکلف اپنے دل کا
 بوجھ ہلکا کر لیا۔

چند منٹ پہلے اس نے خود کہا تھا کہ وہ غزالہ اور سلطان
 شاہ کے سامنے وہ سب نہیں کہہ سکتی تھی کیونکہ وہ دونوں اس
 کی باتوں اس کی باتوں کے انوکھے مفہوم تراشنے میں مصروف
 ہو جاتے تھے۔ جلال ویرا کا دوست مگر باہر کا آدمی تھا۔ اس
 نے جلال کے سامنے اپنے دل کا بوجھ ہلکا کر لیا تھا۔ ویرا کے
 کہے ہوئے ان فقرات کا مفہوم کافی درجہ میری سمجھ میں آیا۔

اغذ کیا ہے کہ بہتر کارکردگی کے لیے تم دونوں کو بہتر ماحول اور
 سہولتوں کی ضرورت ہے۔ فقیر بن کر تم فقیروں جیسے کام کرتے
 رہو گے۔ اپنے ملے درست کرو اور شام چار بجے کے لیے
 تیار رہو۔“

”کیا شام کو دوسری کھیپ ملنے والی ہے؟“ نمبر فور نے
 اسے بار بار سر کھٹا کر دیا تھا۔

”پہلے تمہاری کمیں گاہ کا بندوبست ضروری ہے۔ ایسی
 جگہ جہاں تم بے فکری سے رہ سکو۔ باہر نکل کر اپنی
 کارگزار دیکھاؤ اور تیزی سے وہیں لوٹ جاؤ۔“
 ”ہم ایسی جگہ کے لیے ترس گئے ہیں، چوڑا کے بعد ہم
 مسلسل برے وقت سے گزر رہے ہیں۔“
 ”پانچ بجے تم کسٹم ہاؤس پہنچو۔ وہاں سڑک کے کنارے
 ایک نیلی ڈان کھڑی ہوگی۔ وہ تمہیں نئے ٹھکانے پر پہنچا دے
 گی۔“

”اس کی مزید کوئی شناخت!“ نمبر فور نے سوال کیا۔ اسی
 لمحے جلال دوبارہ کمرے میں آ گیا۔

”نیلی ڈان۔ اس میں صرف ڈرائیور ہوگا۔ یہ کافی ہے۔
 شہر میں ایسی دوسری گاڑی نہیں ہوگی۔ نمبرون اور کھڑی کے
 آپریشن کماں ہو سکتے ہیں۔“

”وہ ان کے ساتھ اڑ گئے ہوں گے۔ میں ان کے بارے
 میں کچھ نہیں جانتا۔“
 ”یاد رکھنا۔ پانچ بجے۔ کسٹم ہاؤس۔ نیلی ڈان۔ پاس روڈ
 ڈاکٹر ہوگا۔ اور اینڈ آف۔“

”کریم آباد کے لیے میں نے پارٹی دوڑادی ہے۔“ جلال
 نے تیر لہجے میں بتایا ”ان دونوں کا قصہ ابھی منٹ جائے گا۔“
 ”کریم آباد یہاں سے زیادہ دور نہیں ہے۔ باہر اول خان
 کا ایک اسٹرائیک پونٹ بھی مامور ہے چاہو تو وہاں پہنچ سکتے
 ہو۔“

جلال سوچ میں پڑ گیا پھر اس نے اپنا سرنفٹی میں ہلادیا
 ”میں موت سے نہیں ڈرتا لیکن خود کشی کو حرام سمجھتا ہوں۔
 وہاں کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ وہ پڑے جا سکتے ہیں اور ہم بھی
 پھٹ سکتے ہیں یہ سب اس بات پر منحصر ہے کہ کس کو کتنا وقت
 ملتا ہے۔ ہم سب کا وہاں یک جا ہونا فصلحت کے خلاف
 ہوگا۔“

”تمہارے آدمی کہاں سے جائیں گے اور راولوں کو
 کیسے پہچانیں گے؟“ ویرا نے پوچھا۔

”تیسرا سے لرزتا ہوا فقیر سب سے بڑی نشانی ہے۔“ وہ
 آدمیوں کی تلاش میں زیادہ وقت براہ نہیں کریں گے۔ سب
 سے پہلے بموں پر قبضہ کر کے انہیں ناکارہ بنائیں گے۔“

”ہمیں کیسے پتا چلے گا کہ اس آپریشن کا ختم کیا رہا۔“

آدی سرعت کے ساتھ وہاں سے فرار ہو چکے تھے۔ دوسروں نے یہ تائید کی کہ پچھلی شام سے ایک گداگر کو نے میں پڑا‘ سردی سے چڑھنے والے تیز بخار میں مبتلا تھا۔ اس وقت وہ

غائب تھا۔ جلال کے آدمیوں نے ان تباہ کن ڈیوائسز کو اپنی تحویل میں لیتے ہی ناکارہ کر دیا تھا۔ جب تک وہ فعال تھا، ان کو مخصوص فاصلے سے ریموٹ کے ذریعے بھاڑا جاسکتا تھا۔ کوئی گرفتاری عمل میں نہیں آئی تھی لیکن شہر ایک اہم پل کی تباہی سے بال بال بچ گیا تھا۔

”یہ بہت برا ہوا کہ وہ مردود نکل گئے۔“ زنان پر بات مکمل کرنے کے بعد جلال نے متاثرانہ لہجے میں کہا ”اب باجے بچے پھرو ڈر لگائی ہوگی۔ ان کا قصہ ابھی نمٹ جاتا تو شام کے چکر سے جان چھوٹ جاتی۔“

”نا شکریہ پن کا ثبوت مت دو۔“ میں نے اسے دلاسا دیا ”یہ بڑی بات ہے کہ ایک تباہی ٹل گئی۔ تم کو معلوم ہے کہ ہیرو نیچو میں اپنی برادری کی حد تک کتنا احتجاجی شعور ہوتا ہے۔ سب چیونٹیوں کی طرح ہر چیز کے گرد جمع ہوتے ہیں۔ دھماکا ہوتا تو یک جھپٹے میں دس بیس اڑ جاتے۔“

”ابھی کچھ دیر پہلے تم نے ایس ٹی ایف کے کسی اسٹرائیک یونٹ کی بات کی تھی۔ وہ یہاں کیا کر رہا ہے؟“ میں نے چونک کر پوچھا جیسے اسے اچانک وہ بات یاد آئی ہو ”میں نے یہاں آئے ہوئے خالے رنگ کی ایک جیب دیکھی تھی۔ وہ لوگ گاڑی سائے میں گھڑی کر کے سستارہے تھے۔“

جلال کے اس براہ راست سوال کے جواب میں میرے لیے جھوٹ بولنا ممکن نہیں تھا۔ بعد میں کوئی واقعہ رونما ہوتا اور بات کھل جاتی تو جلال کو یہ جان کر ناقابل حلانی صدمہ پہنچتا کہ میں نے کسی بھی وجہ سے اس سے غلط بیانی کی تھی۔

میں نے بس ایک لمحے کے لیے سوچا اور کہہ دیا ”وہ یہاں دیکھ بھال کر رہے ہیں کہ کوئی مشتبہ آدمی یا گاڑی ہماری طرف نہ آ سکے۔“

”پہلے ایسا کوئی بندوبست نہیں تھا۔ اب اس کی ضرورت نہیں محسوس کر رہے ہو؟“

”اب جلال کو ٹالنے کی کوشش نہ کرو۔ پوری بات بتا دو!“ ویرا نے لقمہ دے کر مجھے بالکل مجبور کر دیا۔

”تم بتاؤ مجھے بتاتے ہوئے کیوں ہچکچا رہے تھے۔“ وہ کہانی سن لیتے کے بعد جلال نے تعجب سے پوچھا۔

”مکھوس بات سامنے نہیں ہے۔ دہلی سے اڑائی جانے والی ایک افواہ کی بنیاد پر ہمارے ذہنوں میں یہ فوراُں سامیا تھا۔“

”یہ فور نہیں‘ وجدان یا چھٹی حس کی کار فرمایوں کے بارے میں تم بھی جانتے ہو گے۔“

”میں سسر کے جانتا ہوں، کل رات کو ایک بھیا تک خطرہ

تھا۔

”تم نے ابھی تک میرے سوال کا جواب نہیں دیا۔“ ویرا نے جلال کو ٹوکا ”میں نے بموں کے بارے میں کچھ پوچھا

تھا۔“ ”بہت سی قسموں کے ہوتے ہیں۔۔۔ جلال نے بتانا شروع کیا مگر ویرا نے اس کی بات کاٹ دی۔

”فریر پارک میں مرنے والے کے پاس موجود بم کے بارے میں بتاؤ۔ یہ مبادیات میں اچھی طرح جانتی ہوں۔“

”لوگ ہر پھٹنے والی چیز کو بم کہہ دیتے ہیں لیکن وہ ڈیوڈ نے رٹھا جو بڑی سرکٹ مکمل ہونے سے پھٹتا ہے۔“

”پھر تو اس کا کوئی ریموٹ کنٹرول بھی رہا ہوگا۔“ ویرا نے تائید طلب لہجے میں کہا۔

”وہ اس کے پاس موجود تھا۔ اس نے مٹن دیا یا اور ڈیوائس بھٹ گئی۔“

”ٹھیک!“ ویرا نے اپنے سر کو تھپی انداز میں جنبش دی ”وہ سرکٹ برقی طاقت سے مکمل ہوتا ہے یا جھپٹ جھڑ میں

کسی غلطی سے بھی مکمل ہو سکتا ہے۔ بن نے کریم آباد میں دھماکوں کے لیے دوسرے طریقے پر انحصار کرنے کو نوبت دی

ہے۔“ ”یہ اس کی درندگی ہے۔ ریموٹ سے اسے چلایا گیا تو کچھ پتا نہیں کہ اس کے آس پاس کوئی ہو گیا یا نہیں۔ جب

نشہ بازوں کا جھوم ان خطرناک تھلونوں کو توڑنے کی کوشش کرے گا تو لامحالہ ایک بڑی تعداد دھماکے کی زد میں آکر ہلاک

اور زخمی ہوگی۔“

ویرا اپنے جذباتی ایال سے نکل چکی تھی اور اعتدال کے ساتھ جن اور ٹانگ کا تیسرا گلاس لے رہی تھی۔ میں نے

خاص طور پر دھیان رکھا تھا کہ ویرا کے کسی بھی گلاس میں جن کی مقدار زیادہ نہیں تھی۔

جلال کے لیے وہاں بیٹھے بیٹھائے ایک، کام پیدا ہو گیا تھا ورنہ وہ اپنے طور پر دو بجے تک فارغ تھا۔ وہ بار بار اپنی گھڑی

پر نظریں ڈال رہا تھا اور مضطرب تھا کہ اس کے کریم آباد جانے والے آدمیوں کی طرف سے کوئی خبر نہیں آ رہی تھی۔

اس دوران میں اس نے اس بات پر اطمینان کا اظہار کیا تھا کہ بن ڈیوڈ نے وجے اور تریا تھی کے ایم فٹسی کی فاتحہ پڑھ لی

تھی۔ اسے یہ شبہ نہیں ہو سکا کہ اس کا ایک اہم مواصلاتی آلہ وجے کے ذریعے آئی بی والوں کے پاس پہنچ چکا تھا۔

سوا بارہ بجے جلال کے موبائل ڈرن پڑا۔ کال آگئی جس کا اسے بے چینی سے انتظار تھا۔ اس کے آدی بروقت کریم آباد

کے پل کے نیچے پہنچے تھے۔ وہاں ہیرو نیچوں کا ایک بڑا گروہ آہنی میس میں بند بیٹھے بارودی ڈیٹھونے ٹرکوں کی پٹری پر رکھ

کر پتھر سے توڑنے کی کوششوں میں مصروف تھے۔ ان کے دونوں

سر پر منڈلاتا ہوا نظر آ رہا تھا۔ آج بیدار ہونے کے بعد سارے وسوسے بے بنیاد محسوس ہونے لگے۔ اسی وجہ سے میں نے تم سے ان باتوں کا ذکر نہیں کیا۔ سوچ رہا ہوں کہ اول خان سے بات کر کے اس پونٹ کو لوٹا دوں۔“ میں نے کہا۔

”ایسی غلطی مت کرنا۔ یہاں کی دیکھ بھال کے لیے ہر وقت کچھ محافظوں کی ضرورت تھی۔ اچھا ہوا کہ اب یہ بندوبست بھی ہو گیا۔“

”میں اس کی ذرا سی بھی ضرورت محسوس نہیں کرتا۔“
 ”میں ذرا شام والے چکر سے نمٹ لوں پھر اس موضوع پر بات ہوگی۔ شاید تم بلیک کنٹیس سے واقف نہیں ہو۔ یہ راگی سب سے شاطر اور خوں خوار فورس ہے۔ یہ اپنے شکار کو سفاکی سے ختم کرتے ہیں اور تیزی سے غائب ہو جاتے ہیں۔ ان کے نام سے سب ختم ہوتے ہیں۔“

”ہم بھی یہی کرتے ہیں۔ سب اپنا آلو سیدھا کر کے راہ لیتے ہیں۔ یہ کوئی انوکھی بات نہیں ہے۔“ میں نے بے پروائی سے کہا۔

فوری طور پر میں بھی ایس ٹی ایف والوں کو واپس نہیں بھیج رہا تھا۔ میں نے وہ پروگرام اگلے دن کے لیے رکھا ہوا تھا۔ جلال مطمئن ہو گیا اور وہ بات اگلے دن کے لیے ٹل گئی۔

اسی دوران میں ایک اچھی بات یہ ہوئی کہ ویرا نے تیسرا گلاس ختم کرنے کے بعد جن کی بول واپس کینٹ میں پہنچا دی تھی۔ اس کی طرف سے مے نوشی کے دور کے اختتام کا وہ رسمی اعلان اس اعتبار سے خوش آئند تھا کہ اس کے اعصاب پر الکحل کا خمار گہرا نہیں ہوا تھا۔ وہ خاصے خوشگوار موڈ میں اچھکی تھی۔

”مزید پینے کا ارادہ نہ ہو تو ذرا سنگ روم میں چلیں۔“
 میں نے ویرا سے پوچھا ”یہاں ہم غزالہ اور سلطان شاہ سے بالکل کٹے ہوئے ہیں۔“

وہ استہزائیہ انداز میں ہنس پڑی ”پتا نہیں وہ دونوں میری شراب نوشی کے دوران مجھ سے دور دور کیوں رہتے ہیں۔“

”ڈرتے ہوں گے کہ کہیں تم انہیں زبردستی نہ پلا دو۔“
 جلال کا موڈ بھال ہو رہا تھا۔

”تم اکثر میرا ساتھ دیتے ہو۔“ ویرا مجھ سے مخاطب ہو کر بولی ”ان دونوں نے میرے خلاف محاذ بنایا ہوا ہے۔ ہر موقع پر ایک دوسرے کا ساتھ دیتے ہیں۔ میری حمایت کرنا جرم سمجھتے ہیں۔“

”یہ تمہارا خیال ہے۔ اسے اپنے ذہن سے نکال دو۔“

جلال نے ملامت آمیز لہجے میں کہا ”غزالہ بہت فراخ دل بیوی ہے۔ میں اس کی عظمت کو سلام کرتا ہوں۔ وہ نہ چاہتی تو تم ایک دن بھی اس گھر میں نہیں رہ سکتی تھیں۔ طعنے دے دے کروہ تمہاری اور ڈینی کی زندگی حرام کر دیتی۔ تم دونوں کے بارے میں پچھلی ہوئی کمائیوں سے وہ سب سے زیادہ واقف ہوگی۔“

غزالہ کی بڑائی کے اس پہلو پر میں نے کبھی غور نہیں کیا تھا۔ میں دل ہی دل میں جلال کے تیز مشاہدے اور تجزیے کی داد دے بغیر نہ رہ سکا۔

”مجھے کب انکار ہے کہ وہ گریٹ نہیں ہے مگر اس کے دل میں میرے خلاف کوئی نہ کوئی کسک ضرور ہے۔“ ویرا نے اپنی جگہ جھوڑ دی۔

جلال نے ویرا کا کمرہ اور اس کے رنگ ڈھنگ اچھی طرح دیکھ لیے تھے۔ ہم تینوں ذرا سنگ روم میں اٹھ آئے۔ ”محفل ختم ہو گئی۔“ غزالہ نے خوش مزاجی سے ہمارا استقبال کیا ”میری ہنسیا تیری کے اتھری مراحل میں ہے۔ اول خان بھی آتا ہی ہوگا۔ میں نے اسے فون کر دیا ہے۔“

”مجھے خیر خیریت کے لیے اسے فون کر لینا چاہیے تھا۔“ جلال نے نہانت سے کہا ”وہ اس وقت کہاں ہوگا۔“
 ”دفتر سے نکل کر ادھر آ رہا ہوگا۔ تم اسے موبائل پر فون کر سکتے ہو۔“ ویرا نے غلصانہ مشورہ دیا۔

جلال نے فون اٹھانے کی زحمت کرنے کے بجائے مجھ سے اول خان کا نمبر پوچھا اور اپنے موبائل سے ملایا۔ اسی وقت دروازے پر گاڑی کے رکنے کی آواز آئی۔
 ”اوہو۔۔۔ تو تم یہاں پہنچ چکے ہو۔ تمہارے زخم کا کیا حال ہے؟“ جلال فون پر کہہ رہا تھا۔

اسی وقت ڈور بیل بج اٹھی اور کسی کے ہلنے سے پہلے سلطان شاہ اٹھ کر تیزی سے دروازے کی طرف چل دیا۔ موبائل فون پر جلال کی گفتگو جاری رہی۔ چند ثانیوں بعد اول خان موبائل اپنے کان سے لگائے سلطان شاہ کے ساتھ اندر چلا آ رہا تھا۔ جلال نے ہلکا سا قہقہہ لگا کر اپنا موبائل فون بند کر کے کشن پر ڈال دیا۔

وہ دونوں آپس میں نہایت تباہی سے ملے۔ جلال نے تفصیل سے اس کی مزاج پر سی ٹی۔ اس دوران میں ان دونوں کے درمیان کام کی کوئی بات نہیں ہوئی لیکن جب اول خان کے زخمی ہونے کا ذکر چلا تو بات باہر موجود اسٹرائیک یونٹ کی طرف ہو گئی۔

”ڈینی ان کی واپسی پر مصر تھا۔ میری رائے ہے کہ انہیں یہاں رہنا چاہیے۔ ہمارے لیے یہ چاروں قیمتی اثاثہ ہیں۔ ان کی حفاظت ضروری ہے۔“ جلال نے

کہا۔

”ذہنی کتا رہے۔ وہ یہاں سے نہیں جائیں گے۔ بارہ بارہ گھٹے دو پارٹیاں ڈیوٹی دیں گی۔“ اول خان نے سختی سے بتایا۔

”یہ غیر ضروری ہے۔“ میں نے احتجاج کیا ”یہاں ان کا وقت برباد ہو گا۔“

”اس بارے میں تمہارا خاموش رہنا ہی بہتر ہے۔ ہم تمہاری طرح اپنی اعصاب کے مالک نہیں ہیں۔“ ان دونوں کی شہ پر دیر کو بھی بولنے کا موقع مل گیا ”میں صبح سویرے تک خوف سے نہیں سو سکی۔ ہر آن یہ دھڑکا لگا ہوا تھا کہ بلیک کیٹس دیوار چھاند کر گھر میں گھس آئیں گے۔“

”بلیک نہ کرڈ میں جانتا ہوں کہ تمہارے اعصاب کتنے کمزور ہیں۔“ میں نے اسے گھور کر کہا ”یہ باتیں تم کسی اور کو سنانا جو تمہیں نہیں جانتا ہو۔“

میں اکیلا تھا۔ وہ سب یک زبان ہو گئے اور مجھے خاموش ہونا پڑا۔ اس دوران میں جلال نے اول خان کے اندیشوں کا کوئی ذکر نہیں چھیڑا۔ وہ سارا کھٹ راگ اول خان کا پھیلا یا ہوا تھا۔ جلال کو اندازہ تھا کہ اس بارے میں کئی جانے والی چربات اول خان کے لیے کوفت اور بے آرامی کا سبب بنے گی۔

”بس ایک احتیاط کر لو۔“ میری خاموشی کو نیم رضامندی تصور کرتے ہوئے جلال نے اول خان کو مشورہ دیا ”اپنے آدمیوں کو کیو فلاح کر دو۔“

”میں نے جان بوجھ کر انہیں سرعام گشت کرنے کی ہدایت دی ہے۔“ اول خان نے وضاحت کی ”ان مسیح آدمیوں کے گشت کے دوران کوئی مشتبہ شخص ادھر کا رخ کرنے کی ہمت نہیں کرے گا۔“

”ایسا ظلم نہ کرو۔ ان بھاریوں کی محنت رائیگاں جائے گی۔ وہ یہاں سے پسپائی اختیار کر کے تمہاری مکمل بے خبری میں نہیں اور وار کر گزریں گے۔ تم ہاتھ ملتے رہ جاؤ گے۔“ جلال نے دوستانہ انداز میں اسے مشورہ دیا ”مجھے تمہاری موجودہ حکمت عملی سے اتفاق نہیں ہے۔“

”کیوں اور وار ہو جانے والی بات اول خان کے دل کو لگ گئی“ بے خبری میں مار کھانے سے بہتر ہے کہ سوچا سمجھا مقابلہ کیا جائے۔“

”میں یہی کہہ رہا ہوں۔ ہمیں اپنے لوگوں کو بچانے کے ساتھ انہیں پکڑنا ہے۔ ان کے لیے راستے کھلے رکھو۔ ایک بار وہ ادھر گھس آئیں تو انہیں گھیر کر بھون ڈالنا۔ یہ میرا مشورہ ہے۔ یہ نہ سمجھنا کہ تمہارے فرائض میں دخل اندازی کر رہا ہوں یا میرے آدمی بھی اس آپریشن میں گھس

آئیں گے۔“

”میں تمہاری بات سمجھ رہا ہوں۔ میرے آدمی آج ہی پس پردہ چل جائیں گے۔ ان کی گاڑی بھی یہاں سے ہٹا دی جائے گی۔“

”ایک آدمی کے ساتھ گاڑی مدرسے والے میدان میں چھوڑی جاسکتی ہے تاکہ ضرورت پڑنے پر اس میں سے ہتھیار وغیرہ نکالے جاسکیں۔“ غزالہ نے بھی اپنا مشورہ پیش کر دیا۔ بات طے ہو گئی۔ اول خان کے آدمی ہر قسم میں مخصوص فری کوئٹس والے ٹرانسمیٹر کے ذریعے باہمی رابطے میں رہتے تھے۔ اسی قسم کا ایک آپریشن گھر میں رکھا جانا تھا کہ کسی ہنگامی صورت حال میں گھر والوں کا ایس ٹی ایف کے عملے سے رابطہ ہو سکے۔

”میری دلی آرزو ہے کہ بلیک کیٹس یہاں ہوں تو جلد از جلد ادھر آئیں اور تمہارے آدمیوں کے شکار ہو جائیں۔“ جلال نے دعائیتہ انداز میں کہا۔ غزالہ آئین کھتی ہوئی ڈرائنگ روم سے کچن کی طرف چل دی۔

اول خان نے مستفردانہ نگاہوں سے میری طرف دیکھا اور میں نے سر ہلا کر اسے خاموش رہنے کا اشارہ کر دیا۔ اپنے توہمات کے بارے میں ذکر کو از خود اگے بڑھانا موزوں نہیں تھا۔

”کچن سے آنے والی آوازیں بتا رہی ہیں کہ ابھی کھانے میں دیر ہے۔“ دیر ابولی ”کیوں نہ اول خان کو کریم آباد والے تازہ والے کے بارے میں بتا دیا جائے۔“

”ضرور بتاؤں گا مگر یہ شرم کی بات ہے کہ اتنی دیر سے غزالہ اکیلی کھانا پکانے میں مصروف ہے۔ تم نے پھلی بھی پھوڑ کر نہیں دی۔“ جلال کو ایک دم دھیان آ گیا۔

”میں اس کٹ کٹ سے گھبراتی ہوں۔“ دیر نے صاف گوئی سے کہہ دیا ”یہ ہمارا خاموش سمجھوتا ہے کہ وہ کھانا پکاتی ہے۔ میز لگانا، سینٹنا اور برتن دھونا میرا کام ہے۔“

”میں نے دیکھا کہ اکثر وہی چائے بنا کر ہمیں سروس کرتی ہے۔“ جلال بہت سنجیدہ تھا۔

”چائے بنانا اس کا کام ہے۔ چار برتن ٹرائی پر رکھ کر ڈرائنگ روم میں لے آتی ہے تو کیا مکالمہ ہے۔ وہ برتن میں ہی دھوتی ہوں۔“ دیر نے دھڑائی سے جواب دیا۔

”تم کہاں ان فضولیات میں الجھ گئے۔“ اول خان نے چکر کر کہا ”یہ عورتوں کے معاملات ہیں“ ان ہی کے درمیان رہنے دو۔ یہ بتاؤ کہ کریم آباد کا کیا قصہ ہے۔“

”فریر پارک میں وجے کے ساتھ مرنے والا تپا خبی تھا۔ راجو اور سیٹھی ہمارے ہاتھ آنے سے بال بال بچ گئے۔“ جلال نے وہ کہانی چھیڑ دی۔

جانے کی وجہ سے اس بھیڑ بھاڑ میں نمایاں کی آجاتی ہے۔ جلال بہت غور سے آنے جانے والوں کا جائزہ لے رہا تھا لیکن اسے ان میں کوئی مشکوک آدمی نظر نہیں آیا تھا۔ اس کے پانچ آدمی اس سے پہلے اس علاقے میں پھیل چکے تھے۔ وائرس ٹرانسمیٹر پر آخری رابطہ ہونے تک وہ بھی کسی مشتبہ شخص کو نوٹ کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکے تھے۔ آنے جانے والوں کی کثرت اور اولڈ کسٹم ہاؤس کے سامنے واقع دکانوں کی بھیڑ ان کے کاموں میں حارج ہو رہی تھی۔

جلال اپنا اپریش ہاتھ میں لیے آرام سے سیٹ پر بیٹھا ہوا تھا کہ ایک ٹریفک کانسٹیبل نے اسے اپنی گاڑی بٹانے کی ہدایت کی۔ جلال وجہ اور رعب دار شخصیت کا مالک تھا۔ جب اس نے سمجھیں کہ اس میں آن ڈیوٹی کے دو الفاظ کے تو وردی پوش سپاہی خاموشی سے آگے بڑھ گیا۔

معاشرے میں موبائل کا چلن تیزی سے عام ہونے کی وجہ سے چھوٹے اپریش لے کر پھرنا بھی مشکل نہیں تھا لیکن گاڑی میں بیٹھ کر اس کا استعمال احتیاط کا متقاضی تھا۔ موبائل فون کان سے لگا کر بات کی جاتی ہے، ٹرانسمیٹر کو منہ کے قریب لا کر بولنا پڑتا ہے۔ جلال نے اسی نزاکت کی وجہ سے ٹرانسمیٹر استعمال نہیں کیا تھا۔ اسے تھاے اپنے آدمیوں کی باتیں سن رہا تھا جو کارآمد نتائج اخذ کرنے کے لیے کافی تھیں۔

پانچ بجنے میں پانچ منٹ پھر ریلوے برج کے پہلو سے نیلے رنگ کی ایک ڈاٹ ڈارٹ کار نمودار ہوئی اور آگے بڑھتی چلی گئی۔ اس میں صرف ایک مقامی چہرہ نظر آیا جو سادہ شہری لباس کے اوپر چمک رہا تھا۔ وہی اگلوٹا سوار اس گاڑی کا ڈرائیور تھا۔ گاڑی پر عام شہری نمبر پلیٹ لگی ہوئی تھی۔

نیلے گاڑی چلیکی اور صاف ستھری تھی وہ آگے جا کر اولڈ کسٹم ہاؤس کی عمارت کے سامنے فٹ ہاتھ سے لگ گئی۔ جلال کے اپریش پر آوازوں کا سیلاب آیا۔ اس کے آدمی ایک دوسرے کو گاڑی کی آمد کی اطلاعات دے رہے تھے لیکن مشتبہ افراد کا دور دور تک کوئی پتا نہیں تھا۔ ان بانجوں نے پہلے سے طے شدہ حکمت عملی کے تحت جلال سے رابطہ کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

جلال نے سست روی سے اپنی گاڑی آگے بڑھا دی۔ بادی النظر میں ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ جیسے اسے کسی پتے کی تلاش ہو۔ اس کی کوشش تھی کہ وہ ٹھیک پانچ بجے ہی نیلے ڈاٹ تک پہنچے۔ اس نے سڑک کے کنارے ٹھہری ہوئی اس گاڑی کی پہلی سی لرزش سے یہ اندازہ لگایا تھا کہ ڈرائیور نے نیلے ڈاٹ کا بجن بند نہیں کیا تھا۔

اچانک ڈاٹ کے قریب ہی فٹ ہاتھ پر چلے ہوئے ایک راہ گیر نے زبردستی گاڑی اور ایک جھیلنے میں گاڑی کا رواروہ کھول

”بن نے عادی نشے بازوں کی ایک بڑی تعداد کو مروانے کی کوشش کی تھی۔“ اول خان جھرمجری لے کر بولا ”یہ لوگ قابل رحم ہوتے ہیں۔ ان کو مارنا کھلی درندگی ہے۔ کل کے اخبار جب مل کی تباہی کی خبر سے خالی ہوں گے تو بن ڈیوڈ اپنا سر پیٹ لے گا۔“

”اس سے پہلے شام ہونے والی ہے۔ پانچ بجے اس کے تین مہرے پٹ جاس گے۔“ جلال بولا۔

”ضرور پیش آئے۔“ اول خان نے اس کی تائید کی ”پانچ بجے کا وقت ان کو کبھی راس نہیں آسکے گا۔ کل پانچ بجے وہ اپنے اور تیرا بھی مرے تھے۔ ٹھیک چوبیس گھنٹے گزرنے کے بعد ان کے باقی دو ساتھیوں کی قسمت کا فیصلہ ہو جائے گا۔ اب تباہی نے ان کا گھڑ دیکھ لیا ہے۔“

”مجھے اس خوش فہمی سے زیادہ فکر یہ ہے کہ ابھی تک پہلی بن ڈیوڈ کے ہاتھ میں ہے۔ وہ اپنی من مانیوں کرنے کی کوششیں کر رہا ہے اور ہم ان کا توڑ کرتے پھر رہے ہیں۔ ابھی تک وہ مرحلہ نہیں آیا جب ہم تیزی سے بڑھ کر اس کا سر چل سکیں۔“

میرے دل میں آئی کہ ان دونوں سے سی ٹائم کے بارے میں پوچھوں لیکن میں نے اس خواہش کا گلا گھونٹ دیا۔ وہ دونوں اپنے تمام تر دستیاب وسائل کے ساتھ بن ڈیوڈ کی کمین گاہ کی تلاش میں لگے ہوئے تھے۔ کہیں سے بھی کوئی آس بندھی ہوئی تو وہ از خود اس کا ذکر کرتے۔ اس بارے میں انہیں چھینڑنا مناسب نہیں تھا۔

غزالہ نے کچن سے ویرا کو آواز دی اور وہ کسی فرماں بردار معاون کی طرح ایک آواز پر دوڑی چلی گئی۔ گھر کی فضا کھانے کی خوشبو سے مہک رہی تھی۔ شاید غزالہ نے کردوں کے ساتھ بریائی بھی تیار کی تھی۔ اشتہا انگیز خوشبوؤں میں بریائی کی خوشبو زیادہ نمایاں تھی۔

میز پر کراکری کھینکنے کی آوازیں آئیں اور پھر غزالہ نے اپنے روایتی انداز میں ایک پلیٹ پر چچا بجا کر کھانا لگ جانے کا اعلان کر دیا۔

جلال ساڑھے چار بجے کسٹم ہاؤس کے قریب موجود تھا۔ دفتری اوقات کار میں سڑک پر پارکنگ کی اجازت نہ ہونے کی وجہ سے اس نے اپنی کار سرے پر روک لی تھی۔ وہاں سے اس ایک طرف سڑک پر آنے والے سارے ٹریفک پر نگاہ رکھی جاسکتی تھی۔

وہ دفتری علاقہ ہے بہت سے دفاتر پانچ بجے بند ہوتے ہیں۔ بعض دیر تک کھلے رہتے ہیں۔ راستوں اور فٹ پاتھوں پر دن میں لوگوں کا زیادہ ہجوم ہوتا ہے۔ دیپر میں بینک کے اوقات کار ختم ہو جانے اور کسٹم ہاؤس میں بعض بند ہو

قیمت پر روکنے کا تہیہ کر چکا تھا۔

پانچ بجے کا وقت راولوں کو اس نہیں آیا تھا۔ جلال کے ذہن میں اولیٰ خان کے الفاظ گونجنے لگے۔ پچھلی شام کے دو ایجنٹوں نے خود کشی کی تھی۔ اس شام تیسرا اپنے مددگار کے ہاتھوں مارا جا چکا تھا۔ چار میں سے صرف ایک باقی رہ گیا تھا جو ڈانچ میں دیکھا ہوا اپنے انجام کا منتظر تھا۔

جلال کے آپریشن پر تیز تیز آوازیں آرہی تھیں۔ مختصر پیغامات کا تبادلہ بتا رہا تھا کہ اس کے تین آدمی ایک گاڑی میں اس کے پیچھے آرہے تھے۔ دو افراد کی گاڑی ٹریفک اور جوم میں پھنس کر بہت پیچھے رہ گئی تھی۔ پانچوں کی جستجو تھی کہ جلال سے پہلے نیلی ڈانچ کو جالیں۔ اس فکر میں انہوں نے را کے ایجنٹ کی لاش دوپٹے چھوڑ دی تھی۔

اگلے چوراسے سے ڈانچ داہنی طرف مڑ گئی۔ اس کی رفتار تیز تھی۔ اچانک ڈانچ نے اپنی راہ میں آنے والی ایک موٹر سائیکل کو ٹکرا کر مارا۔ جلال کی کوشش تھی کہ جلد از جلد درمیانی فاصلہ طے کر لے۔ ایجن پوری طرح اس کا ساتھ دینے پر آمادہ تھا مگر اس مصروف سڑک پر آزادانہ ڈرائیونگ ممکن نہیں تھی۔ وہ نیلی ڈانچ کے ڈرائیور کی طرح سفاک نہیں تھا کہ اپنی راہ میں آنے والے ہر شخص کو پکڑتا ہوا آگے بڑھ جائے۔ اگلے ٹریفک سگنل پر سرخ روشنی کی پروا کیے بغیر ڈانچ پھر داہنی طرف گھوم گئی۔ بسوں اور گاڑیوں کے جھوم میں سے گزرتے ہوئے جلال کو صرف یکسر گئی کہ ڈانچ اس کی نظروں سے اوجھل نہ ہونے پائے۔

ٹاور سے ڈانچ پھر داہنی سمت گھومی اور بل پر چڑھ گئی۔ وہاں جلال کو اپنی گاڑی بھگانے کا موقع مل گیا۔ اس وقت پانچ بج کر صرف چند منٹ ہوئے تھے۔ شام کے ٹریفک کا رواپتی ریل کا کسی بھی لمحے شروع ہو سکتا تھا۔ بل سے تیز الدین خان روڈ پر اترتے ہوئے دونوں گاڑیوں کا فاصلہ کافی کم ہو چکا تھا۔ بل کی ڈھلان ختم ہوتے ہی سڑک کافی کشادہ ہو گئی۔ دونوں گاڑیوں کی رفتار میں اضافہ ہو گیا۔ جلال کو عقب نما آئینے میں اپنے آدمیوں کی جیب بہت قریب نظر آرہی تھی۔ وہ لوگ کسی بھی لمحے جلال کی گاڑی سے آگے نکل سکتے تھے۔

وہ دو ڈبلس کچھ دیر تک جاری رہی پھر نیلی ڈانچ یکایک ایک ہولناک دھماکے کے ساتھ آگ اور سیاہ دھوئیں کے گولے میں بدل گئی۔ اگر جلال پوری قوت سے بریک لگا کر اسٹیونگ نہ کاشا تو وہ اپنی گاڑی سمیت اس بھڑکتے ہوئے بلے میں جا گھستا۔ اس ہولناک حادثے سے بچنے کی کوشش میں اس کی گاڑی کا انجن بند ہو چکا تھا۔

اس کی پیشانی پر ٹھنڈا پانی نہ نکل آیا اور اس نے بے بسی سے اپنا سر اسٹیونگ وہیل پر دے مارا۔ اس کی ساری محنت اس کے پیچھے آنے میں تباہ نہیں کر رہی تھی۔ وہ نیلی ڈانچ کو

کر اس کی عقبی نشست میں ٹھس گیا۔ اس نے وہ حرکت اتنی سرعت سے کی تھی کہ اسے روکنے کے لیے کوئی حرکت میں نہیں آسکا۔ اس کی ٹائمنگ بہت شاندار تھی۔ فٹ پاتھ پر راہ کیوں کی بھڑپیں مل کر چلتا شاید ملتا ہو وہ عین وقت پر نیلی ڈانچ تک پہنچا تھا۔ اسے بس گاڑی میں سوار ہونے کے لیے پھرتی سے کام لیتا پڑا تھا ورنہ فاصلہ کچھ بھی باقی نہیں رہا تھا۔ جلال کا دور ان خون یک بیک تیز ہو گیا۔ ایک شکار پر پیش بندی کو مات دے کر اپنی منزل تک پہنچ چکا تھا۔ اسی لمحے حلیم کے پھیلے پر کھڑے ہوئے دوسرے آدمی نے پلیٹ ایک طرف پھینک کر ڈانچ کی طرف دوڑ لگائی اور گاڑی کے قریب منڈلاتے ہوئے، آگنی بی کے دو آدمیوں نے جھپٹ کر اسے دو بوج لیا۔

ان کی گرفت میں آنے پر وہ چیخ کر پوری قوت سے اچھلا تھا۔ ڈانچ کے ڈرائیور کو اندازہ ہو گیا کہ وہ ساری اچھل کود کے باوجود اپنے حریفوں کی عقائی گرفت سے نہیں نکل سکے گا۔ اس نے جھک کر پیئر سیٹ کی کھڑکی سے ہاتھ نکالا۔ فضا غازی کی ہولناک آواز سے گونج اٹھی۔ ڈانچ کا ڈرائیور بے خطا نشانہ باز تھا۔ اس کی چلائی ہوئی گولی نے آدمیوں کی گرفت میں اچھلتے ہوئے آدمی کی کھوپڑی میں ناک کے راستے سوراخ کر دیا۔

را کا اچھلتا ہوا قیدی بے جان ہو کر آگنی بی والوں کے ہاتھوں میں آ رہا۔ نیلی ڈانچ کا ڈرائیور دوبارہ اپنی جگہ پر جم چکا تھا۔

وہ سب پلک جھپکتے میں ہو گیا۔ جوں ہی جلال کو یہ ادراک ہوا کہ ڈرائیور اپنے رہ جانے والے آدمی کو مار کر بھاگ رہا تھا، اس نے اپنی گاڑی کی رفتار بڑھا دی۔ وہ اپنی گاڑی کا پایاں حصہ نیلی ڈانچ کے ڈرائیور والے دروازے سے پیوست کر دینے کا ارادہ کر چکا تھا مگر تصادم سے ڈرائیور ڈانچ حرکت میں آگئی۔ جلال کی گاڑی اس کے عقبی دروازے سے ٹکرائی تھی۔ اس پر شور تصادم کے باوجود نیلی ڈانچ نہیں رکی۔ اس کی رفتار یکثرت تیز ہو گئی۔

پہلا مسلک فائر ڈانچ کے ڈرائیور نے کیا تھا۔ ہر طرف افزا تفری پھیل گئی۔ جس کا جھرمٹہ سایا وہ ادھر دوڑ پڑا۔ پھر مزید دو فائر ہوئے جو ڈانچ کے ٹائروں پر کیے گئے تھے۔ ڈانچ نہیں رکی۔ شاید دونوں نشانے خطا ہو گئے تھے کیونکہ سڑک اور فٹ پاتھوں پر لوگ بگٹل دوڑے جا رہے تھے۔

اس سے پہلے کہ ہراساں لوگوں کا سرگ پر دوڑنے والا ریل اس کی راہ مسدود کر دیتا۔ جلال نے ہارن بجاتے ہوئے اپنی گاڑی کی رفتار بڑھا دی۔ اسے امید تھی کہ اس کے آدمی اس کے پیچھے آنے میں تباہ نہیں کر رہے۔ وہ نیلی ڈانچ کو

اوقات آخری مالک تک پہنچنا دشوار ہو جاتا ہے۔ یہ بات تم بھی اچھی طرح جانتے ہو۔“

”سب کچھ جانتا ہوں لیکن اس وقت میرا ذہن ماؤف ہے۔ مایوسی اور بے بسی کے احساس نے سوچنے مجھے کی صلاحیت سلب کر لی ہے۔“ وہ پھسکی اور بے جان مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

”تم بلاوجہ بد دل ہو رہے ہو۔ میں تمہیں اتنا جذباتی نہیں سمجھتی تھی۔“ ویرانے اسے سمجھانا چاہا ”بڑی لڑائیوں میں ایسا ہوتا رہتا ہے۔“

یہ سب بن ڈیوڈ کے نام پر ہو رہا ہے۔ وہ ہاتھ اگیا تو میں اس کا شر خراب کر دوں گا۔“ وہ غصے سے منھیاں بھیج کر بولا۔

”سی ٹائمن کی تلاش پر آدمیوں کی تعداد بڑھاؤ۔ وہ وہیں سے ہاتھ آسکتا ہے۔“ میں نے مشورہ دیا۔

”ذہنی نے صحیح مسئلے کی نشاندہی کی ہے۔“ ویرانے پر زور انداز میں میری تائید کی ”راواؤں کا نام و نشان مٹ چکا ہے۔ اب تمہیں یک سو ہو کر بن کے پیچھے لگ جانا چاہیے۔“

مجھے اپنے آدمیوں سے ڈاج کے بارے میں رپورٹ مل جائے تو میں کچھ کرتا ہوں۔“ اس نے پرمعزم لمحے میں کہا۔

وہ محققو جاری تھی کہ فون کی کھنٹی بجنے لگی۔ میں نے ریسپور اٹھایا تو دوسری طرف سے اول خان بول رہا تھا ”مبارک ہو۔ میرے آدمیوں نے سی ٹائمن کا سراغ لگا لیا ہے اور عمارت کی نگرانی شروع کر دی ہے۔ جلال سے بات یا ملاقات ہو تو پوچھ لینا کہ اسے آئی بی اٹھائے گی یا میں پیش قدمی شروع کر دوں۔“

وہ اس دن کی سب سے بڑی خبر تھی لیکن ڈاج کے واقعے نے میری طبیعت نکدر کی ہوئی تھی۔ میں نے سپاٹ لمبے میں کہا ”جلال یہاں موجود ہے۔ اگر خود پروگرام طے کر لو۔“

”وہ اگیا؟“ میرے کان میں اول خان کی تھیر زدہ آواز گونجی ”راجا اور سیٹھی کا کیا رہا۔“

”وہ بھی جہنم واصل ہو گئے۔ تمہاری پیش گوئی پوری ہو کر رہی ہے۔ بس تم جلدی آجاؤ۔ ہم سب تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔ بات کیامانی جلال سے سن لینا۔“

”میں گھر پر ہوں، دس منٹ میں پہنچ رہا ہوں۔“ اول خان نے یہ کہہ کر فون بند کر دیا اور میں ایک نئی سوچ میں ڈوب گیا۔

انسانیت کے دشمنوں کے خلاف جاری اس جنگ کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں

لیا تھا۔

اس نے اپنی گود میں بڑا ہوا ابریش اٹھایا اور رواں پیغام ختم ہوتے ہی بن دیا کر بولنا شروع کر دیا ”کھیل ختم ہو گیا۔ میرے لیے یہاں کچھ نہیں رہا۔ پانچوں رک کرتا چلاؤ کہ ڈاج کیسے تباہ ہوئی اور موبائل پر مجھے رپورٹ دو۔ میں جا رہا ہوں۔ اور اینڈ آل۔“

دونوں طرف ٹریفک رک چکا تھا۔ لوگ گاڑیوں سے اتر کر ڈاج کے دھڑا دھڑ جلنے کا منظر دیکھ رہے تھے۔ جلال کی گاڑی سب سے آگے تھی۔ اس نے انجن اشارت کیا اور ڈاج کی بھڑکتی ہوئی چتا کی بائیں جانب سے آگے نکلتا چلا گیا۔

”ڈاج میں بہت خوفناک آگ لگی تھی۔ سب جل کر راکھ ہو گیا ہو گا۔ میرے لیے وہاں کچھ نہیں بچا تھا۔“ اس نے اپنی پوری کہانی ختم کرنے کے بعد افرادگی سے سر ہلاتے ہوئے کہا ”میں وہاں سے سیدھا تم لوگوں کی طرف چلا آیا تاکہ اپنے دل کا بوجھ کچھ ہلکا کر سکوں۔“

”تم ڈاج کے بالکل پیچھے تھے۔ تمہیں کچھ تو اندازہ ہوا ہو گا کہ اس میں آگ کیسے لگ گئی۔“ میں نے زری سے پوچھا۔

”سبیل میں سمجھا تھا کہ اس کا انجن پھٹ گیا لیکن وہ انجن پھٹنے کی آواز نہیں تھی، بہت زبردست بارودی دھماکا تھا۔“

”پھر آتش گیر مواد گاڑی میں پھنسا دیا ہو گا۔“ ویرانے رائے دی ”وہ لوگ خیریت سے واپس لوٹ جاتے تو اس مواد کو خاموشی سے نکال لیا جاتا۔ ان کا کھیل بگڑ گیا تھا۔ تم مسلسل پیچھا کر رہے تھے۔ ان کے پیچھے کی کوئی راہ باقی نہیں رہی تھی۔ اس واقعے کی لمحہ بہ لمحہ رپورٹ لینے والے نے کہیں ریموٹ کنٹرول کا ایک بن دیا اور ڈاج اپنے سواروں سمیت بارودی دھماکے سے اڑ گئی۔“

”بن ڈیوڈ پر برا وقت آیا ہوا ہے۔ وہ خود روپوش ہے۔ ایسی زبردست تیاری اس کے بس کی بات نہیں تھی۔“ میں نے کہا۔

”اس کی ڈور امریکی ایجنسیاں ہلا رہی ہیں۔“ ویرا بولی ”یہ ان کا خاص طریقہ واردات ہے۔ اپنے کسی آدمی سے ان کو کوئی سنگین خطرہ درپیش ہوتا ہے تو وہ خاموشی سے اسے مروا کر وہ کناہ کسی اور کے سر منڈھ دیتے ہیں۔“

”یہ بات زیادہ دیر تک پردہ راز میں نہیں رہ سکے گی۔“

میر نے ڈاج کا نمبر نوٹ کر لیا تھا۔ میں پتا چلاؤں گا کہ اس کا مالک کون ہے۔“ جلال نے کہا۔

”شاید اس مشقت سے کچھ بھی حاصل نہ ہو۔“ میں نے مایوسی سے کہا ”گاڑیاں اوپن لیٹر پر دس بار بک چکی ہوئی ہیں۔ ان کا رجسٹریشن پرانے مالک کے نام پر ہوتا ہے اکثر

بازگشت گو بجھے گی۔ اس نے صحیح کہا تھا کہ امریکی ایجنسیوں کو اپنے کسی آدمی سے کوئی سنگین خطرہ لاحق ہوتا ہے تو وہ خاموشی سے اسے مروا کر اس کا خون کسی اور کے سر منڈھ دیتے ہیں۔

ڈرائیور کے ساتھ بھی یہی کچھ ہوا تھا۔ اسے بارود کے ڈھیر پر سوار کر کے کراچی کسٹم ہاؤس کی طرف روانہ کر دیا گیا۔ وہ مشن بہت اہم تھا۔ ڈرائیور کو اس کے دو گھاگ ایجنٹوں کو اپنے ساتھ کسی نامعلوم مقام پر لے جانا تھا جہاں بن ڈیوڈ کی خواہش کے مطابق انہیں تباہ کن ہتھیاروں کی ایک نئی کھیپ فراہم کی جانی تھی جس کے ذریعہ وہ کراچی میں قتل و غارت گری کا بازار گرم کر سکیں۔

میں نے جتنا غور کیا، ویرا کی رائے سے اسی قدر متفق ہوتا چلا گیا۔
 ”اول خان کی آمد سے پہلے جلال کے اہریش پر اس کے لیے کال آگئی۔ اس درمیان میں اس کے آدمیوں کے درمیان بھی کوئی مکالمہ نہیں ہوا تھا۔
 ”سر! آگ بجھا دی گئی ہے۔ گاڑی کی پچھلی سیٹ کے چیتھڑے اڑ گئے ہیں۔“ اس کے آدمی نے اس طرف سے جواب ملنے پر کسی تمہید کے بغیر رپورٹ دی۔
 ”کیسپرٹ کیا کہتا ہے؟“ جلال کی آواز سے فکر مندی مترشح تھی۔

”کم از کم پانچ کلو گرام بارودی قوت کا مواد پچھلی سیٹ کے نیچے چھپا ہوا تھا جسے ریموٹ کنٹرول کے ذریعے چلتی کار میں اڑا دیا گیا۔ دھماکا پٹرول کی ٹینکی کے ساتھ ہوا تھا۔ بارود پھٹنے ہی پٹرول نے آگ پکڑ لی۔ کار میں دو لاشیں موجود ہیں جو جل کر ہری طرح مسخ ہو گئی ہیں۔“
 ”لاشیں سالم حالت میں ملی ہیں!“ جلال کی آواز میں ہلکی سی حیرت عود کر آئی۔

”دھماکے سے دونوں بری طرح زخمی ہوئے ہوں گے اور اسی وجہ سے مرے ہوں گے مگر ان کے بیشتر اعضا صحیح سلامت رہ کر چلے ہیں۔ ڈرائیونگ سیٹ والے کی موت سر کی شدید چوٹ کا نتیجہ معلوم ہوتی ہے۔ دوسرے کی پسلیوں میں آہنی چادر کا ایک برا ٹکڑا آر پار اترا ہوا ہے۔ یہ ابتدائی اندازے ہیں۔ صحیح کمائی لاشوں کے پوسٹ مارٹم کے بعد سامنے آسکے گی۔“

گاڑی میں دھماکا ہونے کے بعد کسی سوار کا زندہ بچ جانا مجھ سے کم نہ ہوتا۔ دھماکے کے نتیجے میں اڑنے والے طے کے ٹکڑوں نے تیز دھار چھریوں کی طرح دونوں سواروں

چوڑا نے انگلی جس بیورو والوں کی کڑی گرفت میں آنے کے بعد اپنے جس سیٹ ورک کی نشاندہی کی تھی اس کا قلع قمع ہو چکا تھا۔ را کے پاکستانی کارندے پکڑے گئے تھے۔ بھارت سے آئے ہوئے را کے چاروں ایجنٹ ایک ایک کر کے خود ہی اپنے عبرت انگیز انجام سے دوچار ہو چکے تھے۔ وسے کو جلال نے اپنا قیدی بنایا ہوا تھا مگر اسے تباہی باغ جناح یا فریر پارک والے ہولناک دھماکے میں اپنے ساتھ لے مرا۔ راجو اور سیٹھی میں سے ایک کراچی کسٹم ہاؤس کی پر شکوہ عمارت کے سامنے اپنے دوسرے ساتھی کے ہاتھوں گتے کی موت مارا گیا۔ دوسرے کو نیلی ڈانج کا خوفناک دھماکا اپنے ساتھ لے اڑا۔

وہ کل چار تھے۔ ان میں سے کوئی باقی نہیں رہا تھا۔ معنی خیز بات یہ تھی کہ ان میں سے کسی پر ہم نے ایک گولی بھی نہیں چلائی تھی پھر بھی وہ سب ہمارے پسندیدہ انجام سے دوچار ہوئے تھے۔ شاید یہ قدرت کی طرف سے ایک غیبی اشارہ تھا کہ تقدیر ہمارا ساتھ دے رہی تھی۔ موت ہمارے دشمنوں کا از خود پیچھا کر رہی تھی۔ ہمیں ان کے خون سے اپنے ہاتھ گندے کرنے کی کوئی ضرورت پیش نہیں آئی تھی۔ اگر وہی صورت حال مزید چند روز تک جاری رہتی تو شاید بن ڈیوڈ بھی ان چاروں کی طرح از خود کفر کردار کو پہنچ جاتا۔

ان چاروں کے ساتھ، نیلی ڈانج کا ڈرائیور بے موت مارا گیا تھا۔ وہ ہمارے مجرموں کا ساتھی ضرور تھا لیکن کسی سنگین جرم میں ملوث نہیں تھا۔ جب اس کے آقا نے نیلی ڈانج میں کسٹم ہاؤس سے دو مہمانوں کو لانے کے لیے روانہ کیا ہو گا تو یہ بات دور دور تک اس کے وہم و گمان میں نہیں رہی ہو گی کہ اس ڈیوٹی میں اسے کوئی حادثہ بھی پیش آسکتا تھا۔ میرا قیاس تھا کہ وہ سفید پوش اور غالب طور پر امریکی مجرموں کا ملازم تھا۔ وہ امریکی تفتیشی طور پر سی آئی اے کے سفاک افسران رہے ہوں گے جن کے نزدیک ہر قیمت پر اپنے مقاصد کا حصول اولین اہمیت رکھتا ہے وہ اپنا کام پورا کرنے کے لیے کسی اخلاقی یا قانونی حد کی پابندی کرتے ہیں نہ انسانی خون کی حرمت کا پاس کرتے ہیں۔ جو ان کی راہ میں حائل ہوتا ہے اسے نہایت بے رحمی اور سفاکی سے روندتے ہوئے آگے بڑھ جاتے ہیں۔ اپنے مشن کی تکمیل کے چکر میں وہ اتنے اندھے اور سرمدھر ہو جاتے ہیں کہ اپنے اور پرانے کی بھی پروا نہیں کرتے۔

میرے ذہن میں ویرا کے کہے ہوئے تازہ الفاظ کی

کو ادھیڑ کر رکھ دیا ہوگا۔

”دوسرے کی لاش کیسے سالم رہ گئی؟“ اپنے آدمی کی پوری بات سنتے ہی جلال نے بے ساختہ کہا ”دوسرا آدمی تو کارٹے پیچھے دروازے سے اندر گھسا تھا۔“ وہ اعتراض کرتے ہوئے اسے خود ہی اپنی غلطی کا احساس ہو گیا اور اس نے اپنی بات کی تصحیح کرتے ہوئے بلا توقف بات جاری رکھی۔ ”گاڑی میں صرف وہ دونوں تھے۔ بھاگ دوڑ کا آغاز ہوتے ہی وہ پیچھے سے اچک کر مینجر سیٹ پر آ گیا ہوگا۔ ایک دوسرے کے برابر میں موجود رہ کر وہ دونوں حالات کا بہتر انداز میں مقابلہ کر سکتے تھے۔ لاشیں اگلی نشستوں سے ملی ہوں گی۔“

”نشیتیں کیا، بس پیکے اور جھلے ہوئے آہنی فریم رہ گئے تھے۔ آثار اس بات کی کھلی تائید کر رہے ہیں کہ وہ دونوں آگے بیٹھے ہوئے تھے۔“ بولنے والے کے انداز و لب و لہجے سے اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ جلال کا ماتحت ضرور تھا لیکن کوئی نہ کوئی ذمہ دار افسر تھا۔

”ریموٹ کنٹرول والے نظریے میں کتنی جان نظر آتی ہے؟“ جلال نے گہری تنجید کی سے پوچھا۔ ”دھماکے کی صرف دو صورتیں ممکن تھیں۔ اگر یہ بارغ جناح کے کل والے واقعے کی طرح خود کش بم کی واردات ہوتی تو ان دونوں میں سے کم از کم ایک کی لاش کے چھٹھڑے بھی مشکل سے ملتے۔ دوسری صورت ریموٹ کنٹرول کی رہ جاتی ہے۔ گاڑی کے دھماچے سے کافی فاصلے پر آہنی چادر کا ایک جھلسا ہوا بکس ملا ہے جس میں جلے ہوئے تاروں کا گچھا اور پگھلا ہوا پلاسٹک بھی موجود ہے۔ بم ایکسپرٹ کو قوی شبہ ہے کہ دھماکے خیز مادے کا ریموٹ کنٹرول اسی بکس میں نصب تھا۔“ دوسری جانب سے جواب آیا۔

”اوکے دلاور۔ یہ بہت بڑی چوٹ ہو گئی۔ ان دونوں کو زندہ ہمارے ہاتھ آنا چاہیے تھا۔“

”ہاتھ آنے میں کوئی گمراہی نہیں رہی تھی۔ میں آپ کی گاڑی کے پیچھے اسکوئزر پر آ رہا تھا۔ مجھے امید تھی کہ کہیں بھی آپ نیلی ڈانچ کو روکیں گے اور ہم ان دونوں کو گھیر لیں گے۔ اس دھماکے کے بارے میں، میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ سڑک پر برق رفتار سے دوڑتی ہوئی گاڑی اچانک شعلوں کی چٹامیں بدلی تو میں بھونچکا رہ گیا تھا۔“

جلال نے دعائیہ کلمات کے ساتھ اس کال کا سلسلہ ختم کر دیا۔

”اور کچھ ہو یا نہ ہو، یہ بات کھل کر سامنے آگئی کہ بن

”شاید اسے ان کی بے اعتمادی سے زیادہ ان کی محتاط روی کتنا چاہیے۔“ جلال نے میرے دل کی بات کہہ دی ”وہ بہت گھٹا اور ہٹکار ہیں۔ بساط پر معمولی مہروں کو حرکت دیتے ہوئے بھی پورے چونسٹھ خانوں پر نظر رکھتے ہیں اپنی احتیاط کی وجہ سے انہوں نے اس بار ہمارے جال کی ہر ڈوری کاٹ دی اور ہم ہاتھ ملتے رہ گئے۔“

”یہ سوچا بھی نہیں جاسکتا تھا کہ وہ اپنے آدمیوں کو خود مار ڈالیں گے۔“ سلطان شاہ اپنی بات پر اڑا رہا۔

”وہ سب کچھ کر گزرنے کے اہل ہیں۔“ ویرا کے لہجے میں ہلکی سی تلخی آئی۔ ”امریکا میں لوگ آج بھی اپنے صدر جان ایف کینیڈی کے قتل کی واردات کا ذکر کرتے ہیں۔ ان کی ایک قابل لحاظ تعداد کو آج بھی پوری نیک نیتی سے یقین ہے کہ کینیڈی کا برسر عام اور سفاکانہ قتل اس کی اور سی آئی اے کی چیپٹلش کا شاخسانہ تھا۔ روس اور امریکا کی بدترین سرد جنگ کے اس دور میں سی آئی اے نے امریکی صدر کو اپنے ملک کے لیے سیکورٹی رسک سمجھتے ہوئے مروا دیا۔“

”تم یہ باتیں اتنے اعتماد سے کرتی ہو جیسے وائٹ ہاؤس میں پل بڑھ کر جوان ہوئی ہو!“ سلطان شاہ نے اس پر گہرا طنز کیا۔

”میں وہاں نہیں رہی لیکن میرے باپ کو کسی روک ٹوک کے بغیر، ہر وقت صدر تنک رسائی کی آزادی حاصل تھی۔“ ویرا نے فخر سے بتایا ”یہ نہ بھولو کہ جی لائیڈ وائٹ ہاؤس کی اندرونی گزرگاہ پر کسی نادیدہ رانقل کا نشانہ بنایا گیا تھا۔“

”اور تمہارے ابا حضور تمہیں امریکی صدر سے ہونے والی پوری گفتگو سے آگاہ کر دیا کرتے تھے!“ سلطان شاہ بولا۔

”سب کچھ نہیں تو بہت کچھ میرے علم میں ضرور آ جاتا

تھا۔“ ویرا آسانی سے شرمندہ ہونے والوں میں سے نہیں تھی۔ جو بات کہہ گزرتی تھی، آخری دم تک اس کا دفاع کرتی تھی۔

”بڑے اور دیدہ دلیر مجرم اپنی دھاک بٹھانے کے لیے ایسی افواہیں پھیلاتے رہتے ہیں۔ مقتدر لوگوں سے ان کے قریبی مراسم کی سینہ بہ سینہ چلنے والی کہانیاں دوسروں کو ان سے خوف زدہ کیے رکھتی ہیں اور انہیں اپنا کام آگے بڑھانے میں کوئی بڑی دقت پیش نہیں آتی۔“ اس وقت سلطان شاہ کو بھی دور کی سوچ رہی تھی۔

چند ثانیوں کے لیے ویرا کے چہرے کا رنگ متغیر ہو گیا۔ اس سے پہلے کہ وہ سلطان شاہ کے جواب میں پھٹ پڑی، میں نے بات سنبھال لی اور سلطان شاہ سے کہا ”یہاں تم سے غلطی ہو رہی ہے۔ تم بھول رہے ہو کہ شی کی تخلیق امریکا کے ایوان صدر میں ہوئی تھی اور سپر آئی مین صدر خود نامزد کرتا تھا۔“

”مجھے سب معلوم ہے لیکن ویرا کے لیے کوئی جواب ہونا چاہیے۔“ اس نے جل کر کہا۔

سلطان شاہ کے جوابی لہجے پر غزالہ ہنس پڑی۔ جلال کے ہونٹوں پر بھی ایک بے جان مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔

”تم جو چاہو کہتے رہو، میری صحت پر کوئی فرق نہیں پڑے گا۔“ ویرا کسی قدر جذباتی لہجے میں بولی ”ڈینی درست کہہ رہا ہے۔ آئی مین اور سپر آئی مین ہونے کے لیے ایک یا دو سطور آئیز کا ہونا کافی ہے۔ ان کے سہارے ایک بزدل چوہا بھی شی کے اصل کارندوں سے اپنا اختیار منوا سکتا ہے۔ شی کی سربراہی کچھ اور سینے رکھتی تھی۔ جی لائیڈ کو امریکا کے صدر نے شی کے سربراہ کے منصب پر مقرر کیا تھا اور پھر صدر کے اشارے پر جی لائیڈ کو مار دیا گیا۔ اسی کے ساتھ شی کا وہ سنہرا دور ختم ہو گیا۔ اب شی، شی نہیں رہی۔ یہاں بن ڈیوڈ جیسا چھچھورا اس کی سربراہی کا خواب لے کر آیا ہے۔ میرے لیے یہ تصور ہی اذیت ناک ہے کہ بن اس طرح میرے مرے ہوئے باپ کی عظمت کو داغ دار کرتا پھرے اور میں ہاتھ پر ہاتھ دھرے تماشا دیکھتی رہوں۔“

سلطان شاہ کے بصر سے ظاہر ہو رہا تھا کہ ویرا کو کوئی چبھتا ہوا جواب دینے کے لیے اس کے دماغ میں کیڑے کبابا رہے تھے مگر اس وقت ویرا کو چھینڑنا قیامت سے کم نہ تھا۔ اس کے باپ نے عملی طور پر اس تعلیم اور تربیت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، اپنی زندگی میں اسے کبھی کسی مالی محرومی کا احساس نہیں ہونے دیا، حد یہ تھی کہ لاپرواہی کی سرحد سے

جوانی کے دور میں داغ ملے کے وقت وہ خود ڈان مریانو نامی نوابی ایتلیک کا بہروپ دھار کر روم اور میلان کے اطالوی ہسپتالوں میں ویرا کو مردوں کا شکار کھیلنے کی تربیت دیتا رہا۔ مگر اس نے اپنی پوری زندگی میں کبھی برسر عام ویرا کو اپنی جائز یا ناجائز بی شلیم نہیں کیا۔ اس کے باوجود ویرا کے دل میں اپنے باپ کے لیے بے پناہ پیار تھا۔ وہ اس کے بارے میں کوئی ناشائستہ یا تنقیدی آمیز بات برداشت نہیں کر سکتی تھی۔

میں نے ویرا کو عملی طور پر بہت قریب سے دیکھا تھا اور اس نتیجے پر پہنچا تھا کہ اس کا مزاج بالکل اپنے باپ پر گیا تھا۔ وہ دل ہی دل میں، چپکے چپکے اپنے باپ سے محبت کرتی تھی مگر سامنا ہونے پر سرخس دھکاتی تھی۔ اس کے احکام سے سرتابی کرتی تھی۔ حد یہ تھی کہ جب شی کے خلاف میری کارروائیاں ایک حد سے تجاوز کر گئیں اور جی لائیڈ نے مجھے شی کا باغی قرار دے کر میرے قتل کا فرمان جاری کر دیا تو ویرا اپنے باپ سے بغاوت کر کے میرے ساتھ مل گئی۔ ان دنوں زیر زمین دنیا میں یہ کہانی زبان زد خاص و عام تھی کہ جی لائیڈ کی بیٹی اپنے باپ کے بدترین دشمن پر مر مٹی ہے۔ ویرا کو اس بات کی پرکھ کے برابر بھی پروا نہیں تھی کہ دنیا اس کے بارے میں کیا کہہ رہی تھی۔ وہ زندگی بھر من مانیان کرنے کی عادی رہی تھی۔ اس کے باپ نے خود اسے سکھایا تھا کہ کسی کے سامنے جھکنے کے بجائے اسے جھکانے کی کوششوں میں اپنی جان پر کھیل جانا ہر اعتبار سے باعث فخر و عزت ہوتا ہے۔ میرے معاملے میں اس نے اپنے باپ کی ایک نہ مانی اور اپنے دل کے فیصلے پر چل پڑی۔

جی لائیڈ سے اس بغاوت کے نتیجے میں ویرا کچھ بھی حاصل نہ کر سکی۔ اسے یہ زعم تھا کہ وہ اپنے باپ کے سکھائے ہوئے طور طریقوں سے کام لے کر مجھے بہت آسانی سے زیر کر لے گی۔ اس دور میں مجھے شی کی صفوں میں اپنے کسی ہمدرد اور ہم نوا کی اشد ضرورت تھی۔ میں نے اپنی ضرورت کے تحت ویرا کی اس خوش فہمی کو دل کھول کر ہوا دی اور بظاہر اس کے سامنے سپر ڈال دی۔ نتیجہ وہی نکلا جو میں چاہتا تھا۔ جی لائیڈ کے ساتھ ویرا کا رویہ سخت سے سخت تر ہوتا چلا گیا اور آخر کار ایک ایسا وقت آگیا جب ویرا بھی میری طرح جی لائیڈ کے عتاب کا نشانہ بن گئی۔

ویرا میرے بارے میں سنجیدہ تھی۔ میں بظاہر اس کا کھلونا بن کر اس سے کھیل رہا تھا۔ وہ کھیل زیادہ دنوں تک نہیں چل سکتا۔ لیکن نے ویرا کے ذہنی اپنے مقاصد حاصل

بات چونکاتی ہے۔“ جلال نے اعتراف کیا۔ مجھے خوشی ہوئی کہ ویرا کا روئے سخن سلطان شاہ کے بجائے جلال کی طرف ہو گیا تھا۔

”بھڑکی کے پاس وہ فنڈ کہاں سے آرہے تھے۔ مجرم گھانے کی سرمایہ کاری کبھی نہیں کرتے!“ ویرا نے سوال کیا۔

”اس بارے میں کئی نظریے ہیں۔ زیادہ تر قیاس یہ ہے کہ ایک مشہور امریکی فاؤنڈیشن امریکا کی نئی نسل کو ہیروئن سے بچانے کے لیے شی کی بھاری سرمایہ فراہم کر رہی تھی۔ اس کی دیکھا دیکھی دوسرے خیراتی ادارے بھی شی کی مدد کر رہے ہوں گے۔“

”یہ افواہ حقائق کو چھپانے کے لیے پھیلائی گئی تھی۔ شی کو اصل سرمایہ امریکی صدر کے سیکرٹ فنڈ سے فراہم کیا جاتا تھا۔ اس فنڈ کا ریکارڈ ہوتا ہے نہ آئینی طور پر اس کا آؤٹ ہو سکتا ہے۔“ ویرا نے پر زور لہجے میں بتایا ”ہو سکتا ہے صدر کے ایما پر خیراتی ادارے بھی ایسا کرتے ہوں۔“

”حیرت یہ ہے کہ امریکا جیسے جمہوری ملک میں صدر کو ایسے اختیارات حاصل ہیں۔“

”یہ تو کوئی نئی بات نہیں ہے سیکرٹ فنڈ ہر ملک میں ہوتا ہے۔ ان رقوم سے سیاسی مخالفین کو خریدا جاتا ہے۔ امریکا میں طویل جمہوری تسلسل پایا جاتا ہے۔ وہاں حکومت کو کبھی اپنے چار سالہ دور میں سنگین سیاسی مخالفت کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ یہ فنڈ دوسری مدوں میں استعمال ہوتا ہے بیشتر حصہ سی آئی اے کھا جاتی ہے۔“

”تمہارا انکشاف سنٹی خیراد خیال انگیز ہے۔“

”یہ بہت پرانی باتیں ہیں جو تیسریں نئی معلوم ہو رہی ہیں۔ میں اپنے باپ کا دفاع نہیں کر رہی۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ امریکا کے صدر نے اسے شی کی تشفی پر آمادہ کیا تھا اور آج بھی بن ڈیوڈ شی کی آڑ میں جو مشن لے کر پاکستان آیا ہے اسے صدر کی پوری حمایت حاصل ہوگی۔“

”تم ان باتوں کو دہرا کر ہمارے حوصلے پست کر رہی ہو۔“ غزالہ نے شکایت کی۔

”کیوں؟ ان باتوں سے تمہارا حوصلہ کیوں پست ہو رہا ہے؟“ ویرا نے پوچھا۔

”جلال اور اول خان کسی نہ کسی حیثیت میں سرکاری اہل کار ہیں۔ ان کو الگ کر دو تو ہم چار نفوس رہ جاتے ہیں۔“ غزالہ بولی ”میرے لیے یہ خیال بہت تکلیف دہ ہے کہ ہم چار آدمی ایک سپر پاؤرس اپنا سرنگار رہے ہیں۔“

کر لیے لیکن وہ اپنے مقصد کے حصول میں یکسر ناکام رہی۔ میرے دل میں غزالہ پہلے سے بسی ہوئی تھی۔

ویرا کی ذاتی زندگی حسرتوں اور ناکامیوں سے عبارت تھی۔ میرے بلکہ ہم سب کے دلوں میں اس کی قدر صرف اس لیے تھی کہ میری چاہت میں اس نے پاکستان کو اپنے وطن سے زیادہ چاہنا شروع کر دیا تھا۔ وہ امریکیوں اور ان کی بیشتر خصلتوں سے متنفر ہو چکی تھی۔ انتخاب کے ہر موقع پر اس نے امریکا کو ٹھکرا کر پاکستان کی حمایت کی تھی۔ وہ کھری اور سچی حمایت تھی جس کے جواب میں اس بے چاری کو کچھ بھی نہیں مل سکا تھا اور نہ اسے کچھ پانے کی امید رہی تھی۔

ہم تینوں محض اس کی دل جوئی کر کے اسے خوش رکھ سکتے تھے۔ ہماری ان کوششوں کو اکثر سلطان شاہ کی طرف سے زک پہنچتی رہتی تھی۔ وہ دل کا برا تھا نہ بد زبانی اس کی عادت تھی۔ نہ جانے کیا بات تھی جب بھی اس کے اوپر اس کے درمیان کوئی گفتگو شروع ہوتی تھی تو موضوع سخن حیرت ناک سرعت سے تلخ و ترش ہوتا چلا جاتا تھا۔ مجھے اس وقت بھی کچھ دہی ہی صورت حال رونما ہوتی دکھائی دے رہے تھے اس لیے میں نے آنکھ کے اشارے سے سلطان شاہ کو خاموش کر دیا۔

یہ اس کی سعادت مندی یا معاملہ فہمی تھی کہ وہ میرے اشاروں کنایوں کو کبھی نظر انداز نہیں کرتا تھا۔ اس نے ویرا کے جواب میں اپنی زبان بند کر لی۔

”میرے لیے یہ نئی اطلاع ہے کہ جی لائیڈ نے امریکی صدر کے اشارے پر شی کی داغ بیل ڈالی تھی۔ ہمارے ریکارڈ میں ایسی کسی بات کا ذکر نہیں ملتا۔“ جلال نے حیرت ظاہر کی۔ اس کے سامنے وہ موضوع پہلی بار زیر بحث آیا تھا۔ اس سے کوئی بات کیے بغیر میں نے یہ فرض کیا ہوا تھا کہ وہ شی کے بارے میں سب کچھ جانتا ہو گا۔

”اس بارے میں تمہارا ریکارڈ کیا کہتا ہے؟“ ویرا نے تیکے انداز میں پوچھا۔

”جی لائیڈ زیر زمین دنیا کا ایک ممتاز فرد تھا۔ یہ سب کیا دھرا اسی کا ہے۔ ہمارے پاس شی کی یہی تاریخ ہے۔“

”شی کی اصل تاریخ میں ہوں۔“ ویرا نے اپنے سینے پر ہاتھ مار کر کہا ”سب کچھ میرے سینے میں دفن ہے تم نے مجھی یہ نہیں سوچا کہ شی نے پاکستان سے ایک پیسہ نہیں کمایا۔ منگنے داموں خریدی ہوئی ہیروئن کو سستے داموں میاں پھیلائے میں لاکھوں ڈالر خرچ کیے ہیں۔“

”شی کے بارے میں سوچتے ہوئے سب تنہا پہلے ہی

”محبوبہ پالنے کے قائل نہیں ہو۔ صرف بیوی برا کھاتا کرتے ہو جو گھر پر بیٹھی ہوگی۔ یہاں کون تھا جس سے ملنے کے لیے اتنے بے تاب ہوئے جا رہے تھے۔“

جلال کبھی کبھی اپنی سنیا رٹی کا فائدہ اٹھا کر زیادہ بے تکلفی کا مظاہرہ کر جاتا تھا مگر اول خان ہمیشہ اس کا لحاظ کیا کرتا تھا۔ اس نے کسی جوانی خوشی کا مظاہرہ کرنے کے بجائے سنجیدگی سے کہا ”مرد اپنی روزی کمانے کے لیے گھر سے نکلتا ہے تو کام پورا کرنے سے پہلے اسے گھبراہٹ والی یاد نہیں آتی۔ میرا کام ابھی ادھورا ہے۔“

”جلال نے یہی تو پوچھا ہے۔ یہاں تم کس سے ملنے کے لیے اتنے بے چین تھے۔“ ویرا نے مسکراتے ہوئے لقمہ دیا۔ ”کم از کم وہ تم نہیں ہو۔ اس وقت میرے لیے جلال سے ملنا سب سے زیادہ ضروری تھا۔“ اول خان نے اسے لاجواب کر دیا۔ یہ اس کا مزاج تھا کہ وہ متانت سے گفتگو کرتا تھا۔ نوک جھونک اور فقرے بازی سے حتی الامکان گریز کرتا تھا کیوں کہ اس طرح کسی کی دل آزاری ہو سکتی تھی۔ وہ دل رکھنے والوں میں سے تھا۔ اپنی باتوں سے کسی کا دل دکھانے کو گناہ سمجھتا تھا جب کہ ویرا اور سلطان شاہ کی طبیعتیں اس سے بالکل مختلف بلکہ متضاد تھیں۔

”تم نے بالکل صحیح کہا تھا۔ پانچ بجے شام کا وقت را والوں کو راس نہیں آیا۔ دو کل اسی وقت مارے گئے تھے۔ دو آج آگے پیچھے جنم واصل ہو گئے۔ چوبیس گھنٹوں کی قلیل سی مدت میں چاروں حیرت ناک سرعت کے ساتھ اپنے اپنے کیفرِ کردار کو پہنچ گئے۔“ جلال بولا۔

”آخاریہ بتا رہے تھے کہ اگلے چوبیس دنوں میں بھی ان کا سراغ نہیں مل سکے گا۔ ہوتا یہی ہے۔ یہ قدرت کا اہل اصول ہے۔ وہاں دیر ضرور ہوتی ہے“ اندھیر نہیں ہوتا۔ قدرت کی لامٹی ایک بار گردش میں آجاتی ہے تو بڑے بڑوں کا بھیجا باہر نکال دیتی ہے۔ چاروں چٹ پٹ مر گئے۔“ اول خان نے مسرت آمیز لہجے میں کہا۔

”کسی اور بات سے پہلے یہ بتاؤ کہ تمہارے بازو کا زخم کیسا ہے؟“ جلال نے چونک کر پوچھا۔

”ہلکی ہلکی ٹیسس رہ گئی ہیں۔ زخم گہرا ہوتا تو شاید نام پوچھ لیتا۔“ اول خان ہنس کر بولا ”مجھے رہ رہ کر مذمت ہو رہی ہے کہ میں اتنے معمولی سے زخم سے اس قدر بدحواس ہوا کہ بالکل وہی کچھ کر گزارا جو وہ لوگ چاہتے تھے۔ مجھے اپنی اس حماقت پر زندگی بھر افسوس رہے گا۔“

”تم ملاحہ یہ بات دل میں لیے بیٹھے ہو کہ تمہاری غلطی

”یہ نفسیاتی معاملہ ہے۔“ ویرا ہنس کر بولی ”تم اپنی توجہ بن تک مرکوز رکھو۔ اس سے آگے نہ سوچو۔“

”ہمارا ہدف وہی ہے۔“ جلال نے اپنی جگہ پر پہلو بدل کر کہا ”ہم اس کے پشت پناہ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔“

”جی لائیڈ کو مروانے کے بعد اب شاید شی میں صدر کی گہری دلچسپی ختم ہو چکی ہے۔ خطے میں پیدا ہونے والی اہم کی پیشتر مقدار بہروئن کے سوف میں ڈھل کر پاکستانی شہروں میں کھپ جاتی ہے۔ نئے کام میں ہر بڑا عہدہ دار بڑھ چڑھ کر دلچسپی لیتا ہے۔ روٹین میں آجانے کے بعد وہ کام از خود دوسروں کی نگرانی میں چلا جاتا ہے۔ حالات بتا رہے ہیں کہ اب سی آئی اے والے شی کو چلا رہے ہیں۔ بن ڈیوڈ ان کا مہرہ ہے۔“

فالکن ہاؤس میں جیک اسمتھ کی موت کے بعد یہ بات ہر شک و شبہ سے بالاتر ہو چکی ہے۔“ جلال نے ویرا کی تائید کی ”مگر تمہاری باتیں درست ہیں تو اب صدر کی ذات پس منظر میں چلی گئی ہے۔ شی کو سی آئی اے والے اپنے مقاصد کے لیے استعمال کر رہے ہیں۔“

”اسی کے ساتھ یہ بات بھی واضح ہو رہی ہے کہ شی اب اپنا پرانا بھرم کھو چکی ہے۔ اس پر نو آموزوں کا قبضہ ہو چکا ہے جو صرف پیسہ کمانے کے لیے اسے التماسیدھا چلا رہے ہیں۔ جب تک شی چل رہی ہے ان کا طوطہ ماندہ بھی چٹا رہے گا۔“ غزالہ نے رائے دی۔

”بن ڈیوڈ کو تم نو آموز نہیں کہہ سکتیں۔ وہ ہمت گھاگ اور شاطر ہے۔ آنے والے خطرے کو بروقت بھاپ لیتا ہے اور ہم منہ دیکھتے رہ جاتے ہیں۔“ سلطان شاہ بولا۔

”معززین کی طرح ہر مجرم کی ایک ساکھ اور دھاک ہوتی ہے۔ بن ڈیوڈ کتنا بھی زور لگائے وہ رائے لوگوں کے مقام کو نہیں پہنچ سکتا۔“ ویرا کا ذہن بدستور تشی کے تابناک ماضی کے سحر میں الجھا ہوا تھا۔ اس بار مجھے پھر سلطان شاہ کو آنکھ مار کر خاموش کرنا پڑا ورنہ وہ کفن پھاڑ کر کچھ بولنے کے لیے تیار ہو چکا تھا۔

شاید وہ گفتگو طول پکڑ جاتی مگر اول خان کی آمد سے بات وہیں ختم ہو گئی۔ اس وقت سب ہی کو شدت سے اس کا انتظار تھا۔

”میرے لیے یہاں تک پہنچنا دشوار ہو گیا۔ دل چاہ رہا تھا کہ پر لگیں اور میں ان کی یہاں پہنچ جاؤں۔“ اول خان نے آتے ہی کہا۔

”تم کچھ مسلمان ہو۔“ جلال نے ہیکراتے ہوئے کہا۔

”مجھے معلوم ہے کہ تم محتاط اور ڈسپلن کے آدمی ہو۔ ایک سسٹم کے تحت کام کرتے ہو اور سوچے سمجھے بغیر کوئی بات اپنی زبان سے نہیں نکالتے۔ تم کسی نہ کسی بنیاد پر ہی اس مکان پر اپنی توجہ مرکوز کرنے پر مجبور ہوئے ہو گے۔“ جلال نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے دھیرے سے کہا ”مجھے رپورٹ ملی ہے کہ نمبروں کے اعتبار سے ڈیفنس کے کمرشل ایریا خاصے لکھے ہوئے ہیں۔ ہر فزیکا اپنا الگ کمرشل ایریا ہے اور ہر کمرشل ایریا میں ایک ہی نمبر کی کئی عمارتیں ہیں۔“

”یہ بات الجھن کا سبب بنی تھی مگر اب ہر بات واضح ہو گئی ہے۔ پلاٹ نمبر کے ساتھ اسٹریٹ کا نام معلوم ہونا ضروری ہے ورنہ آدمی پھٹکتا رہے گا۔“ وہ بولا۔

”اس کا مطلب ہے کہ ایک ہی علاقے میں ہر اسٹریٹ پر سی تا مین پایا جائے گا۔“ سلطان شاہ نے حیرت سے پوچھا۔

”آئی بی سے یہی بات کہی جا رہی ہے۔“ اول خان نے خوش دلی سے جواب دیا۔

”ہم دور نکل گئے۔ میں نے تم سے تمہارے شہ کی بنیاد کے بارے میں پوچھا۔“ جلال نے اول خان کو ٹوکا۔

”وہ بی بی ہوئی ایک مکمل عمارت ہے جو نیچے سے اوپر تک غیر آباد ہے۔“

”ہو سکتا ہے کہ وہ حال ہی میں تیار ہوئی ہو اور اس کا مالک مناسب گاہکوں کے انتظار میں ہو۔“ سلطان شاہ بے صبری سے درمیان میں بول پڑا۔

”ذکا نہیں پہلے ہی بن گئی تھیں۔ رنگ روغن کرنے والوں کی نفرت کو وہاں سے نکلے دو ماہ گزر چکے ہیں۔“ اول خان نے معنی خیر لہجے میں بتایا۔

”تمہارا مطلب ہے کہ دو ماہ سے اسے انتظار میں خالی رکھا گیا ہے کہ جب بن کو امریکی قونصل خانے سے بھاگنا پڑے گا تو وہ وہاں گوشہ نشین ہو جائے گا۔“ ویرا کا لہجہ تمسخر آمیز تھا۔

”یہ تمسخرانہ بات نہیں ہے۔“ جلال نے اسے گھور کر کہا ”کیلی بائرن کی زبانی یہ بات ہم سب کے سامنے آچکی ہے کہ بن نے کراچی میں آمد سے پہلے ہی بی بی باؤن کے ساتھ فاکٹن ہاؤس کو کرایے پر لے لیا تھا تاکہ کسی آڑے وقت میں کسی تردد کے بغیر تیزی سے اپنا ٹھکانا بدل سکے۔ ہو سکتا ہے کہ اس نے اسی طرح شہر میں مزید عمارتوں کا بندوبست کیا ہوا ہو۔“

”یہ باتیں ویرا کی موٹی عقل میں آنے والی نہیں تھیں۔“ سلطان شاہ بغیر بولے نہ رہ سکا۔

کی وجہ سے بلیک کیٹس یا ان کے کسی آدمی نے یہ گھر دیکھ لیا۔ ہو سکتا ہے کہ یہ محض ہمارا وہم ہو۔“ جلال نے مرہبانہ انداز میں اسے سمجھانے کی کوشش کی لیکن اس نے جلال کی بات درمیان سے اچک لی۔

”یہ وہم نہیں، حقیقت ہے۔ آج دن میں میرے آدمیوں نے اس نکتے پر کام کیا ہے، مخصوص برانڈ کی چائے کمپنیوں کے ذمے دار افسروں نے شہر میں ہونے والے کسی بھی سروے سے اپنی لاعلمی ظاہر کی ہے۔ ایسی تفسیری یا سروے اسکیمیں کمپنی کی رضا مندی کے بغیر شروع نہیں کی جاتیں۔“ اول خان نے کہا۔

”بڑی کمپنیاں ایسے کام خود نہیں کرتیں۔ ان کے لیے اشتہاری ادارے اور مارکیٹنگ کنسلٹنٹ یہ سارے کام انجام دیتے ہیں۔“ ویرا نے بے پروائی سے تبصرہ کیا۔

”تم مجھے احمق سمجھ رہی ہو یا پھر بلاوجہ بھلائے کی کوشش کر رہی ہو۔“ اول خان نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

”میں مبتدی نہیں ہوں۔ یہ سارے نکات میرے ذہن میں تھے۔ اوپر سے نیچے تک مکمل بلیک آؤٹ ہے۔ سروے کے لیے آنے والی لڑکی بالکل فراڈ تھی۔ وہ صرف اس گھر کا جائزہ لینے کے لیے آئی تھی۔“

”پھر بھی تم کو خوش ہونا چاہیے۔“ میں نے اس کی غلط دور کرنے کے لیے کہا ”ویرا نے اپنی موروثی بددماغی کا مظاہرہ کر کے اس کی کوشش کو ناکام بنا دیا۔ تم بلاوجہ یہ قصہ لے بیٹھے ہو۔ اس وقت کا اہم ترین مسئلہ بن ڈیوڈ ہے۔ تم نے فون پر بتایا تھا کہ تم نے اس کی کمین گاہ کا سراغ لگالیا ہے۔“

”میں نے یہ نہیں بتایا تھا۔“ اس نے سنبھل کر میری تھپکی کی۔ ”میں نے صرف اتنی بات کہی تھی کہ میں نے سی تا مین کا سراغ لگالیا ہے اور اس کی نگرانی شروع کرادی ہے ابھی تک ایسی کوئی محسوس شہادت سامنے نہیں آئی جس کی بنا پر یہ بات وثوق سے کہی جاسکے کہ وہ اندر ہی موجود ہے۔“

”ہائیں.... اب تم بنی بات کہہ رہے ہو۔“ میں نے حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر کہا ”فون پر تو تم مجھ سے یہ پوچھ رہے تھے کہ اسے آئی بی والے اٹھائیں گے یا تمہارے آدمی پیش قدمی شروع کر دیں۔“

”پورے ڈیفنس میں مجھے اب تک وہی ایک عمارت مشتبہ نظر آئی ہے۔ اس میں گھرے بغیر کچھ باتیں چل سکتے گا۔“ اول خان نے جواب دیا ”مجھے غالب امکان نظر آ رہا ہے کہ وہ اندر موجود ہو گا۔“

توقف کے بعد جلال نے اول خان کو یاد دلایا۔

”علاقے کے اسٹیٹ ایجنٹوں سے پتا چلا ہے کہ سی ٹائمن کی دکانوں وغیرہ کے کافی خریدار آرہے تھے۔ کیشن کے چکر میں ایجنٹ کئی مرتبہ چوکیداروں سے رابطہ کر چکے تھے۔ مگر ان سے کوئی تسلی بخش جواب نہیں ملا۔ وہ ہر بار یہ کہہ کر ٹالتے رہے کہ مالک آئے گا تو اس کو بتا دیں گے۔“

”ان کے پاس مالک کا نام بتا دو گا۔“ میں نے پوچھا۔
 ”ان کی ہر بات اب مشکوک نظر آ رہی ہے۔“ اول خان ایک گہرا سانس لے کر بولا ”میرے دو آدمی براہیٹی ایجنٹ بن کر چوکیداروں سے ملے تھے۔ انہوں نے بتایا کہ سی ٹائمن کا مالک امریکا میں ہے فقیر اس کے لایا بی بھانجے کی نگرانی میں ہوئی ہے۔ شاید اس کا ماموں بہت مال دار ہے۔ وہ فلیٹ اور دکانیں بیچنے یا کرایے پر اٹھانے میں دلچسپی نہیں لے رہا۔“

”بائی دا وسے۔۔۔ سی ٹائمن نامی حویلی کتنے ایکڑ پر پھیلی ہوئی ہے۔“ ویرا نے معصومیت سے پوچھا مگر اس کی آنکھوں میں شرارت ناچ رہی تھی۔

اول خان اس کی طرف متوجہ نہیں تھا۔ سادگی سے جواب دے بیٹھا ”ڈیفنس کے سارے کمرشل پلاس دو سو گز کے ہیں۔“

”میں میرا خیال تھا۔ وہ عمارتیں میری دیکھی ہوئی ہیں۔“ ویرا نے کہا ”اس ذرا سی عمارت میں دو چوکیداروں کی کیا ضرورت ہے؟“

”یہ بھی شے کا ایک سبب ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ وہ دن اور رات میں باری باری ڈیوٹی دیتے ہیں۔ خالی بلڈنگ میں دن کو گرنائی کیا ہوتا ہے۔ تالا ڈال کر رات کا چوکیدار آرام سے اپنی نیند پوری کر سکتا ہے لیکن ایسا نہیں ہو رہا۔ وہ دونوں پوری ڈیوٹی انجام دے رہے ہیں۔“

”خدا کرے تمہارے شہادت درست ثابت ہوں اور وقت برباد نہ ہو۔“ جلال نے وعادی۔

”چھوٹی چھوٹی کئی باتیں شہادت کو تقویت پہنچا رہی ہیں۔ کوئی واضح شہادت سامنے نہ ہونے کی وجہ سے میرے آدمیوں نے جزئیات پر بہت زیادہ دھیان دیا ہے۔ دو دن سے خریداری کرنے والے چوکیدار کے اخراجات میں نمایاں تبدیلی آئی ہے۔ وہ قریبی اسٹور سے دودھ، پیاز اور مکھن خرید رہا ہے۔ بسکٹوں کے پیکٹ بڑی تعداد میں عمارت میں لے جائے گئے ہیں۔ اس کی خریداری کی بدلی ہوئی نوعیت اور مقدار اس بات کی نشاندہی کر رہی ہے کہ عمارت میں کوئی

”تم اپنی زبان بند رکھو۔ اگر سی ٹائمن کو دو مہینے سے کسی ہنگامی ضرورت کے لیے خالی رکھا گیا تھا تو امریکی قونصل خانے سے نکلنے کے بعد اسے پریسڈنٹل آر مسٹرنگ کے گھر کیوں جانا پڑا۔ وہ براہ راست سی ٹائمن کیوں نہیں گیا؟“ ویرا چیخ کر بولی۔

”سی ٹائمن عام راستے پر واقع ایک کھلی عمارت ہے جہاں دو بکتر بند گاڑیوں کی آمد ایک تماشا بن جاتی۔“ اول خان نے قہقہے سے کام لیتے ہوئے اسے سمجھانے کی کوشش کی ”وہاں زخمی کبلی کو اسٹریچر پر اتارا جاتا تو وہ منظر بہت سے لوگوں کی نظروں میں آ جاتا۔ نشین کا احاطہ اتنا وسیع اور محفوظ ہے کہ دونوں بکتر بند گاڑیاں اندر جانے کے بعد پھاٹک بند ہو گیا تو میں چکر اکر رہ گیا۔ مجھے خاصی دیر تک پتا نہیں چل سکا کہ وہ دونوں گاڑیاں کہاں غائب ہو گئی تھیں۔“

”یعنی تک صرف کبلی کو وہاں اتارنے گیا تھا؟“ ویرا نے جرح کرنے والے انداز میں پوچھا۔
 ”اگر اسے اپنے تعاقب کا شہ نہ ہوا ہوتا تو وہ دونوں کو وہیں چھوڑ دیتا۔“ اس بار میں نے ویرا کو جواب دیا۔
 ”شہ ہو گیا تھا تو اسے دونوں کو کہیں اور لے جانا چاہیے تھا۔“ ویرا اپنے موقف پر اڑی رہی۔

”کبلی کو وہ سی ٹائمن لا کر تماشا نہیں بنا سکتا تھا۔ اس لڑکی کی پوزیشن صاف ہو چکی تھی۔ جلال نے میرے ساتھ اسے ٹام اور تک کے حوالے کیا تھا۔ انہیں معلوم تھا کہ کبلی دوبارہ ہمارے ہاتھ آگئی تب بھی کوئی زیادہ نقصان نہیں ہو گا۔ انہوں نے اسے نشین میں ڈونلڈ کے حوالے کر دیا۔ اصل خطرہ بن کو درپیش تھا۔ اسے وہ وہاں سے نکال لے گئے۔“

”اور سی ٹائمن میں چھپا دیا!“ ویرا کا طنز کے زہر میں ڈوبا ہوا استفسار مجھے پسند نہیں آیا۔ میں نے سر ہلا کر اس کی تائید کر دی۔

”جب بکتر بند گاڑی بن کو لے کر سی ٹائمن پہنچی ہوگی تو تماشا نہیں بنا ہو گا!“ ویرا نے ہاتھ فضا میں نیچا کر پوچھا۔
 ”کبلی زخمی اور اسٹریچر پر تھی۔ بن صحت مند تھا۔ اسے بکتر بند گاڑی سے بھی کسی محفوظ علاقے میں اتار دیا گیا ہو گا۔ اسے اوپر پہنچانے کے لیے کسی مدد کی ضرورت نہیں تھی۔ تک کو بکتر بند گاڑیوں کے تعاقب کا شہ نہ ہوا ہوتا تو ان دونوں کے لیے نشین بہت مہتر اور محفوظ گاہ ثابت ہوتا۔“ میرا وہ جواب سن کر ویرا خاموش ہو گئی۔ اسے فوری طور پر کوئی اعتراض نہیں سوچ سکا تھا۔
 ”ہاں، تو تم دو ماہ کی بات کر رہے تھے۔“ چند ثانیوں کے

سمان آیا ہوا ہے۔“

”تمہارے آدمیوں نے اس عمارت کا کھوج لگانے میں واقعی محنت کی ہے۔“ جلال نے تعریفی لہجے میں کہا۔

”میں اپنے کام کے سلسلے میں ہمیشہ پر امید رہتا ہوں لیکن بدترین نتائج کے قبول کرنے کے لیے تیار رہتا ہوں۔ میں نے اسی لیے پوچھا تھا کہ کارروائی کون کرے گا۔“

”ایسے کاموں میں تسلسل کی بڑی اہمیت ہوتی ہے۔ میری طرف سے تمہیں کھلی اجازت ہے۔ میرے آدمی دور رہیں گے جنہوں نے اس کا سراغ لگایا ہے وہی اسے پکڑیں گے۔“

”تمہیں تو شاید چھاپے مارنے کی اجازت بھی نہیں ہے۔“ میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

”غیر معمولی حالات میں، کسی مجرم کی گرفتاری کے لیے ہم سب کچھ کر سکتے ہیں لیکن اس میں لمبے پکڑ پڑ جاتے ہیں۔ ہمیں علاقے کی پولیس کو کسی نہ کسی حد تک اپنے اعتماد میں لینا پڑتا ہے۔“

”پولیس!“ سلطان شاہ استہزائیہ انداز میں ہنس پڑا۔ ”وہاں سے ہر بات قبل از وقت نکل جاتی ہے۔“

”ان پر یوں بے رحمی سے نہ ہنسو۔ دو تین ہزار روپے تنخواہ دے کر کسی سپاہی سے فرض شناسی کی امید نہیں کی جا سکتی۔ بھی ٹھنڈے دل سے ان کی مجبوریوں پر غور کرو تو تمہیں اندازہ ہو گا کہ اپنے گھروں کے چولے روشن رکھنے کے لیے یہ بے چارے جرائم پیشہ لوگوں سے ربط ضبط رکھنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ یہ متبادل راستے اختیار نہ کریں تو ان کے بال بچے بھوکے مر جائیں۔“

”تنخواہ کم ہے تو لوگ اس جھگے کی معمولی معمولی نوکریوں کے پیچھے کیوں مارے مارے پھرتے ہیں؟“ سلطان شاہ نے پوچھا۔

”یہ بڑی بد نصیبی کی بات ہے کہ ہمارے معاشرے سے حلال اور حرام کا امتیاز بہت تیزی سے ختم ہوتا جا رہا ہے۔ ہر شخص اپنی ضروریات پوری کرنے کی اندھا دھند دوڑ میں شامل ہے۔ لوگ ان نوکریوں کے پیچھے صرف اس لالچ میں اپنے جوتے چماتے پھرتے ہیں کہ یہاں تنخواہیں کم ہونے کے ساتھ اختیارات زیادہ ہیں جن کے سارے کچھ نہ کچھ رشوت بخوری جا سکتی ہے۔“

”نہیں۔ یہ صرف ضروریات کا مسئلہ نہیں ہے۔“ غزالہ بولی ”خبروں میں بار بار لکھ چکی پولیس افسروں کی کمائیاں چھپ چکی ہیں۔“

”ایسے بھی ضرور ہوں گے مگر ان کی تعداد انگلیوں پر گنی جا سکتی ہے۔ ان کا ماضی کریدو تو تمہیں پتا چلے گا کہ انہوں نے اپنی ضرورتیں پوری کرنے کے لیے رشوت خوری کی ابتدا کی تھی۔ یہ مقدور کی بات ہے کہ انہیں مواقع میسر تھے اور قدرت نے ان کی رسی دراز کر دی۔ یہ انسان کی فطرت ہے کہ اس کی ضروریات آسانی سے پوری ہونے لگیں تو وہ مال و زر کی ہوس میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ ایسے مواقع ہر پولیس والے کو نہیں ملتے ان کی بھاری اکثریت دال روٹی کے چکر میں پوری عمر گزار دیتی ہے۔“

”تم سرکاری ملازم ہو اس لیے اپنی برادری کا بچاؤ کر رہے ہو۔“ ویرا نے کہا ”مغرب میں دیکھو کہ پولیس کی کیا ساکھ اور دھاک ہے۔ کوئی ان کو رشوت کی پیشکش کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔“

”اتھقانہ باتیں مت کرو۔“ جلال نے ویرا کو جواب دیا۔ ”جس مغرب کی تم بات کر رہی ہو وہاں پولیس والوں کو سب سے زیادہ تنخواہیں ملتی ہیں اور ان کے اختیارات محدود ہیں۔ ذرا سی لغزش ہو تو روڈی اتروا کر ان کو لاک اپ میں ڈال دیا جاتا ہے۔ یہاں کے حالات کار کا تم ان سے موازنہ نہیں کر سکتیں۔“

”یہ پولیس ریفاورمیشن کا اجلاس نہیں ہے۔ ہمیں بن کے بارے میں کچھ طے کر لینا چاہیے۔“ سلطان شاہ نے احتجاج کیا۔

”میں اپنا فیصلہ دے چکا ہوں۔ جو کچھ کرنا ہے اول خان کو کرنا ہے۔“ جلال نے اپنے شانے اچکا کر بے پروائی سے جواب دیا۔

اول خان نے چند ثانیوں کے لیے میری آنکھوں میں جھانکا پھر رسائیت سے بولا ”میرا خیال ہے کہ رات گہری ہونے کے بعد سی ٹائمن کو گھیر لیا جائے۔“

”کسی بیٹھ بھاڑ کی ضرورت نہیں۔“ میں نے بلا توقف کہہ ڈالا ”وہاں تمہارے جو آدمی ہیں۔ وہی کافی ہوں گے۔ ان کی تعداد کیا ہے؟“

”ایک گاڑی کے ساتھ چار آدمی سی ٹائمن کی نگرانی پر مامور ہیں۔“ اس نے بتایا۔

”یہ بھی زیادہ ہیں۔“ ویرا منہ بنا کر بولی۔ ”نگرانی کے لیے ایک ہی آدمی کافی تھا۔“ اس کا انداز مجھے چڑانے والا تھا۔

”وہاں کسی نئے چرے کی زیادہ دیر تک موجودگی نوٹ کی جا سکتی ہے۔“ اول خان نے وضاحت کی۔ ”وہ باری باری